میمونہ

(ایک مایۂ ناز تاریخی ناول)

رئیس احمد جعفری

بک لینڈ ۱۲ محمد بلڈنگ
بندر روڈ کراچی ۱/-

ٹیلیفون نمبر:- ۳۶۱۰۹

دائمی حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ہندوستان کے لیے جملہ حقوق بحق
کتب خانہ حیدری
چھتہ بازار حیدر آباد دکن
محفوظ ہیں

مصنف :- رئیس احمد جعفری

ناشر :- بک لینڈ کراچی

باہتمام :- شیخ محمد حسین

نقش اول :- دو ہزار

طابع :- انٹرنیشنل پریس کراچی

قیمت :- [redacted]

پردہ داری می کند بر قصرِ کسریٰ عنکبوت
بوم نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

پیش لفظ

اسلام کی تاریخ عجیب و غریب واقعات و حوادث کا مجموعہ ہے، ایسے واقعات و حوادث جن کی مثال دوسرے قوموں، اور ملتوں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

تاریخ اسلام کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ ریگ زار عرب سے، ایک قوم اٹھی جس کے پاس جذبۂ دینی کے سوا کوئی متاع نہیں تھی، نہ اس کے پاس دولت تھی، نہ ساز و سامان نہ مورخ کی سی فوج، غربت کا یہ عالم کہ بدن پیوند لگے کپڑوں سے ڈھکا ہوا، ساز و سامان کا یہ حال اگر تلوار ہے تو زنگ خوردہ، تیر ہے تو ٹوٹا ہوا، مال و منال کی یہ کیفیت کہ صبح اگر روکھی سوکھی روٹی مل گئی تو شام کا کوئی ٹھکانا نہیں، تعداد کا یہ حال کہ انگلیوں پر گن لیجئے، لیکن یہ قوم، وقت کی بڑی بڑی، مہذب، متمدن، دولت مند اور حد شمار سے خارج لشکر رکھنے والی قوموں سے نبرد آزما ہوئی، اور کبھی نہیں ہاری، اس نے ایران کی شوکت دیرینہ خاک میں ملا دی، اس نے ـــــ روم کا دبدبہ ختم کر دیا۔ اس نے کسریٰ کے محلوں پر قبضہ کر لیا، اس نے قیصر روم کو شکست دی، اور اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، یہ قوم ہر جگہ اپنا مذہب توحید لے کر پہونچی اور اس مذہب ـــــ اسلام ـــــ نے بے سروسامانی کے باوجود ہر مذہب کو شکست دی، ان میں زرتشتی مذہب اپنی قدامت پر نازاں اور مفتخر موجود تھا، لیکن مذہب اسلام کے پہونچتے ہی بغیر کسی جبر و جور کے آتش کدے بجھ گئے۔ اور غلغلۂ توحید ہر طرف سے بلند ہونے لگا،

قریب ہے یار روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر؛
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا،

یہ چاہتا تھا کہ حکومت میرے قبضہ میں آئے یا باپ، دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے حتی الامکان اس کا بندوبست مرنے سے پہلے کر جاتا تھا کہ بھائیوں میں جنگ زرگری نہ ہو، وہ اس پر قناعت کریں، جو انھیں دے دیا گیا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، شہزادوں کی کشمکش نے عوام و خواص میں پارٹی بندی پیدا کر دی، اس پارٹی بندی نے عوام میں افتراق و مخالفت کے جذبات پیدا کئے، فوج میں حرص و ہوس کے جذبے نے فروغ پایا، ہر نئے بادشاہ سے انعام اور ترقی مراتب کا تحفہ ملنے لگا، لہذا جس قدر جلد جلد بادشاہت میں تبدیلی ہو اتنا ہی بہتر ہے، اسی جذبہ نے پانی کی طرح مسلمانوں کا خون بہایا، حالات ابتر ہوئے اور ہوتے ہی چلے گئے۔

زیر نظر ناول ان ہی حالات پر مبنی ہے۔ مجھے اُمید ہے تاریخی ناولوں سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس ناول کو پسند کریں گے۔

رئیس احمد جعفری

مصر میں عیسائیوں کی حکومت تھی' لیکن وہاں جب یہ غریب الوطن مذہب اسلام پہونچا تو دیکھتے دیکھتے اسلام سارے ملک کا مذہب بن گیا۔ اسپین میں جب مسلمان پہونچے تو وہاں یہودی بھی تھے' اور عیسائی بھی' لیکن دونوں اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے۔ سندھ کی سرزمین پر جب عربوں کے قدم پہونچے تو یہاں برہمنوں کی حکومت تھی، اور عام آبادی بدھ مت کی پیرو' لیکن محمد بن قاسم کے عدل و انصاف' جود و کرم' رواداری اور عالی ظرفی نے بہت جلد برہمنوں اور بدھوں دونوں کو ختم کردیا' دونوں کے سر اسلام کی صداقت اور حقانیت کے سامنے جھک گئے' ذرا اور دور تک اپنی نظر کو وسعت دیجئے' افریقہ میں عربوں کے قافلے پہونچے' اور ساتھ ساتھ اسلام پھیلتا گیا' اور لطف کی بات یہ ہے کہ میدان جنگ پر نظر ڈالئے تو اور زیادہ حیرت ہوگی بلکہ معجزہ نظر آئے گا' میدان جنگ میں مسلمان ہمیشہ دشمن کے مقابلہ میں کم' اور بہت ہی کم نظر آئیں گے' لیکن جنگ کا اختتام یوں ہوگا کہ کم تعداد مسلمانوں کے حصہ میں فتح۔ اور غیر معمولی تعداد رکھنے والے دشمن کے نصیب میں شکست آئیگی دنیا کی تاریخ اس طرح کے حیرت انگیز اور معجزانہ واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

لیکن تاریخ اسلام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گو مسلمان دشمن پر ہمیشہ غالب آئے۔ لیکن تخت حکومت پر قابض ہونے کے بعد آپس کی لڑائیوں میں مصروف منہمک ہوگئے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا' بیٹا باپ کے خلاف صف آرا ہوا۔ اور خون کی ندیاں بہادیں۔

اگر مسلمان خانہ جنگی اور جنگ زرگری میں نہ مبتلا ہو گئے ہوتے تو شاید آج دنیا کے ہر ملک پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوتا' ہر قوم اسلام کی صداقت اور حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکی ہوتی۔ لیکن وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوئے۔ اور بُری طرح مبتلا ہوئے' اس طرح انہوں نے اپنی سطوت ختم کرلی' اور دشمنوں کو اپنے اوپر غالب آنے اور کامیاب ہونے کا موقعہ دیا' خانہ جنگی کی اصل واساس' خاندانی' اور ذاتی رقابتیں تھیں' ہر بادشاہ کا ہر بیٹا

		صفحہ
۳۳	بہزاد کا نیا روپ	۱۸۷
۳۴	انقلاب کی دعوت	۱۹۴
۳۵	مقتل کی طرف	۲۰۲
۳۶	میں آپ سے محبت کرتی ہوں	۲۱۴
۳۷	میں انتقام لوں گا	۲۲۵
۳۸	سفر	۲۳۳
۳۹	قاصد	۲۴۰
۴۰	نامۂ شوق	۲۴۹
۴۱	دنانیر	۲۵۴
۴۲	میمونہ کو ہمارے پاس بھیج دو۔	۲۵۹
۴۳	کٹھن گھڑی	۲۶۵
۴۴	جو سبقت کرتا ہے کامیاب رہتا ہے!	۲۷۵
۴۵	میمونہ اور زینب کی گرفتاری	۲۸۳
۴۶	خلیفہ کی بارگاہ میں زینب کے آنسو	۲۹۲
۴۷	جوڑ توڑ	۳۰۰
۴۸	عبادہ کا اضطراب	۳۱۲
۴۹	ہلکا سا حجاب	۳۱۷
۵۰	مایوسی کا اندھیرا	۳۲۶

		صفحہ
۵۱	ولولہ انگیز گفتگو	۳۳۴
۵۲	کیا وہ مبارک وقت آگیا؟	۳۴۱
۵۳	چمکتا ہوا خنجر	۳۴۶
۵۴	خلافت خاندان رسالت میں ہونی چاہئے	۳۴۹
۵۵	یحییٰ فضل کی بھتیجی بوران	۳۵۹
۵۶	کشمکش کا آغاز	۳۶۲
۵۷	باہمی مشورے	۳۷۲
۵۸	چاندی کی ہتکڑی	۳۷۷
۵۹	میدان جنگ کی طرف	۳۸۲
۶۰	نیزے پر لٹکا ہوا سر	۳۸۸
۶۱	ملزم کی پیشی	۳۹۲
۶۲	دلے بخیر گزشت	۴۰۸
۶۳	بہروپیا	۴۱۴
۶۴	شریف دشمن	۴۲۵
۶۵	تعاقب	۴۳۱
۶۶	کمبخت یہ تو نے کیا کیا؟	۴۴۰
۶۷	خاتمہ!	۴۴۷

ترتیب!

صفحہ

۱ بغداد ۱۰
۲ شراب خانہ ۱۴
۳ کون تھا وہ مجوسی؟ ۲۰
۴ تانبا سونا بن گیا ۲۵
۵ موت کا ایک دن معیّن ہے ۳۰
۶ انقلابِ روزگار ۳۵
۷ میری تلوار میرا سامان ہے! ۴۱
۸ زینب ۴۶
۹ زینب کا اضطراب ۴۸
۱۰ عبادہ ۵۲
۱۱ جعفر کا قتل ۵۷
۱۲ عبادہ کی بیٹیا ۶۵
۱۳ میمونہ — اجڑے ہوئے چمن کا کملایا ہوا پھول ۷۰
۱۴ ڈبارس! ۷۳
۱۵ وہ شرمگیں آنکھیں ۷۸
۱۶ اوپر اوپر پھول کھلے ہیں بھیتر بھیتر آگ ۸۸

صفحہ

۱۷ بہزاد ۹۵
۱۸ خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا ۹۸
۱۹ لگاؤ اور لگاوٹ ۱۰۱
۲۰ غنڈوں کا اڈا ۱۰۵
۲۱ سکینہ ۱۰۹
۲۲ جادوگر ۱۱۵
۲۳ نئے خلیفہ کا پہلا خطبہ ۱۲۱
۲۴ انتظار ۱۲۶
۲۵ اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی ۱۳۲
۲۶ حمّاد ۱۴۴
۲۷ بتّے پھینسے ۱۴۹
۲۸ رئیس المنجّمین ۱۵۷
۲۹ پریشانی ۱۶۶
۳۰ ایک نئی مصیبت ۱۷۰
۳۱ مدائن — ایک ویرانہ ۱۷۶
۳۲ نوشیرواں کا محل ۱۸۳

بھی بہت جلد عمارتوں کا ایک جنگل گیا اور اطراف بھی بہت سے نئے محلے آباد ہو گئے۔

باب خراسان کے بعد فردوس کے نام سے خلیفہ منصور نے ایک نہایت عظیم المرتبت محل تعمیر کیا۔ اس محل اور باب خراسان کے مابین ایک وسیع اور کشادہ محل تعمیر کیا۔ اس کے شمال مشرق میں ایک بہت بڑا راستہ دجلہ کے پل کے جانب جاتا تھا۔ یہ راستہ آگے چل کر خم کھاتا ہوا دجلہ کے مشرقی کنارے کی آبادی میں پہونچ جاتا تھا۔ اس راستہ کو شاہ راہ خراسان کہتے تھے آبادی کا یہ حصہ بہت بارونق تھا۔ قدم قدم پر مکانات اور باغات کی رعنائی اور دلکشی اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ نہروں کا ایک جال تھا جو دریائے دجلہ سے نکل کر مختلف اطراف میں پھیل گیا تھا۔

انہی نہروں میں سے ایک کا نام نہر جعفر تھا یہ نہر دریائے دجلہ سے نکل کر مشرق کی طرف بہتی ہوئی گذری تھی اس کے کنارے چند دلکشا، باغات تھے بعض باغوں میں بارہ دری یا مختصر سے مکانات بھی نظر آتے تھے۔ نہر جعفر کے کنارے ایک ایسے ہی باغ میں ایک چھوٹا سا مکان تھا یہ سنسان اور خاموش مقام شرابیوں کا مرکز تھا۔ اسے بظاہر سرائے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا استعمال زیادہ تر مے خانہ کی صورت میں ہوتا تھا۔ خراسان سے بغداد آنے والے قافلوں کے کچھ لوگ یہاں ٹھیر بھی جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے مے خانے کے منتظم نے ایک نان بائی کی دوکان بھی کھول رکھی تھی۔ جہاں سے فرمائشی کھانا پک کر مسافروں کو پہونچ جایا کرتا تھا۔ یہ جگہ شہر سے دور اور سڑک سے کافی فاصلہ پر واقع ہوئی تھی چنانچہ عافیت پسند لوگ کبھی کبھی ستانے اور آرام کرنے کے خیال سے یہاں دو چار روز کے لئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ جو لوگ شراب کے رسیا تھے۔ وہ بھی اکثر یہاں آیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہاں نہ محتسب کا اندیشہ تھا نہ قاضی کا ڈر۔

اس سرائے کا مالک اترتی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ چہرے کی جھریاں بتا رہی تھیں کہ عمر کا قافلہ ساٹھ کی منزل سے آگے بڑھ چکا ہے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ یہ شخص نہایت

(۱)

بغداد

۱۴۵ھ خاندان عباسیہ کے تعمیری دور میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔
اسی سال خلیفہ منصور نے بغداد کی تعمیر کا کام شروع کیا اور اسے امرائے دولت حکام سلطنت وزرائے خلافت اور سفرائے دولت کا مرکز قرار دیا۔ وسط شہر میں ایک نہایت عظیم المرتبت اور فلک شکوہ محل تعمیر کیا۔ جس کا نام قصر زرین قرار دیا۔ اسی محل کے پہلو میں تعمیراتی نقطۂ نظر سے نادر و یگانہ جامع مسجد تیار کی جو جامع منصور کے نام سے مشہور ہوئی۔ شہر کے مختلف حصوں میں سرکاری دفاتر تعمیر کئے گئے۔ اردگرد فصیل بنائی گئی جس کے چار عالی شان دروازے تعمیر ہوئے ان دروازوں کے نام ان مقامات کے نام پر رکھے گئے۔ جو ان کی سمت واقع تھے۔ شمالی پھاٹک کا نام باب خراسان قرار پایا۔ شمالی غربی دروازے کا نام باب شام مشہور ہوا۔ شرقی جنوبی دروازے کو باب بصرا کہنے لگے۔ اور غربی جنوبی پھاٹک کو باب کوفہ کے نام سے یاد کرنے لگے۔

اندرون شہر روساء و امراء نے نہایت شاندار مکانات، حویلیاں، ڈیوڑھیاں کوچے اور چھتے تعمیر کئے اور ان ہی کے نام سے موسوم کئے جانے لگے۔ بہت مختصر مدت میں شہر کے ہر چار طرف بڑے بڑے محلے آباد ہو گئے جو اپنے مخصوص ناموں سے موسوم ہوئے چنانچہ شمالی محلہ کا نام حربیہ اور جنوبی محلہ کا نام کرخ مشہور ہو گیا دریائے دجلہ کے مشرق میں

یں زیادہ صاف اور ستھرا تھا۔ الماریوں میں بڑے قرینے اور سلیقے سے شراب اور نبیذ کی بوتلیں رکھی تھیں۔ ساتھ ہی مختلف اوزان کے پیمانے بھی تاکہ اِن سے ایک ایک قطرہ تول کر اور ناپ کر دیا جائے کمرے کے ایک گوشہ میں مختلف قسم کے آلات موسیقی بھی رکھے تھے جس دور کی ہم کہانی بیان کر رہے ہیں اس زمانہ میں یہ عام قاعدہ تھا کہ شراب خانوں کے مالک اپنے یہاں خوش گلو اور خوش آواز مطربہ ملازم رکھتے تھے۔ یہ اپنے رقص و موسیقی سے گاہکوں کا دل لبھاتی تھیں۔ اور ناز و انداز کے جام میں رکھی ہوئی شراب ساقی پُرفن بن کر گاہکوں میں تقسیم کرتی تھیں اس طرح شراب بھی خوب بکتی تھی اور مے خانہ کی رونق میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ اس کمرے میں رکھے ہوئے آلات موسیقی شاید کسی مطربہ اور مغنیہ کی پس پردہ موجودگی کا ثبوت تھے۔

زیرک جہاں دیدہ اور کار آزمودہ تھا۔ اس نے بنو عباس کے تین خلفاء کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ خلیفہ مہدی اس کی آنکھوں کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوا۔ پھر اس نے خلیفہ ہادی کو تخت پر بیٹھتے اور کچھ عرصے بعد اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھا۔ پھر اس کی چشم حیرت نے خلیفہ ہارون رشید کا جاہ و جلال اور دبدبہ بھی دیکھا۔ اس نے جعفر برمکی کا شاندار اور ناقابل فراموش دور اقتدار بھی دیکھا۔ پھر اُسے قتل ہوتے دیکھا۔ اور پھر ایک مدت تک اس کی سربریدہ لاش کو بغداد کے پُل پر لٹکتا ہوا دیکھا۔

شراب کا کاروبار کرنے والے لوگ عام طور پر بُردبار اور متحمل قسم کے آدمی ہوتے ہیں انہیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر قسم کے آدمیوں سے پالا پڑتا ہے۔ ان میں خونی اور ڈاکو بھی ہوتے ہیں۔ آتش مزاج اور تندخو بھی اور ان سب کو خوش رکھنا مے فروش کا سب سے پہلا فرض ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بہت زیادہ قوتِ برداشت رکھتا ہے ہر قسم کی باتیں سنتا ہے۔ لیکن اس کان سنتا ہے اُس کان اُڑا دیتا ہے۔ شراب کے نشہ میں بہت سے لوگ جب بہکتے ہیں تو گفتنی اور ناگفتنی ہر طرح کی باتیں ان کی زبان پر آجاتی ہیں۔ بعض لوگ نشے میں سرشار ہو کر اپنے خفیہ راز بھی زبان پر لے آتے ہیں۔ مے فروش نہ صرف سب کچھ سنتا ہے بلکہ سنی ہوئی باتوں کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ وہ اپنے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتا جس سے اُس کے متوالے گاہکوں کو کسی طرح کا نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو۔ شراب کا کاروبار چونکہ اسلام نے حرام قرار دیا ہے اس لئے کوئی مسلمان اس کاروبار کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ذمیوں اور غیر مسلموں پر چونکہ اسلام نے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے اس لئے انہیں اسلامی مملکت میں اس طرح کا کاروبار کرنے کی پوری اجازت حاصل ہوتی ہے چنانچہ اس سرائے اور شراب خانہ کا مالک بھی ایک ذمی تھا۔ جو مذہب کے اعتبار سے یہودی تھا جس کمرے میں شراب خانہ کا مالک رہتا تھا وہ دوسرے کمروں کے

پھٹ پڑی" نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" والا معاملہ تھا۔ غنڈہ کی پیشوائی کرتے جتنا تھا اُسے دھتکار کر دروازہ بند کرلینے کی ہمت پڑتی تھی۔ دہشت زدہ اور سراسیمہ ہو کر اس کا سینہ پھٹنے لگا غنڈہ اس وقت تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا دل پر پتھر کی سِل رکھ کر اور زبردستی چہرے پر تبسم پیدا کر کے تپاک اور اخلاق کے ساتھ اس نے کہا۔

"آیئے تشریف لایئے۔"

اس غنڈہ کا نام نعیم تھا۔ بدن پر ایک پوستین گھٹنوں تک پاجامہ کاندھے پر ایک کشکول جس میں پتھروں کے ٹکڑے بھرے تھے۔ پہلو میں ایک خنجر آویزاں یہ اس زمانے کے غنڈوں کی عام دھج تھی وہ عجب بے پروائی کی شان سے کھڑا تھا ایک ہاتھ میں ڈنڈا جسے وہ بار بار اُلٹ پلٹ رہا تھا دوسرے ہاتھ میں روٹی جسے وہ چبا رہا تھا نعیم نے سمعان سے کہا۔

"ہم شراب پئیں گے۔"

سمعان نے کہا۔

"ضرور آیئے تشریف لایئے۔"

تینوں باغ کے اندر داخل ہوئے بارہ دری میں پہونچے۔ سمعان نے دو پیالوں میں نبیذ بھری اور دونوں کی طرف بڑھاتے ہوئے نعیم کے ساتھی پر نظر ڈالی تو وہ سپاہیوں کے لباس میں ملبوس نظر آیا سپاہی کے بدن پر ایک زرہ تھی۔ سر پر لمبی سی ٹوپی، سیاہ قبا زیب جسم پر تلے میں تلوار جھول رہی تھی۔ سپاہی کو دیکھ کر سمعان کا دل مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ سپاہی شراب نہیں پیتے تھے۔ نبیذ استعمال کرتے تھے۔ جس کے جائز ہونے کا فقہا نے فتویٰ دے دیا تھا۔ نبیذ میں نشہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک قسم کا سرور پیدا ہو جاتا تھا۔ سپاہیوں کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ وہ اُدھار نہیں

(۲)

شراب خانہ!

۱۹۳ھ شروع ہوچکا ہے۔

سرائے اور شراب خانہ کا مالک سمعان آج بہت دل گرفتہ اور ملول نظر آرہا تھا۔ اس لئے کہ آج کوئی مسافر نہیں آیا۔ اصل آمدنی شہر کے خوش باشوں سے اتنی نہیں ہوتی تھی جتنی مسافروں سے اس لئے کہ سفر میں انسان قدرتاً فراخ دست ہوجاتا ہے۔ ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے خرچ کر دینا اس کے نزدیک معمولی بات ہے سارا دن اسی طرح گذر گیا۔ اور کسی مسافر کی صورت دکھائی نہ دی۔ جب شام کا جھٹ پٹا ہوا اور سمعان مسافروں کی طرف سے بالکل مایوس ہوگیا تو اس نے باغ کے ایک گوشہ میں آگ سلگائی اور اپنے لئے مچھلی بھوننے کا انتظام کرنے لگا کہ جلدی سے کھانے پینے سے فراغت پاکر اوڑھ لپیٹ کر سو رہے۔ یکایک ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اُس کا نام لے کر پکار رہا ہے یہ آواز سن کر وہ بہت خوش ہوا سمجھا کوئی مسافر آیا ہے دوڑا دوڑا دروازے پر پہونچا لیکن وہاں مسافر کے بجائے بغداد کا ایک چھٹا ہوا غنڈہ نظر آیا آج کل بغداد میں غنڈوں کی بہت کثرت تھی اِن لوگوں کا مشغلہ ہنگامہ و فساد لوٹ مار اور قتل و غارت تھا۔ سمعان اِس شخص کو دیکھ کر ٹھٹکا اور دل ہی دل میں خدا سے پناہ مانگنے لگا کہ یہ آفت کہاں سے

سمعان نے ان دونوں سے کہا۔

یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں اگرچہ کوئی سننے والا موجود نہیں پھر بھی دیوار ہم گوش دارد آیئے میرے کمرے میں چلئے بڑی پرسکون اور سب سے الگ تھلگ جگہ ہے۔

نعیم اور سپاہی سمعان کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے میں پہونچے دیوار پر ایک کھونٹی سے بربط اٹکا ہوا تھا نعیم نے اُسے اتارا اور سمعان کی طرف بڑہاتے ہوئے کہا۔

مجھے معلوم ہے تم بڑے اچھے گویئے ہو اور بربط بجانا تو تمہارا خاص ہنر ہے گاؤ اور بجاؤ۔

سپاہی نے کہا۔

اگر واقعی بربط بجانا تمہارا ہنر ہے تو پھر قصر خلافت میں ابراہیم موصلی کی طرح تمھیں بھی تقرب حاصل ہو سکتا ہے مگر خلیفہ کا تقرب خطرناک بھی ہوتا ہے جس حالت میں بھی ہو یہی ٹھیک ہے کہ خطرے کی تلوار تو سر پہ نہیں لٹک رہی ہے برامکہ کو خلیفہ کے بارگاہ میں کیسا تقرب حاصل تھا لیکن ان کا جو انجام ہوا وہ کون نہیں جانتا میں تو جب یہ باتیں سوچتا ہوں تو دل کانپ جاتا ہے۔

نعیم کو سپاہی کی یہ باتیں کچھ پسند نہ آئیں اُس نے کہا۔

تم تو وعظ کو کہنے لگے زندگی کا لطف ہی کیا اگر خطرہ نہ ہو۔ تم تو مجھے خلیفہ کا گویّا یا شاعر بنوا دو۔ ہر طرح کا خطرہ خوشی سے بھگت لوں گا۔

سپاہی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پہلے گانا سیکھو شاعر بنو فن حاصل کرو شہرت پیدا کرو۔ پھر یہ باتیں کرنا۔

نعیم نے جواب دیا۔

اچھا اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنی طرح سپاہی بنوا دو۔

سپاہی۔ میرے دوست سپاہی بننا بھی آسان نہیں۔

نعیم۔ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کیا تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو؟ آؤ دو دو ہاتھ

رکھتے تھے۔ فوراً دام ادا کر دیا کرتے تھے۔ دونوں نے گھڑے گھڑے بینے کے گلاس ختم کئے۔ پھر نعیم نے سمعان سے کہا "شہر کے شہدوں کا اگر یہ خاکسار سرغنہ بنا لیا گیا تو پھر تمہاری چاندی ہی چاندی ہے۔"

یہ الفاظ سن کر سپاہی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور سمعان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دعا کرو کہ بہت جلد وہ انقلاب واقع ہو جو ہونے والا ہے ایسا ہوا تو ہم لوگ انعام واکرام سے مالا مال کر دئے جائیں گے اور اس رقم میں تمہارا بھی حصّہ بھی ہوگا۔

یہ سپاہی فرغانہ کا رہنے والا تھا اس لئے عربی اچھی طرح نہیں بول پاتا تھا۔

نعیم نے اُس سے کہا۔

تمہیں پرواہ کیا ہے تنخواہ پابندی سے ملتی ہے ٹھاٹ کرتے ہو مزے اُڑاتے ہو۔

سپاہی نے جواب دیا۔

ہاں بھئی یہ تو سچ ہے تنخواہ پابندی سے ملتی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کہ ہم ٹھاٹ کرتے اور مزے اڑاتے ہیں۔ تنخواہ تو بال بچوں کے لئے مشکل سے کفایت کرتی ہے۔ ٹھاٹ اور مزے تو اسی رقم سے اڑتے ہیں جو انقلاب کے بعد انعام واکرام کی صورت میں ملتی ہے۔

سپاہی نے ترنگ میں آکر یہ باتیں کہہ تو دیں پھر گھبرایا کہ کوئی اور نہ سن رہا ہو۔ چوکنا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

نعیم نے کہا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ قصرِ خلافت میں کوئی زبردست انقلاب آنے والا ہے۔

سپاہی نے نعیم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دبی ہوئی آواز میں کہا۔

"خاموش ــــ خاموش!"

سپاہی۔ ہاں بہت اچھا ہر دل عزیز بھی اور بارعب بھی لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ اس کا اخلاق غریب اور امیر سب پر حاوی ہے۔ اس کی دہشت باغی اور دشمن سب پر طاری ہے۔

سمعان۔ ہمارے نعیم صاحب کی تو آج کل پانچوں گھی میں ہیں۔

نعیم۔ یہ کیوں جناب؟

سمعان۔ کیونکہ تمہارا سردار حسن شہزادہ امین کی بارگاہ میں رسائی رکھتا ہے شہزادہ اس پر بہت مہربان ہے میں غلط تو نہیں کہتا؟

نعیم۔ ہاں ٹھیک تو ہے لیکن یہ رسائی عارضی ہے۔

سمعان۔ شاید تم یہ چاہتے ہو کہ امین کے سر پر تاج شہریاری جب تک نہ رکھ دیا جائے اس وقت تک تمہاری خوش نصیبی مکمل نہیں ہوگی؟

نعیم۔ (مسکراکر) ہاں درست بات تو یہی ہے۔ اتنے میں نعیم نے فضا پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "کہیں مچھلی جھن رہی ہے"۔

سمعان۔ بربط کے تار ٹھیک کر رہا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں نے چولھے پر بھوننے کے لئے مچھلی رکھی تھی لیکن آپ لوگوں کی باتوں میں ایسا پڑا کہ بھول گیا۔ اچھا چراغ جلالوں تو دیکھوں جاکر۔

سمعان چراغ روشن کرنے کے لئے چقماق رگڑنے لگا اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر نعیم چپکے سے کھسک گیا اور چولھے پر سے مچھلی اٹھا لایا جو روٹی اس کے ہاتھ میں تھی اسے مچھلی پر ڈھک دیا۔ سمعان چراغ روشن کرکے چولھے کی طرف گیا۔ نعیم نے مچھلی نکال کر آدھی خود کھائی آدھی سپاہی کی طرف بڑھا دی۔ اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ سمعان - جب چولھے کے پاس پہنچا تو اس کے کانوں میں نعیم کا قہقہہ گونج رہا تھا اور مچھلی ندارد تھی۔ !

ہوجائیں۔
سپاہی۔ آخر سپاہی بننے میں تمہیں کیا کشش نظر آتی ہے۔
نعیم۔ یہ کشش کچھ کم ہے کہ ہر مہینہ تنخواہ ملے گی۔ اگر خوش قسمتی سے کسی جنگ پر بھیج دیا گیا تو بہت سامال غنیمت ہاتھ آئے گا۔ نام بڑھے گا۔ عہدہ بڑھے گا۔ ترقی ہوگی۔ زندگی کا سفر آسان ہوجائے گا۔ میں کچھ غلط تو نہیں کہتا؟
سپاہی۔ ٹھیک کہتے ہو لیکن اگر میدان جنگ سے زندہ واپس آنے کے بجائے جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تب؟
نعیم۔ میں ایسے اندیشوں کی پروا نہیں کرتا ہاں ایک بات تو بتاؤ۔
سپاہی۔ کونسی بات پوچھ رہے ہیں آپ؟
نعیم۔ امیرالمومنین بھی تو آج کل میدان جنگ میں تشریف فرما ہیں؟
سپاہی۔ ہاں سمرقند میں رافع بن لیث کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔
نعیم۔ تم نے یہ نادر موقع کیوں گنوادیا تم بھی چلے جاتے؟
سپاہی۔ کوئی سپاہی اپنی مرضی سے کہیں نہیں جاسکتا میدان جنگ میں سپاہی کا بھیجا جانا صرف سالار لشکر کی مرضی پر منحصر ہے۔
نعیم۔ میں نے سنا ہے خلیفہ ہارون رشید بیمار ہیں اور بیماری کی حالت میں تشریف لے گئے ہیں؟
سپاہی۔ ٹھیک کہتے ہو وہ بڑے عالی ہمت اور حوصلہ مند شخص ہیں، موت کے علاوہ ان کا ارادہ کوئی نہیں بدل سکتا۔
سمعان۔ آج کل خلیفہ کا قائم مقام شہزادہ "امین" ہے؟
سپاہی۔ ہاں۔
سمعان۔ لوگ امین کی بڑی تعریف کرتے ہیں کیا واقعی وہ بہت اچھا آدمی ہے؟

پھر نعیم کی نظر ماہی فروش پر پڑی تو اس نے دیکھا اُس کے ہاتھ میں دو تین روٹیاں بھی ہیں چنانچہ نعیم نے مسکراتے ہوئے سمعان سے کہا۔

خالی مچھلی کیا کرو گے، روٹی بھی لو۔

یہ کہہ کر گوپھن میں پتھر رکھ کر جو چلایا تو وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور روٹیوں کا بنڈل ماہی فروش کے ہاتھ سے گر پڑا وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ سمعان نے روٹی اور مچھلی لے لی دل ہی دل میں نعیم سے اور اس کی حرکتوں سے پناہ مانگ رہا تھا۔ لیکن گلو خلاصی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اتنے میں باغ کے دروازہ پر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ سمعان ان دونوں کو چھوڑ کر تیز تیز باہر پہونچا تو ایک خوش اندام گھوڑے سے ایک وجیہ اور شکیل شخص کو اترتے دیکھا۔ اُس کے سر پر عمامہ تھا۔ اور وہ خوبصورت جبہ پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں صلیب جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان نہیں ذمی ہے۔ گورا رنگ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ستواں ناک گھنی داڑھی جس کے کچھ بالوں پر سفیدی آچلی تھی۔ وہ عصا کا سہارا لیتا ہوا سمعان کی طرف بڑھا اور اس سے پوچھا۔

کیا سمعان کی سرائے یہی ہے؟

سمعان نے جواب دیا۔

میرا نام سمعان ہے اور میرے ہی نام سے یہ سرائے مشہور ہے شاید آپ کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہوں گے؟

اس شخص نے کہا۔

ہاں یہی بات ہے کوئی آرام دہ کمرہ مہیا کر سکتے ہو؟

سمعان نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

بسر و چشم آیئے تشریف لایئے۔

(۳)

کون تھا وہ مجوسی ــــــــ؟

سمعان مچھلی ندارد دیکھ کر پھر واپس آگیا وہ جلا بھنا بیٹھا تھا نعیم اور سپاہی ہنسی دلگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں قریب سے گذرتے ہوئے کسی ماہی فروش کی آواز سنائی دی نعیم نے کہا۔

ذرا سی مچھلی گم ہونے پر خفا ہو گئے تم بھی کیا یاد کرو گے۔ ہم ابھی بدلہ چکائے دیتے ہیں۔

یہ کہہ کر نعیم نے گوپھن سنبھالا اور قریب تھا کہ پتھر مچھلی والے کی خبر لے کہ سمعان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"بیچارہ غریب آدمی ہے اُس کی جان لے کر کیا کرو گے؟"

نعیم نے جواب دیا۔

بے وقوف کہیں کے، جان لے کر کیا کروں گا۔ میرے گوپھن سے نکلا ہوا پتھر صرف مچھلی کا شکار کرے گا مچھلی بیچنے والے کو پتہ بھی نہیں چلنے کا۔

پھر نعیم نے گوپھن کو زور سے گھمایا پتھر نکل کر ایک مچھلی کو اپنے ساتھ لیتا ہوا دور جا گرا اور واقعی ماہی فروش کو پتہ بھی نہیں چلا کہ اس کی ایک مچھلی گم ہو گئی ہے۔

سمعان اس آدمی کو لے کر ایک صاف اور ستھرے کمرے میں آیا اس آدمی نے یہ کمرہ پسند کیا اور کہا۔

میں ایسی ہی جگہ چاہتا تھا۔ دیکھو ذرا خیال رکھنا اگر سردار حسن آئے اور وہ علاّ سعدون کے بارے میں سوال کرے تو اس کمرے میں بھیج دینا میں انتظار کر رہا ہوں۔

سپاہی اور نعیم اس آنے والے شخص کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ نعیم نے ایسا محسوس کیا وہ اسے کہیں دیکھ چکا ہے۔ پھر جب اس نے سردار حسن کا نام لیا جو نعیم کے سردار کا نام تھا اسے یاد آیا کہ اسی کے ساتھ کہیں دیکھا ہے۔ یہ سوچ کر کہ سردار حسن یہاں آنے والا ہے نعیم کے دل میں دہشت پیدا ہوئی اور اس نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کے آنے سے پہلے یہاں سے چمپت ہو جائے چنانچہ سپاہی سے مصافحہ کر کے وہ رخصت ہو گیا۔ البتہ سپاہی اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

سمعان اس نو وارد شخص کے آنے سے بہت خوش ہوا یہ شخص اپنے حلیہ اور چہرے بشرے سے مجوسی معلوم ہوتا تھا سمعان کو امید تھی سردار حسن کے آنے کے بعد شراب کا دور چلے گا۔ اور پر تکلف کھانے کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس طرح آج کافی آمدنی ہو جائے گی۔ اور نعیم کی آمد سے جو کوفت ہوئی تھی۔ اور جو نقصان پہونچا تھا اس کی تلافی ہو جائے گی۔ اس نے بڑے ادب سے سر جھکا کر اور سینہ پہ ہاتھ رکھ کر نو وارد مجوسی سے پوچھا۔

اگر ارشاد ہو تو کھانے پینے کا بندوبست کروں؟

سعدون نے انکار میں سر ہلا دیا۔

سمعان کی آس پھر بھی نہ ٹوٹی اس نے دریافت کیا۔

شراب کا ایک گلاس آپ کی ساری تھکان دور کر دے گا کیا حاضر کروں؟

سعدون نے کہا۔

ابھی نہیں ـــــ جس چیز کی ضرورت ہوگی ہم خود کہدیں گے۔

سعدون تخت پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ایک طرف اس نے اپنا عصا رکھ لیا۔ پھر دامن سے ایک تھیلی نکالی اور سامنے رکھ لی۔ سمعان اُسے مشغول دیکھ کر دوسرے کمرے میں آگیا۔ یہاں پہونچ کر اُس نے دیکھا نعیم غائب ہے اور سپاہی بیٹھا ہے اس نے پوچھا۔

تمہارا ساتھی کہاں چلا گیا؟ کیا رخصت ہوگیا؟

سپاہی نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

وہ اپنے سردار حسن کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن یار یہ مجوسی کون ہے۔

سمعان۔ میں نہیں جانتا' آج پہلی مرتبہ آیا ہے۔

سپاہی۔ بظاہر دولت مند آدمی معلوم ہوتا ہے۔

سمعان۔ جی ہاں خیال تو میرا بھی یہی ہے۔

سپاہی۔ پھر تو تمہارے مزے ہیں خوب کماؤ گے آج۔

سمعان۔ خدا کرے آپ کا قول پورا ہو۔

سپاہی۔ یہ شخص سردار حسن سے ملنے آیا ہے شاید؟

سمعان۔ جی ہاں کہہ تو یہی رہا تھا۔

سپاہی۔ لیکن یہ ملاقات خالی از علت نہیں ہوسکتی ضرور کوئی خاص بات ہے۔

سمعان۔ آپ نے درست فرمایا۔ یہ مجوسی لوگ بڑے ستارہ شناس اور کاہن ہوتے ہیں۔ یہ دلوں کے مخفی راز جان لیتے ہیں۔

سپاہی۔ ہاں میں جانتا ہوں مجھے سب کچھ معلوم ہے۔

سمعان۔ سردار حسن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پُر اسرار وارداتوں کا سراغ لگا لیتا ہے۔ میرے خیال میں وہ ضرور اس مجوسی کی ستارہ شناسی اور ذہانت

(۴)

تانبا سونا بن گیا۔!

سردار حسن سمعان کے ساتھ علامہ سعدون کے کمرے میں پہونچا۔ سعدون نے سر قد کھڑے ہو کر حسن کا استقبال کیا۔ حسن نے سمعان سے کہا۔

تم جاؤ جب ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہوگی طلب کریں گے۔

سمعان سمجھ گیا یہ دونوں خلوت چاہتے ہیں وہ اپنے کمرے میں پہونچا اور سپاہی سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

سمعان کے جانے کے بعد حسن اور سعدون میں باتیں شروع ہو گئیں۔

حسن۔ معاف کیجئے گا میں دیر سے پہونچا۔

سعدون۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے آئے ہوئے بھی بہت دیر نہیں ہوئی۔

حسن۔ یہ آپ کی کشش تھی کہ میں چلا آیا ورنہ امیر المومنین ہارون رشید کی عدم موجودگی میں میرا زیادہ وقت شاہزادہ امین کی خدمت میں صرف ہوتا ہے۔ اور ان کا یہ حال ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے پاس سے میرا جدا ہونا گوارا نہیں کرتے۔

سعدون میں جانتا ہوں شہزادہ امین کی بارگاہ میں آپ کی قدر و منزلت کا

سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

سپاہی۔ تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یقیناً یہی بات ہے۔

اس گفتگو کے بعد سمعان دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اور سپاہی بدستور بیٹھا نبیذ سے شغل کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کے دروازے پر ایک گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی سمعان اپنا کام چھوڑ کر بھاگا بھاگ دروازے پر پہونچا۔ اس نے دیکھا پست قامت شخص زرکار لباس پہنے گھوڑے پر بیٹھا ہے۔ سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی اور اس کے گرد عمامہ بندھا ہوا آنے والے نے سمعان سے پوچھا۔

کیا علامہ سعدون یہاں تشریف رکھتے ہیں؟

سمعان نے سر جھکا کر عرض کیا۔

جی ہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہ سن کر سردار حسن گھوڑے پر سے اُتر پڑا اگرچہ وہ معمر معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چلت پھرت اور چستی جوانوں کی سی تھی۔ موٹے موٹے ہونٹ چھدری داڑھی ماتھے پر زخموں کے کئی نشانات جو اس بات کا ثبوت تھے۔ کہ یہ شخص کئی معرکوں میں مردانہ وار حصہ لے چکا ہے۔ سمعان نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ شہر کے غنڈوں کا سردار حسن ہے۔ دل میں ڈرتا لیکن ظاہر میں اخلاق و تپاک کا مظاہرہ کرتا۔ وہ اسے لے کر سعدون کے کمرے میں پہونچا۔

حسن سے شہر کے تمام شریف لوگ گھبراتے تھے۔ کیونکہ دوسروں کی پگڑی اتار لینا اور جسے چاہنا ذلیل و رسوا کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اور یہی کھیل اس کی زندگی کا مشغلہ تھا!

بغداد کے ایک گوشہ میں زندگی کے دن گذار رہا ہوں۔
حسن۔ اچھا یہ انکسار اور خاکساری کی باتیں چھوڑیئے۔ کام کی باتیں کیجئے۔ میں نے آپ کو تانبے کا جو ٹکڑا دیا تھا اپنی کیمیا کے زور سے آپ نے اُسے سونے میں تبدیل کر دیا یا نہیں؟
سعدون۔ (مسکراتے ہو) او ہو وہ بات آپ کو اب تک یاد ہے؟
حسن۔ جی ہاں اور اسی لئے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔
سعدون۔ تو آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ وہ تانبے کا ٹکڑا سونے کی ڈلی میں تبدیل ہو گیا ہے اور خوبی قسمت سے اتنا اچھا سونا بنا ہے کہ بڑے سے بڑا سنار زیادہ سے زیادہ قیمت لگانے پر مجبور ہو جائے گا۔
سعدون کے یہ الفاظ حسن کے لئے بڑے مسرت بخش ثابت ہوئے۔ اُسے دولت مند بننے کی ہوس تھی شاہزادہ امین مال و دولت سے اُسے نواز تا رہتا تھا اپنی ٹولی کے غنڈوں کے ذریعہ بھی کافی آمدنی ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر تانبا سونا بننے لگے تو پھر اس کی دولت مندی کا مقابلہ نہ ہارون الرشید کر سکتا تھا۔ نہ شہزادہ امین، منوں تانبا سونے کی اینٹوں کی صورت میں اس کی ملکیت بن سکتا تھا اس نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے سعدون کا ہاتھ اپنی طرف کھینچے ہوئے کہا۔
"تو پھر دکھایئے کہاں ہے وہ آپ کا سونا۔"
سعدون نے مسکراتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی تھیلی نکال کر اس میں سے سونے کی ایک ڈلی نکالی اور حسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"لیجئے جناب حاضر ہے آپ کا سونا"
حسن نے بے تابی کے ساتھ سونے کی ڈلی ہاتھ میں لے لی۔ اُلٹ پلٹ کر دیکھا پھر شکر گذار نظروں سے سعدون کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا عالم ہے۔

حسن۔ شکر ہے خدا کا اپنی اِس خوش نصیبی پر نازاں ہے مجھے۔

سعدون۔ آج کل تو امین ہی باپ کا قائم مقام بنا ہوا ہے۔

حسن۔ جی ہاں، اس کے سوا یہ عزت اور کسے مل سکتی تھی؟

سعدون۔ سنا ہے امین امور مملکت میں بالکل دلچسپی نہیں لیتا، کیا یہ سچ ہے؟

حسن۔ کہاں امیرالمومنین ہارون رشید کا دبدبہ اور انتظام سلطنت کہاں شہزادہ امین کی رنگین مزاجی اور رنگ رلیاں ہر وقت مجلس نائو نوش گرم ہے۔ شراب کا جام گردش میں ہے خوبصورت اور طرح دار کنیزیں رقص و نغمہ کا کمال دکھا رہی ہیں۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے!

سعدون۔ شائد اسی وجہ سے آپ کی مصروفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

حسن۔ یہی سمجھ لیجئے واقعی گھر سے نکلنے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔

سعدون۔ میں آپ کا شکرگذار ہوں کہ اتنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اس خاکسار سے ملنے کا وقت آپ نکال لیتے ہیں۔

حسن۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی شخصیت کچھ ایسی دِل آویز اور جامع کمالات ہے کہ ایک مرتبہ اس سے واقف ہونے کے بعد زندگی بھر بے نیاز ہونا ناممکن ہے۔

سعدون۔ یہ آپ کی بندہ نوازی ہے آپ کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار ہے آپ سے سرتابی کرنے کا حوصلہ کس میں ہو سکتا ہے؟ میں ایک معمولی نجومی گوشہ نشین اجنبی، پردیسی، اپنے وطن حرّان سے ترک تعلق کر کے

شرابور کھڑا تھا۔ اور اس کا سوار تھکان سے بے حال سمعان سے کہہ رہا تھا۔
مُجھے پانی پلاؤ — مجھے پانی پلاؤ!؟

"کمال کر دیا آپ نے واقعی کتنا کھرا سونا ہے!"

سعدون۔ بہر حال یہ بات اپنی ہی حد تک رکھیئے میں نہیں چاہتا کہ میرے اس رمز کا لوگوں میں چرچا ہو، اور میری جان ہلکان ہو۔

حسن۔ اطمینان رکھیئے میرا مفاد خود بھی اسی میں ہے کہ یہ بات ہم دونوں کے سوا کسی تیسرے کو نہ معلوم ہو۔ آپ کے اس کارنامے نے میرے دل میں آپ کی محبت پیدا کر دی ہے، عشق پیدا کر دیا ہے۔ وہی محبت جو ایک بھائی کو بھائی سے ہوتی ہے۔

سعدون۔ آپ مسلمان ہیں اور میں ایک مجوسی بھلا میرے اور آپ کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ کیوں کر قائم ہو سکتا ہے؟

حسن۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں مسلمان ہوں اور آپ مجوسی لیکن یہ بھی تو غلط نہیں کہ آپ بھی انسان ہیں اور میں انسان اور پھر اسے بھی فراموش نہ کیجئے کہ میرا اسلام غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔

سعدون نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اس نے دیکھا حسن باہر کی طرف دیکھ رہا ہے جیسے کوئی آواز آ رہی ہو اور وہ سن رہا ہو سعدون نے پوچھا۔ آپ کیا سوچنے لگے؟

حسن نے جواب دیا۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے ڈاک کا ہرکارہ آ رہا ہو۔

سعدون۔ آپ کا اندازہ صحیح ہے یہ ڈاک کا ہرکارہ ہے۔ اور اپنے ساتھ بڑی دہشت انگیز اور ہولناک خبر لا رہا ہے۔

یہ سن کر حسن اٹھ کھڑا ہوا اس نے کہا میں پتہ چلاتا ہوں۔

حسن تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا سعدون بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ دونوں جب دروازہ پر پہونچے تو ڈاک کا نچر پسینہ میں

"موت کا ایک دن معیّن ہے۔"

حسن یہ الفاظ سن کر مرعوب ہو گیا۔ اس نے سرگوشی کے لہجہ میں سعدون سے کہا۔ "واقعی خلیفہ ہارون رشید کا انتقال ہو گیا ہے۔ لیکن میں حیران ہوں یہ بات آپ کو قاصد آنے سے پہلے ہی کیوں کر معلوم ہو گئی؟"

سعدون۔ خدا ہارون کی مغفرت کرے، اپنے دارالحکومت سے دور اور ایک دوسرے شہر میں اُسے موت آئی۔ جب وہ بغداد سے چلا تھا میرے علم نے بتا دیا تھا اب یہ زندہ واپس نہ آئے گا۔ وہی ہوا، کاش میرا علم غلط ہوتا اور ہارون بچ جاتا!

حسن۔ (حیرت سے سعدون کو دیکھ کر) واقعی آپ کا علم بڑا کامل ہے۔

سعدون۔ ایک بات اور بھی بتاؤں؟

حسن۔ فرمایئے۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

سعدون۔ خلیفہ ہارون کی خبرِ وفات آپ کے لئے پیامِ مسرت بن کر آئی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ اب نیا خلیفہ تختِ حکومت پر بیٹھے گا۔ وظائف بڑھیں گے، انعام ملیں گے، جاگیریں بخشی جائیں گی۔ عہدوں میں ترقی ہوگی اور اگر شہزادہ امین کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آئی تو پھر آپ ہی آپ ہوں گے۔ کس کی مجال ہوگی کہ وہ سردار حسن سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے؟

حسن۔ لیکن قاصد نے جو کہ اگرچہ میرا دوست ہے۔ اور ہمیشہ میری خوشنودی حاصل کرنے کا متمنی رہتا ہے ایک خبر مجھ سے چھپائی ہے وہ کہہ رہا تھا ایک اور خبر بھی میں اپنے ساتھ لایا ہوں لیکن اس وقت میری زبان پر مہر لگی ہے وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب آپ کے کان اُسے سن لیں گے۔

(۵)

موت کا ایک دن معیّن ہے!

سمعان لپک کر پانی کا ایک پیالہ لایا سوار نے ایک ہی گھونٹ میں سارا پانی پی لیا۔ پھر اُس کی نظر حسن پر پڑی اُسے دیکھتے ہی وہ خچر سے اُترا اور حسن کو الگ لے جا کر اس سے سرگوشی کرنے لگا سعدون الگ کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کی آواز اُس تک نہ پہنچ سکی لیکن اتنا اندازہ کر لیا کہ قاصد کوئی بڑی اہم خبر لایا ہے۔ حسن سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد سوار خچر پر سوار بڑی تیزی کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ قاصد کی اتنی جلد روانگی سے بھی سعدون نے یہی رائے قائم کی کہ خبر اہم ہے اور یقیناً خلیفہ ہارون رشید کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ موت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جانتا تھا خلیفہ جب بغداد سے روانہ ہوا تو بیمار تھا پھر یہ اطلاع بھی آئی تھی کہ خراسان پہنچ کر اُس کے مرض نے نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر جو رائے اس نے قائم کی وہ نہایت صحیح اور درست تھی۔

قاصد کی روانگی کے بعد حسن سعدون کے پاس آیا سعدون نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

لیکن ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکتا جس سے میرا کوئی رقیب پیدا ہو جائے کوتوال صاحب سے میں نے آپ کی ستارہ شناسی کا چرچا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ آپ سے ملنے کیلئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔

سعدون۔ لیکن اِس ملاقات سے حاصل کیا ہو گا؟

حسن۔ جناب وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بغداد اس کی مٹھی میں ہے اور اگر شہزادہ امین تخت خلافت پر متمکن ہوا تو یقیناً اُس کی اور زیادہ ترقی ہو گی۔

سعدون۔ کسی کی ترقی و تنزل سے مجھے کیا؟

حسن۔ اِس طرح موقع ملے گا کہ میں آپ کے ان احسانات کا کچھ معاوضہ ادا کر سکوں جو آپ نے مجھ پر کئے ہیں یقین کیجئے میں آپ کا بہت ممنون ہوں!

سعدون۔ بہتر ہے آپ کہتے ہیں تو مل لوں گا لیکن اب مجھے اجازت مرحمت فرمائیے۔

حسن۔ میں آپ کو روکتا نہیں لیکن یہ بتاتے جائیے۔ اب آپ کب ملیں گے؟

سعدون۔ آج رات کو یہیں

حسن۔ شکریہ لیکن ایسا کیجئے کہ رات کو میرے اڈے پر تشریف لائیے جو حربیہ میں واقع ہے۔ وہی جگہ زیادہ مناسب ہو گی۔

سعدون۔ بہتر ہے وہیں سہی۔

حسن۔ میں آپ کو کوتوال صاحب کی حویلی پر لے جاؤں گا۔ اگر آپ آدھی رات کو بھی آئے تو بھی آپ کو منتظر ملوں گا۔

اِس گفتگو کے بعد دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اِن دونوں کو جاتا دیکھ کر سمعان ساتھ ہو لیا حسن نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور درہموں سے بھری ہوئی ایک چھوٹی سی تھیلی نکال کر سمعان کی طرف بڑھائی وہ فقیروں کی طرح رقم لے کر درازی عمر و ترقی اقبال کی دعائیں دینے لگا۔

سعدون۔ واقعی وہ وقت بہت قریب ہے جب خلقت کے سامنے وہ خبر مشتہر کی جائے گی۔ کوئی شبہ نہیں خبر بے انتہا اہم ہے!

حسن۔ آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے کیا آپ بھی مجھے نہیں بتائیں گے۔ وہ خبر کیا ہے؟

سعدون۔ نہیں میں نہیں بتا سکتا اگر میرے پاس کتاب موجود ہوتی تو زائچہ نکال کر سب کچھ بتا دیتا مگر اس وقت مجبور ہوں۔

اِس گفتگو کے بعد سعدون جانے کے ارادہ سے اٹھا لیکن حسن نے ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھا لیا۔ اور کہا آخر اتنی جلدی کیا ہے بیٹھئے آپ سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھئے پھر چلے جایئے گا۔!

سعدون (بیٹھتے ہوئے) آپ ہی کے کام سے جا رہا تھا کہ گھر جا کر اپنی کتاب نکالوں اور زائچہ کھینچ کر وہ خبر معلوم کروں جو قاصد نے آپ سے چھپائی ہے اور جسے جاننے کے لئے آپ بے تاب ہو رہے ہیں۔

حسن۔ اچھا تو جایئے لیکن وعدہ کرتے جایئے کہ آپ پھر یہیں سمعان کی سرائے میں بہت جلد ملاقات کریں گے ہاں خوب یاد آیا۔ علی بن عیسیٰ کوتوال شہر آپ سے ملنے کا بہت مشتاق ہے۔

سعدون۔ (ہنستے ہوئے) یہ کیوں؟ کوتوال صاحب اِس خاکسار سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟

حسن۔ ان سے اکثر آپ کا ذکر آیا ہے آپ کے کارناموں کا تذکرہ ہوا ہے آپ کے حیرت انگیز ہنر اور عقل کو حیران کر دینے والی باتوں پر باتیں ہوئی ہیں۔

سعدون۔ کہیں آپ نے ان سے میری کیمیا سازی کا ذکر تو نہیں کر دیا۔

حسن۔ جی نہیں میں آپ کا عقیدت مند ہوں۔ آپ کی مدح سرائی کرتا رہتا ہوں

(۶)

انقلاب روزگار!

خلیفہ ہارون رشید کا وزیر اعظم جعفر برمکی بڑا دریا دل اولوالعزم اور حاتم صفت انسان تھا اس کی جود و سخا کے سامنے خلیفہ کی فیاضیاں ماند پڑ جاتی تھیں۔ دراندازنگائی بجھائی کر کے خلیفہ کو اس سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن ہارون اور جعفر میں اتنا گہرا قلبی رابطہ تھا کہ اس طرح کی کوششوں کا اثر اگر کچھ ہوتا بھی تھا تو فوراً زائل ہو جاتا تھا لیکن انسان کی طبیعت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی جعفر کی دریا دلی اور سخاوت اخلاقی اور مروت غریبوں کی سرپرستی اور اہل علم کی امداد و اعانت نے جہاں اس کے لاکھوں دعاگو اور ثناخواں پیدا کر دیے تھے۔ وہاں قصر خلافت میں کچھ ایسے لوگ بھی جو حسد کی آگ میں جل رہے تھے اور بار بار ہارون الرشید کو جعفر کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے جعفر کے دربار سے کسی شاعر کو انعام ملتا تو ہارون کو فوراً اطلاع ملتی کہ دیکھئے آپ نے تو ایک ہزار درہم کی تھیلی دی تھی جعفر نے دس ہزار درہم دیدیئے کبھی خلیفہ کوئی لونڈی خریدتا اور اس کے ادب رکھ رکھاؤ اور حسن و مزاج کو دیکھ کر دس ہزار درہم میں سودا کر لیتا۔ پھر وہ بردہ فروش جعفر کے محل میں پہونچتا ویسی ہی کنیز جعفر ایک لاکھ

حسن نے اُس سے کہا۔

"شمعان ایک بات نہ بھولنا میں جس طرح انعام دے سکتا ہوں اسی طرح سزا بھی دے سکتا ہوں۔ میرا انعام جتنا دل خوش کن ہوتا ہے۔ سزا اتنی ہی ہولناک آج کی ملاقات کے بارے میں اگر ایک لفظ بھی تمہارے منہ سے کبھی نکلا تو یہ گردن سلامت نہیں رہے گی۔"

شمعان بید کی طرح کانپنے لگا۔ اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے آقا شمعان زندگی کی آخری سانس تک آپ کے ہر راز کی حفاظت کرے گا کبھی بھی اعتماد شکنی کا جرم اس سے سرزد نہیں ہوسکتا!"

ان دونوں کے جانے کے بعد شمعان بڑی دیر تک نعیم — سپاہی — حسن اور سعدون کی آمد اور ان سب کے تعلق کی باہمی کڑیاں ملانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ نعیم سے ڈرتا تھا۔ اور حسن کے نام سے تو اس کی روح کانپتی تھی وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ سپاہی واپس جا چکا تھا اگر کہیں وہ موجود ہوتا اور سعدون اور حسن کی آمد اور گفتگو کے بارے میں پوچھ گچھ کر بیٹھتا تو کتنی مشکل پیش آتی۔ نہ وہ سپاہی کو خفا کر سکتا تھا۔ نہ حسن کی خفگی مول لے سکتا تھا۔ ان دونوں زبردستوں کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا تھی؟ جیسے ایک ذرہ بے مقدار اگر کہیں حسن کا غصہ بڑھ جاتا اور اس کی دھمکی آج ہی عملی صورت اختیار کر لیتی تو یہ سرائے سنسان ہوجاتی اور صحن میں غریب کی گردن لڑھک رہی ہوتی۔

"یا اللہ تیرا ہزار ہزار شکر ہے"

دل میں یہی الفاظ دھراتا شمعان اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

بھول گیا؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔

سُہیل۔ جعفر نے بغداد کے شرقی جانب ایک نہایت شاندار محل تعمیر کیا ہے۔ وہ محل اپنی آرائش و زیبائش کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ واقعی جنّت کا ٹکڑا ہے!

خلیفہ ہارون۔ ہاں ہمیں معلوم ہے جعفر نے ایک محل بنایا ہے۔ لیکن محل تو ہم نے بھی تعمیر کیا ہے۔ مگر ہم تو اسے جنّت کا ٹکڑا نہیں کہتے۔

سہیل۔ بجا ارشاد فرمایا۔ امیرالمومنین نے لیکن امیرالمومنین کا تیار کیا ہوا محل اور جعفر کا محل الگ الگ چیز ہیں۔ جعفر کا محل واقعی فردوس بریں ہے۔

اگر فردوس بروئے زمیں است
ہمیں است ہمیں است ہمیں است

خلیفہ ہارون۔ کیا واقعی جعفر کا محل ایسا ہی شان دار ہے؟

سُہیل۔ اگر غلام کی بات کا امیرالمومنین کو یقین نہ ہو تو اُس کا معائنہ فرمایا جاسکتا ہے۔

خلیفہ ہارون۔ اِس کے معنی یہ ہوئے کہ جعفر کی آمدنی ہم سے زیادہ ہے۔

سُہیل۔ غلام کی یہ مجال تو نہیں کہ ایسا کہہ سکے لیکن خلقت کی زبان پر تو یہی ہے۔

خلیفہ ہارون۔ (چین بجبین ہوکر) یعنی جعفر ہم سے زیادہ دولت مند ہے۔

سُہیل۔ امیرالمومنین مشہور تو یہی ہے۔

خلیفہ ہارون۔ اُس کے پاس یہ دولت کہاں سے آئی؟

سُہیل۔ امیرالمومنین کے بیت المال سے۔

خلیفہ ہارون۔ لیکن وہ بیت المال ہمارا ہے۔

سُہیل۔ بجا ارشاد فرمایا۔ مگر اُس کی کنجی جعفر کے پاس ہے۔

خلیفہ ہارون۔ (تلخ انداز میں) گویا مال ہمارا ہے اور اُس پر قبضہ جعفر کا ہے۔

درہم میں مول لے لیتا۔ یہ بات بھی نمک مرچ لگاکر خلیفہ کے گوش گذار کی جاتی کہ جہاں امیرالمومنین دس ہزار خرچ کرتے ہیں۔ وہاں جعفر ایک لاکھ خرچ کردیتا ہے۔

خلیفہ نے ایک محل بنایا اور اس کی تعمیر پر دس لاکھ درہم خرچ کئے۔ جعفر نے بھی ایک محل تعمیر کیا اور اس کے تعمیر پر ایک کروڑ درہم لاگت آئی۔ یہ محل بغداد کے شرقی جانب ایک پُرفضا مقام پر تعمیر کیا گیا۔ جتنی لاگت اس محل پر آئی تھی وہ چونکادینے والی تھی پھر اس کی آرائش وزیبائش پر بھی لاکھوں درہم صرف ہوئے۔ واقعی یہ محل نہ تھا جنّت کا ایک ٹکڑا تھا اس کی رواں دواں نہریں آراستہ اور مرصع بارہ دریاں کوشک حویلیاں دالان برآمدے پھر ان مقامات کا رکھ رکھاؤ یہ سب چیزیں ایسی تھیں کہ انھیں دیکھ کر واقعی جنّت کا منظر نظر آجاتا تھا۔

جس روز یہ محل بن کر تیار ہوا جعفر اپنے مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ معائنہ کرنے گیا اور وہاں کی رعنائی وزیبائی میں کچھ ایسا کھو گیا کہ یہ بھی یاد نہ رہا خلیفہ کے دربار میں حاضری کا وقت گذرا جارہا ہے۔ اور عین اس وقت جعفر اس محل کی رنگ آرائیوں میں مشغول وہ منہمک تھا۔ خلیفہ نے پہلو بدلتے ہوئے اپنے مصاحب سُہیل کی طرف دیکھا اور پریشانی کے عالم میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"جعفر اب تک نہیں آیا۔"

سُہیل نے تبسم کرتے ہوئے جواب دیا۔

جنّت میں جانے کے بعد انسان دنیا والوں کو کہاں یاد رکھتا ہے۔

خلیفہ ہارون۔ کیا کہا تم نے جعفر جنّت کی سیر کر رہا ہے؟ اور وہاں جاکر ہمیں

سہیل۔ امر واقعہ تو یہی ہے۔

خلیفہ ہارون۔ وہ کچھ نہ تھا ہم نے اسے سب کچھ بنا دیا وہ مقروض اور مفلس تھا ہم نے اُسے مال و دولت سے مالا مال کر دیا۔ وہ ایک بے بس اور بے سہارا انسان تھا۔ ہماری نظرِ عنایت نے اُسے وزارتِ اعظمی کی کرسی پر بٹھایا۔

سہیل۔ اور اب وہ تختِ خلافت کی آرزو کر رہا ہے۔

خلیفہ ہارون۔ (برہمی کے ساتھ) خاموش۔

سہیل سہم کر خاموش ہو گیا۔ اتنے میں جعفر نمودار ہوا ہارون نے اُسے دیکھ کر ترش روئی کے ساتھ کہا۔

ہمیں معلوم ہے تم کہاں تھے۔ ہمیں حیرت ہے کہ تم اپنی رنگ رلیوں اور خوش وقتیوں میں یہ بھی فراموش کر جاتے ہو کہ ہمارے حضور میں حاضر ہونے کا وقت ٹل گیا۔

جعفر بڑا زیرک اور فہیم آدمی تھا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا اُس نے اندازہ کر لیا کہ اُس کی عدم موجودگی میں سہیل اور خلیفہ کے مابین کس قسم کی باتیں ہوئیں ہیں۔ اس نے کہا۔

جعفر اپنے آقا کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

خلیفہ ہارون۔ پھر اب تک تم کہاں تھے کیا کر رہے تھے؟

جعفر۔ میں نے ایک نہایت شان دار محل تعمیر کرایا ہے اس پر ایک کروڑ درہم کی لاگت آئی ہے اس محل کی تعمیر پر میں نے اپنی ساری پونجی ختم کر دی ہے اپنے باپ سے بھائیوں سے اور دوستوں تک سے اندھا دھند روپیہ قرض لیا ہے اور اس پر لگاتا چلا گیا ہوں۔ آج وہ بن کر تیار ہو چکا ہے۔ اس کی آرائش وہ زیبائش مکمل ہو چکی ہے وہ زمین پر جنت کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے اور میں نے اُسے ایک ایسی محبوب ہستی کے لئے بنایا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی

میں ایسا محسوس کرتا ہوں کچھ کسر رہ گئی ہے۔

خلیفہ ہارون۔ وہ محبوب ہستی کون ہے جس کے لئے تم نے ہر چیز داؤں پر لگا دی۔

جعفر۔ امیر المومنین کا لخت جگر اور میرا نور نظر ماموں!

یہ ننھا سا بچہ جب تولد ہوا تو سب سے پہلے میں نے اسے گود میں لیا تھا میں نے اس کے کان میں اذان دی تھی۔ میرے ہونٹوں نے اس کے پھول سے رخساروں کو چوما تھا امیر المومنین تو بہت دیر کے بعد تشریف لائے تھے آج ماموں کی سالگرہ ہے اور میں یہ حقیر تحفہ اسے نذر کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

جعفر کی یہ باتیں سن کر ہارون کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا اس نے خشم و عتاب سے بھری ہوئی ایک نظر سہیل پر ڈالی اور جعفر سے کہا۔

ہم جانتے ہیں تم ماموں سے بہت محبت کرتے ہو لیکن اس کے لئے اتنی گراں قدر تحفے کی ضرورت نہ تھی۔

جعفر نے ادب کے ساتھ عرض کیا۔

امیر المومنین میرا دل نہ توڑیئے یہ تحفہ بہت حقیر ہے لیکن اسے قبول فرمائیے۔

ہارون نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور لطف و عنایت کے لہجہ میں کہا۔

یہ تحفہ ہم قبول کرتے ہیں — اور اب تمہیں ہمارا تحفہ قبول کرنا ہو گا۔ یہ محل ہم اپنی طرف سے تمہیں تحفہ کی طور پر دیتے ہیں اور اگر تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا تو ہمارے دل کو صدمہ پہونچے گا۔

پھر خلیفہ نے خزانچی کی طرف دیکھا اور کہا ایک کروڑ درہم جعفر کو فوراً ادا کر دیئے جائیں — محل بھی تمہارا اور یہ روپیہ بھی تمہارا۔

(۷)

میری تلوار میرا ساز و سامان ہے!

ہارون رشید نے جب خراسان کا عزم کیا تو وہ بیمار تھا چنانچہ اس نے اس بات پر حکام سلطنت اور امراء و دولت سے بیعت لے لی کہ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو امین خلیفہ ہو گا اور مامون اس کا ولی عہد نیز خراسان کی گورنری بھی ہارون نے اس کے نام کر دی اور یہ فیصلہ کیا کہ امین کے انتقال کے بعد خلافت مامون کے حصہ میں آئے گی۔ ایک روز مامون اُسی قصر میں جو جعفر نے بنوایا تھا بیٹھا ہوا تھا اور اپنی چہیتی بیٹی زینب سے پیار کی باتیں کر رہا تھا۔ زینب کی عمر مشکل سے ۱۲ سال کی ہو گی اس چھوٹی سی عمر میں وہ بلا کی ذہین اور حاضر جواب تھی اس کی تربیت کے لئے مامون نے ایک برکی کنیز مقرر کی تھی جس کا نام دنانیر تھا۔ یہ کنیز بڑی شائستہ اور نستعلیق تھی۔ زینب اس سے بہت مانوس تھی۔ اور یہ بھی زینب کو بہت چاہتی تھی یہ محل جس میں اس وقت مامون اپنی بیٹی زینب سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ دریائے دجلہ کے شرقی کنارے پر واقع تھا محل کی بہت سی کھڑکیاں دریا کی طرف کھلتی تھیں۔ مامون زینب سے باتیں کر رہا تھا اور دریا

اور پھر بے تکلفی کے ساتھ جعفر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہنستا اور مسکراتا ہوا ہارون اپنے خلوت سرا میں چلا گیا۔

لیکن پتھر پر بھی اگر بار بار اور مسلسل پانی کی دھار پڑتی رہے تو وہ اپنی جگہ بدل دیتا ہے۔ سہیل اور اس کے ساتھیوں کا مستقل اور مسلسل پروپگنڈہ بالآخر کامیاب ہوا اور ایک عرصے کے بعد یعنی ۱۸۷ھ میں خاندان برمک پر خلیفہ کا عتاب نازل ہوا اس خاندان کے لوگ کچھ قتل ہوئے کچھ گرفتار سب کی جائدادیں اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ جعفر کا یہ محل بھی ضبط ہوا اور اسے ہارون رشید نے اپنے بیٹے امون کو عطا کر دیا۔ مامون اب بچہ نہیں تھا۔ جوان ہو چکا تھا اس نے اس محل کی قدر کی متعدد عمارتوں کا اضافہ کیا۔ ایک بہت بڑا میدان بنوایا جو چوگان بازی کے لئے مخصوص تھا دوسری طرف ایک بہت بڑا عجائب خانہ تعمیر کیا۔ اس عجائب خانہ میں دنیا جہاں کے جانور اور پرندے جمع کئے گئے۔ ایسے ایسے عجیب وغریب کہ لوگوں نے کہیں ان کا نام سنا تھا۔ نہ کہیں دیکھا تھا۔ پہلے یہ محل قصر جعفر کے نام سے مشہور تھا۔ اب اس کا نام خلقت کی زبان پر قصر مامون تھا۔ اس کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔

مامون (تیوری پر بل ڈال کر) امیرالمومنین اپنا فیصلہ آسانی سے نہیں بدلا کرتے ــ لیکن تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟

فضل بن سہل۔ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں؟

مامون۔ ہماری طرف سے تم کو اپنی جان کا کوئی خدشہ نہ ہونا چاہیئے۔ تمہاری وفاداری اور جان نثاری ہمارے دل پر نقش ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ تمہارے ذہن و دماغ میں صرف ایک ہی خیال گردش کرتا رہتا ہے۔ اور وہ ہے ہماری فلاح وبہبود کا خیال تم جیسے وفا سرشت ندیموں پر ہمیں فخر ہے۔

فضل بن سہل۔ تو میرے آقا میں پھر یہی عرض کروں گا کہ آپ امیرالمومنین کے ساتھ تشریف لے جائیں۔ آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں۔

مامون۔ لیکن یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے کیوں؟

فضل بن سہل۔ امیرالمومنین کا مزاج ناساز ہے طبیبوں کی رائے یہ ہے کہ حالت ہر وقت خطرناک ہو سکتی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ لیکن زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر خراسان میں امیرالمومنین کا انتقال ہو گیا تو خلافت شہزادہ امین کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ خلیفہ بننے کے بعد وہ سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ آپ کی ولی عہدی منسوخ کر دیں گے۔ اس کے بعد ممکن ہے وہ آپ کو قید کر دیں۔ اور بہت ممکن ہے قتل کر دیں۔ لیکن آپ خراسان میں ہوئے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بلکہ عین ممکن ہے وہاں آپ اتنی طاقت حاصل کر لیں کہ تخت خلافت امین سے چھین لیں۔

مامون (جو بہت غور سے فضل کی باتیں سن رہا تھا) تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں۔ تمہارا اندیشہ بھی بے بنیاد نہیں لیکن یہ تو بتاؤ خراسان میں وہ کونسی

کی طرف دیکھ رہا تھا اتنے میں ایک کشتی اِس طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ اِس پر فضل بن سہل سوار تھا۔ فضل کو دیکھ کر مامون کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تھوڑی دیر میں وہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گیا فضل نے چند رسمی باتوں کے بعد کہا۔

میں نے سنا ہے امیرالمومنین خراسان تشریف لے جا رہے ہیں؟

مامون۔ ہاں اور تم نے یہ بھی سنا ہو گا کہ امیرالمومنین نے ہمیں امین کا ولی عہد بنایا ہے۔

فضل بن سہل۔ جی ہاں میرے آقا میں آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے آیا ہوں۔

مامون۔ اور ہم تمہیں ایک اور بھی خوشخبری سناتے ہیں۔

فضل بن سہل۔ ارشاد خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

مامون۔ امیرالمومنین نے ہمیں خراسان کا گورنر نامزد کیا ہے۔

فضل بن سہل۔ کیا امیرالمومنین تنہا تشریف لے جا رہے ہیں؟

مامون۔ (مسکرا کر) نہیں ان کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر بھی جا رہا ہے۔

فضل بن سہل۔ غلام کا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کیا امیرالمومنین کے ساتھ آپ بھی تشریف لے جائیں گے؟

مامون۔ نہیں امیرالمومنین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہیں قیام کریں۔

فضل بن سہل۔ اور آپ نے یہ بات مان لی؟

مامون۔ ہاں کیا تمہاری رائے میں ہمیں یہ بات نہ ماننی چاہیئے تھی؟ کیا یہ بات ایسی نہ تھی جسے ہم مانتے؟

فضل بن سہل۔ غلام کی رائے یہی ہے۔ غلام اصرار کے ساتھ التجا کرتا ہے کہ آپ امیرالمومنین کے ساتھ خراسان تشریف لے جائیں۔

اور باپ کی خدمت بھی بن آتی میں دیکھ رہا ہوں۔ امیرالمومنین کا مزاج ناساز ہے بے شک غلاموں، تیمار داروں اور طبیبوں کی کوئی کمی نہیں لیکن ایک بیٹا جس طرح باپ کی خدمت کرسکتا ہے وہ بات کچھ اور ہے امیرالمومنین میں نے آپ سے کبھی ضد نہیں کی۔ آج پہلی اور آخری بار ضد کر رہا ہوں۔ میری التجا قبول کر لیجئے۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔

یہ کہتے کہتے مامون کا گلا رندھ گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہارون بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے مامون کو گلے سے لگا لیا اس کی پیشانی چومی اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ وقت کم ہے جاؤ اور فوراً تیاری کرو اور ساتھ چلو۔

مامون نے جواب دیا۔

جو لباس میں پہنے ہوں کافی ہے۔ تلوار میرے پاس ہے۔ یہی میرا ساز و سامان ہے مجھے تیار ہو کر واپس آنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسی طرح امیرالمومنین کے ساتھ چلوں گا۔

ہارون نے فخر بھری نگاہ سے مامون کو دیکھا اور کہا ——

چلو —— !

تھوڑی دیر کے بعد امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین ہارون رشید اپنے لشکر گراں کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ ساتھ جو دوسرا سوار چل رہا تھا وہ مامون تھا۔

چیز ہے جو ہمیں حاصل ہوگی۔ گر بغداد میں حاصل نہیں ہو سکتی؟

فضل بن سہل۔ عوام و خواص کی تائید و حمایت آپ بغداد میں نہیں حاصل کر سکتے امین ہاشمی خاندان کا ایک فرد ہے۔ بغداد پر عرب چھائے ہوئے ہیں۔ دولت، ثروت، اقتدار و اختیار، اثر، رسوخ ہر چیز ان کے قبضہ میں ہے۔ امین کی ماں زبیدہ ہے۔ جس کا احترام بغداد سے لے کر حجاز تک ہر شخص کرتا ہے یہاں رہ کر آپ امین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن خراسان میں رہے تو صورت حال بالکل بدل جائے گی۔ وہاں کے عوام و خواص آپ کے پسینہ پر اپنا خون بہا دیں گے۔ وہ آپ کو فخر و ناز کے ساتھ اپنا بھانجہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی ماں ایک ایرانی خاتون تھیں۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ جس طرح بھی ہو امیرالمومنین کو راضی کیجئے۔ اور ان کے ساتھ خراسان تشریف لے جایئے۔

مامون۔ تمہاری رائے بہت صائب ہے۔ ہم ابھی امیرالمومنین کے پاس جاتے ہیں اور ان سے عرض کرتے ہیں، خدا کرے وہ ہماری بات مان لیں۔ اس گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی، فضل واپس چلا گیا اور مامون سیدھا خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا خلیفہ خراسان کے سفر کے لئے پابہ رکاب تھا اس نے مامون سے کہا۔

کیوں بیٹے کیا تم ہمیں الوداع کہنے آئے ہو؟

مامون۔ امیرالمومنین میری تمنا تو یہ تھی کہ میں آپ کے ساتھ چلتا۔

خلیفہ ہارون۔ کیوں یہاں تمہیں کیا تکلیف ہے؟

مامون۔ تکلیف تو کوئی نہیں۔ لیکن میرے لئے یہ عین راحت تھی کہ امیرالمومنین کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتا۔ اس طرح جہاد کا شرف بھی حاصل ہو جاتا۔

محل میں کنیزوں اور باندیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس کی ہجولیاں ہر وقت پرابانہ اس کے سامنے حاضر رہتی تھیں۔ تاکہ وہ اُن سے کھیلے ان کی دلچسپ حرکتیں دیکھے ان کے ساتھ باغ میں پھول چنے عجائب خانے کی سیر کرے وحوش وطیور کا نظارہ کرے ہم جولیوں کا ناچ دیکھے۔ اُن کا گانا سنے لیکن وہ فطرت کی طرف سے کچھ عجیب طبیعت لے کر آئی تھی اِن باتوں سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا نہ ہم جولیوں اور سہیلیوں کے جھرمٹ میں اُسے لطف آتا تھا۔ وہ اپنا سارا وقت دنانیر کے ساتھ صرف کرتی تھی۔ باغ وچمن کے گلگشت بھی دنانیر کے ساتھ اور عجائب خانے کی سیر بھی دنانیر کی معیت میں ــــ ہاں ــــ زینب کو اگر کسی کھیل سے دلچسپی تھی تو وہ شطرنج تھا یہ کھیل نیا نیا بغداد میں رائج ہوا تھا۔ قصر خلافت میں اِس سے کافی دلچسپی لی جاتی تھی۔ زینب بھی اکثر بساط بچھا کر بیٹھ جاتی اور اپنی چالوں سے تجربہ کار دنانیر کو زچ کر دیتی اِس سے جی اکتاتا تو محل کی کسی کھڑکی میں جا بیٹھتی اور دریائے دجلہ کے روح پرور نظارے میں محو ہو جاتی ــــ یہی اُس کی زندگی تھی یہی اُس کا معمول۔

---

(۸)

زینب

زینب بڑی ذہین اور ذکی لڑکی تھی۔ اس کی نشو ونما بھی بڑی تیزی سے ہو رہی تھی۔ اگرچہ اس کا سن ۱۲ سال سے زیادہ کا نہیں تھا لیکن ڈیل ڈول قد و قامت کے لحاظ سے وہ ۱۶ سال کی معلوم ہوتی تھی۔ گورا گورا رنگ جیسے میدہ شہاب کالی کالی آنکھیں جیسے چشم غزال چھوٹی اور ستواں ناک باریک ہونٹ جیسے پھول کی پتیاں خوبصورت دہانہ دلکش انداز ساتھ ہی ساتھ چہرے پر غضب کا وقار ارادہ کی پختگی اور عقل کی سلامتی آشکار دنانیر نے بڑی محبت سے اُسے پالا تھا۔ اس کی غیر معمولی محبت کی وجہ یہ تھی کہ مامون نے بھی اُسی کی گود میں تربیت حاصل کی تھی۔ زینب کو دیکھ کر وہ ایسا محسوس کرنے لگتی تھی جیسے مامون کا بچپن لوٹ آیا ہے۔ وہی شوخی وہی ذہانت وہی ایک ایک بات کی کرید وہی علمی مسائل پر بحث دنانیر اگرچہ ایک کنیز تھی لیکن ہر فن میں طاق تھی۔ شعر و ادب کی بحث چھڑ جائے تو اس سے بازی لے جانا مشکل موسیقی کے فن میں یگانہ علم مجلس میں طاق ادب اور شائستگی اُس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اپنی یہ ساری خصوصیتیں وہ گھول کر زینب کو پلا دینا چاہتی تھی۔

مسرت اور غم کا سایہ بھی اسی گردش کا نتیجہ ہوتا ہے تمہے نا ؟
دنانیر۔ ہاں بیٹی میں نے یہ سب کچھ کہا ہوگا لیکن آج یہ باتیں کیوں یاد آرہی ہیں۔
زینب۔ دادا جان خراسان تشریف لے گئے تھے تو ان کا مزاج ناساز تھا ابّا حضور
ان کے ساتھ تشریف لے گئے تھے لیکن بہت فکرمند اور پریشان نظر
آتے تھے۔
دنانیر۔ تو پھر—؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم ؟
زینب۔ دادا جان جتنا مجھے چاہتے ہیں اس سے زیادہ میں انھیں چاہتی ہوں
جس طرح ابّا حضور مجھ سے غیر معمولی محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح میرے
دل میں بھی ان کی محبت کی تھاہ نہیں۔
دنانیر۔ ٹھیک ہے یہ ہونا ہی چاہیئے۔
زینب۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ستاروں کی رو سے دادا جان یا ابّا حضور
اس وقت کس دور سے گذر رہے ہیں ؟ اور مستقبل کے پردہ پر کیا لکھا ہے؟ کیا
یہ باتیں علم نجوم کے ذریعہ معلوم نہیں کی جا سکتی ہیں ؟
دنانیر۔ کیوں نہیں ایسی باتیں علم نجوم ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہیں۔
زینب۔ آپ پھر بتاؤ دادا جان کی طبیعت اب کیسی ہے ؟
اور ابا حضور خراسان سے کب واپس آئیں گے ؟
دنانیر۔ بیٹی میں کوئی منجّم یا رمّال تو نہیں ہوں کچھ تھوڑی بہت باتیں پڑھے لکھے
لوگوں سے سنی ہوئی کانوں میں پڑیں ایسے معیّن سوالوں کا قطعی جواب میں
نہیں دے سکتی کوئی منجّم یا رمّال ہی دے سکتا ہے۔
زینب۔ میرا دل بہت پریشان ہے کسی منجّم یا رمّال کو بلاؤ میں اس سے یہ
ساری باتیں پوچھوں گی۔

(۹)

زینب کا اضطراب!

وہی محل تھا' دیوار سے لگی ایک کھڑکی کے سامنے زینب دریائے دجلہ کی روانی کا نظارہ کر رہی تھی اتنے میں دنانیر بھی پاس آکر کھڑی ہو گئی اور ممتا بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

میری بچی یہاں کیوں کھڑی ہو؟

زینب نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اُس روز تم نے کہا تھا دریا پر اور سمندر پر چاند کا اثر پڑتا ہے کہا تھا؟"

دنانیر۔ ہاں بیٹی میں نے کہا تھا۔ لیکن یہ تم نے کیوں پوچھا۔

زینب۔ تم نے یہ بھی کہا تھا انسان کی زندگی پر ستاروں کی گردش اثر انداز ہوتی ہے' ۔ ۔ ؟

دنانیر۔ ہاں میری بچی میں نے یہ بھی کہا تھا' مگر پھر؟

زینب۔ اور تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ انسان کا زائچہ بعض خاص ستاروں سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اس کی زندگی کامیاب یا ناکام ہوتی ہے۔

کا اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا۔ وہ ٹکٹی باندھے دریائے دجلہ کے ساحل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں کھجوروں کے درخت خاموش مجسموں کی طرح پرسکون عالم میں کھڑے تھے۔ ذرا ہٹ کر درختوں کا ایک اور سلسلہ تھا جو دور تک چلا گیا تھا۔ بیچ بیچ میں کہیں کہیں اکا دکا عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ منظر بڑا دلکش تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی نے سبز رنگ کے ریشم پر جواہرات بکھیر دئے ہیں۔ آفتاب مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا اس لئے کھجوروں کا سایہ دجلہ کی خاموش سطح پر اپنا عکس ڈال رہا تھا۔

زینب اس دلکش نظارے میں کھوئی ہوئی تھی جب دنانیر نے اُسے آنے والی کشتی کی طرف متوجہ کیا تو وہ بولی۔

کیسی باتیں کرتی ہو ہمارا خراسانی طبیب کشتی میں سوار ہو کر کیسے آسکتا ہے؟

دنانیر نے پوچھا۔

کیوں بیٹی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیوں نہیں آسکتا؟

زینب نے جواب دیا۔

میں نے تو جب بھی اُسے دیکھا گھوڑے پر سوار آتے دیکھا۔

دنانیر کہنے لگی۔

اس سے کیا ہوتا ہے مدائن سے بغداد کا راستہ خشکی کی طرف سے بھی ہے۔ اور دریا کی طرف سے بھی۔

دنانیر۔ ایسا آدمی تو بغداد میں ایک ہی ہے جو ہر سوال کا فوراً جواب دے سکتا ہے

زینب۔ کون ہے وہ؟ بتاؤ کون ہے وہ؟

دنانیر۔ خراسان کا حکیم۔ اس سے بڑھ کر سارے بغداد میں کوئی آدمی نہیں۔

زینب۔ وہ ـــ بڑا بھیانک آدمی ہے مجھے تو اس کی صورت دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ یاد ہے ایک دن میں بیمار پڑی تھی۔ ابا حضور نے اسے طلب فرمایا تھا اس نے میری نبض دیکھی اتنا موٹا اور بھاری ہاتھ میری تو کلائی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی

دنانیر۔ (ہنستے ہوئے) ہاں بیٹی وہ ہے تو بھیانک اور ڈراؤنا لیکن اپنے فن میں کامل ہے

زینب۔ اچھا تو پھر اسی کو بلاؤ۔

دنانیر۔ لیکن وہ یہاں نہیں مدائن میں رہتا ہے۔

زینب۔ یہ کیوں؟ کیا وہ ابا حضور کا ملازم نہیں ہے؟ اسے ہمارے محل میں رہنا چاہیئے۔ تاکہ جب بھی ضرورت ہو طلب کیا جا سکے۔

دنانیر۔ کہتی تو ٹھیک ہو لیکن کچھ مصلحتوں کی بنا پر مدائن رہتا ہے بغداد آتا جاتا رہتا ہے چند گھنٹوں کا تو فاصلہ ہے جب ضرورت ہو بلایا جا سکتا ہے۔

زینب۔ کیا وہ بھی ایرانی ہے؟

دنانیر۔ ہاں خالص ایرانی مدائن میں نوشیروانِ عادل کے محل کے کھنڈرات کے قریب اس نے قیام اختیار کر رکھا ہے۔

زینب۔ اب وہ آئے تو اسے حکم دو کہ یہیں محل میں رہا کرے۔

دنانیر۔ اچھی بات ہے ـــ دیکھنا جنوب کی طرف سے ایک کشتی آ رہی ہے کہیں وہ حکیم ہی نہ آ رہا ہو۔

زینب کے سر پر گلابی رنگ کی ایک ریشمی چادر پڑی تھی گلے میں موتیا

اوپر پہونچنے کے بعد اس نے بڑی بی سے کہا۔

"سرکار اِس طرف تشریف لائیے۔"

اِن دونوں کو دیکھ کر زینب کھڑی ہوگئی اُس کے پاس پہونچ کر ضعیفہ اور جوان عورت نے اپنا چہرہ بے نقاب کر دیا۔ زینب نے محسوس کیا۔ اِس بوڑھی عورت کے چہرے پر غضب کا وقار ہے اور وہ نوجوان عورت جو نہایت سادہ لباس پہنے تھی۔ اتنی حسین و جمیل تھی کہ زینب کی آنکھیں اُسے دیکھ کر جھپک گئیں واقعی یہ نوخیز عورت اپنی دلکشی تناسب اعضاء خوبصورتی رکھ رکھاؤ اور نکھار کے اعتبار سے آپ اپنا جواب تھی زینب نے دیکھا اس کی آنکھیں جام شراب کی طرح آنسوؤں سے لبریز تھیں بڑے اخلاق اور تپاک سے اپنے ساتھ مسند پر ان دونوں کو اس نے بٹھایا۔ پھر دنانیر سے کہا۔

"تمہارے یہ معزز مہمان کون ہیں؟ ان کا تعارف تو کراؤ!"

دنانیر۔ ارے تم نے انہیں نہیں پہچانا؟

زینب۔ پہچانتی تو پوچھتی کیوں؟

دنانیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ میری مالکہ ہیں۔ میں ان کی باندی ہوں میں نے انہی کے محل سرا میں آنکھیں کھولیں۔ عیش و عشرت کی زندگی گذاری اور پھر جب تمہارے ابا حضور تولد ہوئے تو ان کی دایہ گیری کے لئے میری مالکہ نے مجھے یہاں بھیج دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کے میری زندگی قصر خلافت میں گذری جب میں یہاں آئی تو جوان تھی۔ اب میرے بال سفید ہو چلے ہیں ـــ بیٹی یہ ام جعفر ہیں۔

زینب۔ ام جعفر ـــ میں نہیں سمجھی۔

دنانیر۔ بدقسمت وزیر جعفر برمکی کی بدنصیب ماں عبادہ۔

(۱۰)

عبادہ

زینب اور وانیر دونوں غور سے کشتی کی طرف دیکھنے لگیں پہلے تو درختوں ک
آڑسے نکل کر وہ داہنی جانب مڑی لیکن یکایک اپنا رُخ اس نے محل کی طرف
کر لیا۔ کشتی جب بہت قریب آگئی تو زینب نے دیکھا اس میں دو عورتیں سوا
ایک عورت سفید لباس میں ملبوس تھی۔ اور چہرے سے کافی معمر معلوم ہوتی تھ
دوسری ایک نوجوان عورت تھی جو سیاہ لباس پہنے تھی۔ ڈوپٹہ سے اس نے
منہ چھپا رکھا تھا۔ صرف روشن اور سحر طراز آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

آخر کشتی دریا کے کنارے پہونچی دونوں عورتیں کشتی سے اُتریں اور قصر ک
دیکھنے لگیں ملاح نے ان سے کہا۔

"تمہاری منزل مقصود یہی ہے اِسی کا نام قصر ماموں ہے اتر جاؤ!"

وانیر اب تک ان عورتوں کو غور سے دیکھ رہی تھی یکایک وہ تیزی کے
زینے سے اتری بوڑھی عورت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا نوجوان عورت کی پیشانی
اور نہایت ادب اور احترام کے ساتھ جیسے وہ ان دونوں کی کنیز ہوئے کراو

یہ سب کچھ سچ ہے لیکن آپ کا جہاں تک تعلق ہے، امیرالمومنین ہارون جعفر کو قتل کر چکنے کے باوجود آپ کا بڑا لحاظ کرتے ہیں اور حد یہ ہے کہ اب تک ام الرشید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گویا وہ آپ کو جس طرح ماں سمجھتے تھے آپ بھی سمجھتے ہیں۔

عبادہ نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا۔

یہ اُن کی بندہ نوازی ہے۔ ورنہ غلام بہرحال غلام ہی ہے۔ یہ کہہ کر ام جعفر خاموش ہو گئی البتہ اُس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ زینب نے اپنی اوڑھنی سے اس کے آنسو پونچھے۔ اس وقت اس کی آنکھیں بھی پرنم ہو رہی تھیں۔ اس نے بڑے اثر انگیز انداز میں کہا۔

مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ ہے۔ جب بھی جعفر کے قتل کا ذکر سنا میرا دل کڑھا مجھے حیرت ہے کہ دادا جان نے جعفر کو معاف کیوں نہ کر دیا۔ کاش وہ ایسا ہی کرتے۔

ام جعفر۔ تم معصوم ہو تمہارا دل بھی معصوم ہے۔ مصیبت زدوں کو دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔ جو کچھ ہوا خدا کی مرضی یہی تھی اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہتی ہے۔

زینب۔ لاکھ لاکھ سوچتی ہوں مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ دادا جان نے ایسا کیوں کیا؟

ام جعفر۔ دشمن کس کے نہیں ہوتے۔ جعفر کے بھی تھے۔ اور وہ ہمیشہ لگائی بجھائی کیا کرتے تھے۔ کوئی بات امیرالمومنین کے دل کو لگ گئی ہو گی۔ یہ اقدام کر بیٹھے ان کی یہ عادت ہے جب کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں تو وہ اٹل ہوتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بدل سکتی ـــ لیکن بیٹی اب ان باتوں سے کیا حاصل جو ہونا تھا ہو چکا۔

یہ سن کر زینب کے آنکھوں کے سامنے وہ ساری داستان گھوم گئی جو ہارون الرشید کے قہر و غضب، جعفر کے مظلومانہ قتل، اور خاندان برمک کی الم ناک اور عبرت انگیز تباہی و بربادی سے متعلق زبان خلق پہ جاری تھی۔

دنانیر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

تمہارے ابا حضور میری ان ہی مالکہ کی گود میں پروان چڑھے، جعفر نے اپنا بیٹا بنایا اور یہ محل جس میں تم اس وقت بیٹھی ہو ایک سالگرہ کے موقع پر اس ننھے بچے کو نذر کر دیا۔ جعفر جب تک زندہ رہا اور میری مالکہ جب تک دولت و ثروت کی مالک رہیں یہ دونوں ماؤں پر زر و گوہر نثار کرتے رہے!

زینب نے عبادہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر تو یہ میری دادی ہوئیں؟

عبادہ اب تک خاموش بیٹھی تھی اس کے چہرہ پر حزن و الم کے بادل چھائے تھے۔ آنکھوں میں آنسو کے قطرے گردش کر رہے تھے۔ زبان خاموش تھی لیکن زبان حال اس کی بے بسی اور بیکسی کی داستان سنا رہی تھی۔ یہ داستان عجیب و غریب تھی، اس داستان میں جبرت بھی تھی اور حسرت بھی!

کیا کیا؟

یکایک عبادہ کی مہر سکوت ٹوٹی اور اس نے کہا۔

"نہیں، بیٹی میں تمہاری کنیز ہوں میرا سارا خاندان تمہارا غلام ہے۔ پاس جو کچھ تھا وہ تمہارے دادا ہارون کا دیا ہوا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اور اولاد تک کو امیر المومنین کی ملکیت سمجھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جعفر کو قتل کر دیا مگر میں آہ نہ کر سکی۔ حرف شکایت زبان پہ نہ لا سکی!"

دنانیر بیچ میں بول پڑی۔

پھر عبادہ دنانیرے گویا ہوئی۔

"دشمنوں کے درانازی نے میرے بچے جعفر کو قتل کر دیا۔میرے شوہر یحیٰی اور میرے دوسرے بیٹے فضل کو قید کرا دیا۔میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے انھیں اپنے دودھ کا واسطہ دیا۔لیکن وہ اتنے برہم تھے کہ انھوں نے میری التجا ٹھکرا دی میری بات نہیں مانی۔"

زینب۔لیکن کیوں؟ وہ اتنے بے رحم کیوں بن گئے؟

---

(۱۱)

جعفر کا قتل

ام جعفر نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال زمرد کی ایک ڈبیا نکالی اور اُسے کھولنے لگی زینب حیرت سے اُسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ ام جعفر نے ڈبیا کھولتے ہوئے زینب سے کہا اس ڈبیا میں جو چیز بند ہے میں نے اُس کا واسطہ بھی دلایا لیکن رشید اپنے انکار پر قائم رہا' اس نے ایک نہ سنی۔

زینب۔ (اشتیاق کے ساتھ) کیا چیز ہے اس میں؟

عبادہ۔ (ڈبیا کھول کر) یہ اس کے بال ہیں اور دیکھو یہ اس کے دودھ کے دانت ہیں۔ میں نے ماتا کے جوش میں انھیں حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔ کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔

زینب۔ یہ کس طرح؟ آخر اس کی کیا وجہ تھی پورا واقعہ سنائیے۔

اب ام جعفر یعنی عبادہ نے اپنی کہانی یوں شروع کی :-

تب مجھے معلوم ہوا کہ ہارون الرشید نے میرے بیٹے جعفر کو قتل کر دیا تو میں خاموش ہو گئی پھر مجھے معلوم ہوا اس نے میرے شوہر یحییٰ کو قید کر دیا تو میں نے

کتنا مختلف ہے پہلے ماں کی حیثیت سے آتی تھی ایک داعیہ لے کر، خود اعتمادی کے ساتھ آج میرے کشکول میں حسرت، التجا اور رشک و آہ کے سوا کچھ نہیں، میری خود اعتمادی رخصت ہو چکی ہے۔ میں ایک بھکارن بن کر تمہارے پاس پہونچی ہوں۔ اور امید بھری نظروں سے تمہارے طرف دیکھ رہی ہوں۔ نہ جانے میری التجا کا حشر کیا ہوگا؟

رشید نے توجہ سے میری باتیں سنیں پھر ملاطفت کے لہجہ میں کہا۔

آم رشید تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو، لیکن جلد اور مختصر۔"

میں نے کہا۔

جعفر کے ساتھ جو کچھ گذرنا تھی گذر گئی لیکن یحییٰ کے ساتھ تمہارا برتاؤ، اتنا سنگدلانہ کیوں ہے؟ کیا تم نے بار ہا باپ کی طرح اس کا ادب و احترام نہیں کیا؟ کیا تمھیں نہیں یاد ہے کہ خلیفہ ہادی اسے اپنا بھائی کہا کرتے تھے؟ دشمنوں کی لگائی بجھائی میں اگر تم نے اس بوڑھے اور ناتوان شخص کو بھی ہدف ستم بنا رکھا ہے کچھ تو سوچو، ذرا تو رحم سے کام لو!

میری یہ باتیں سن کر خلیفہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر اس نے جواب دیا۔

ام رشید تقدیر کا لکھا کوئی نہیں مٹا سکتا۔ خدا کے قہر سے کسی کو پناہ نہیں مل سکتی جو ہونے والا تھا وہ ہوا جو ہو چکا وہ ہو چکا۔

میں نے کہا۔

یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب۔

(خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے)

یہ سن کر خلیفہ نے کہا۔

فیصلہ کیا کہ رشید کے پاس جاؤں وہ میرا لحاظ کرتا ہے مجھے ماں کہتا ہے میرا کہنا مانتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے رشید سے کسی کی سفارش کی ہو اور اس نے فوراً نہ مان لی ہو۔ میں نے کسی خواہش کا اظہار کیا ہو اور رشید نے اُسے فوراً پورا نہ کر دیا ہو۔

زینب۔ تو پھر آپ دادا جان کے پاس اپنی التجا لے کر گئیں؟

جبادہ۔ ہاں بیٹی میرے لئے کوئی رُوک ٹوک نہ تھی رشید کہیں بھی ہوتا میں بلا اطلاع اس کے پاس جا سکتی تھی لیکن اب صورت حال دوسری تھی۔ میں جا کر دوسرے دروازے کے پاس ٹھٹک گئی۔ میں نے دربان سے کہا جاؤ میرے حاضر ہونے کی اطلاع کرو۔ وہ واپس آ گیا اس نے کہا۔ امیر المومنین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں ننگے منہ ننگے پاؤں پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اس کے کمرے کی طرف بڑھی جا جب نے مجھے جاتا دیکھ کر لپک کر رشید سے کہا۔ ام جعفر ننگے سر اور ننگے پاؤں دروازے تک آ گئی ہے۔ وہ امیر المومنین تک پہونچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ سن کر خلیفہ نے جواب دیا آنے اندر آنے دو۔ خلیفہ کے یہ الفاظ میں نے سُن لئے ان الفاظ سے میری ہمت بڑھی اور ڈھارس پیدا ہوئی کہ میری مراد پوری ہو جائے گی۔ میں خلیفہ کے سامنے پہونچی۔ مجھے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میرے سر کو بُوسہ دیا۔ میرا ہاتھ چوما پھر مجھ سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں بیٹھ گئی۔ رشید نے میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی۔ اور بہت ملائم انداز میں کہا۔

تم کیوں آئی ہو؟ تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟

میں نے جواب دیا۔

میرے بیٹے میں تمہارے پاس آئی ہوں لیکن آج کا آنا پہلے کے آنے سے

خلیفہ نے جواب دیا۔
تم خدا کی طرف سے کچھ نہ کہو میں جانتا ہوں میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ اور اس پر مجھے بارگاہ الٰہی سے انعام مل سکتا ہے سزا نہیں مل سکتی!
میں پھر عرض و التجا پر اتر آئی میں نے کہا۔
آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی کی سفارش کی ہو اور تم نے اسے منظور نہ کیا ہو۔
رشید نے جواب دیا۔
کاش تم ایک مجرم کی شفاعت نہ کرتیں۔
آخر جب میں نے دیکھا رشید کسی طرح اپنے فیصلہ سے ہٹنے پر تیار نہیں تو میں نے یہ ڈبیا نکالی اور اُسے دکھاتے ہوئے کہا۔
یہ تمہارے بچپن کے بال ہیں، یہ تمہارے دودھ کے دانت ہیں۔ تمہاری ان دونوں معصوم یادگاروں کو میں نے اپنے کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔ بارہا میں نے انہیں آنکھوں سے لگایا ہے، ہونٹوں سے چوما ہے۔ میں تمہیں ان چیزوں کا واسطہ دیتی ہوں۔ میرے شوہر اور اپنے غلام یحییٰ کو معاف کر دو!
رشید نے ڈبیا میرے ہاتھ سے لے لی۔ بال نکالے دانت ہاتھ پر رکھے اُسے میری محبت یاد آ گئی۔ وہ رونے لگا۔ اُسے روتا دیکھ کر اُس کے اور ندیم بھی آنسو بہانے لگے۔ اب مجھے یقین تھا کہ تیر نشانے پر بیٹھا میری مراد پوری ہو جائے گی۔ میرا کام بن جائے گا لیکن رومال سے اس نے اپنے آنسو پونچھنے کے بعد ڈبیا مجھے واپس کر دی اور سنجیدگی کے ساتھ بہت نرم

ہاں یہ سچ ہے، لیکن وہی باقی ہے۔ جسے وہ باقی چاہتا تھا اور وہ مٹ گیا جسے اس نے مٹانا چاہا۔

میں نے کہا۔

میرے بیٹے یہ سچ ہے لیکن تم ایسی باتیں کر رہے ہو جن سے معلوم ہوتا ہے تمہیں غیب کی خبر ہے جو کچھ کہتے ہو وہ وحی الہٰی کا نتیجہ ہے۔

میری یہ باتیں سن کر رشید نے سر جھکا لیا پھر ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جب موت اپنا پنجہ کسی طرف بڑھاتی ہے تو نہ کوئی دعا کام آتی ہے نہ تعویذ، اس کے دام میں آنے سے کوئی نہیں بچ سکتا!

میں نے کہا۔

تیجیٰ کے لئے میں ایک تعویذ بن کر نہیں آئی ہوں کسی شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے انسان کا مال و زر اس کے کام نہیں آتا۔ صرف نیک اعمال ساتھ دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب یعنی قرآن کریم میں غصّہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے لوگوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ خدا احسان کرنے والے کو پسند کرتا ہے!"

کچھ دیر تک رشید خاموش رہا پھر اس نے کہا ام رشید جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب کوئی نئی بات نہیں ہو سکتی، تم قدرت کے راستہ میں حائل ہونے کی کوشش مت کرو!

میں نے محسوس کیا وہ اپنے فیصلہ پر اڑا ہوا ہے۔ اب تابِ ضبط مجھ میں بھی نہ رہی میں نے کہا۔

انسان کو اس کے کئے کا بدلہ ضرور ملتا ہے تم نے میری یہ حالت کر دی ہے۔ خدا اسے دیکھ رہا ہے اور وہ یقیناً معاف نہیں کرے گا!

یہ آپ نے انصاف کی بات کہی۔ یہ ہو سکتا ہے میں اِس عہد کو فروخت کرنے پر تیار ہوں۔

رشید نے پوچھا۔

کیا قیمت لوگی۔

میں نے جواب دیا۔

صرف اتنی کہ اُسے بحال کر دو۔ جسے آج تک تم نے مایوس نہیں کیا تھا۔

میری یہ باتیں سن کر رشید کے چہرہ پر حزن و الم کے آثار طاری ہو گئے اس نے کہا۔

کیا ان لوگوں کے مقابلہ میں میرا حق تم پر نہیں؟

میں نے جواب دیا۔

کیوں نہیں ہے۔ بہت زیادہ ہے تمہیں تو میں اپنے گھر بار اور اہل و عیال سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ لیکن اپنے پیاروں کی محبت کیوں کر دل سے کھرچ کر نکال دوں؟

تمہارا حق اپنی جگہ ہے اور اُن کی محبت اپنی جگہ!

رشید پھر خاموش ہو گیا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا ہے!

چہرے پر ایک رنگ آتا تھا ایک رنگ جاتا تھا۔ بڑی دیر تک وہ خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

جو مقصد لے کر آئی ہو اِس کے علاوہ اگر کوئی اور مقصد ہو تو بیان کرو۔ میں ضرور اُسے پورا کر دوں گا۔

اور ملاطفت آمیز لہجہ میں کہا۔

واقعی تم نے ان چیزوں کی خوب حفاظت کی۔ تمہاری یہ محبت اور محنت ہمارے دل پر نقش ہے!

میں نے عرض کیا امیرالمومنین آپ کو خدا نے سب کچھ دیا ہے آپ خلق خدا کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میری خدمت کا صلہ بھی ملے؟

یہ سن کر رشید خاموش ہو گیا پھر قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امانت والوں کو امانت دے دے۔

میں نے کہا۔

ہاں واقعی خدا کا یہ فرمان ہے لیکن خدا نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو اور خدا سے جو عہد کرو اسے پورا کرو۔

یہ سن کر رشید نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا گویا وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا تمہاری ان باتوں کا مطلب کیا ہے۔

میں نے کہا۔

کیا تم نے مجھ سے یہ حلفیہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ کبھی میری کوئی بات رد نہیں کرو گے اور کبھی مجھے اپنے گھر سے مایوس نہ جانے دو گے۔

رشید نے جواب دیا۔

ہاں مجھے یاد آیا تم سچ کہتی ہو میں نے وعدہ کیا تھا۔

میں نے واقعی تم سے یہ عہد کیا تھا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ میرا یہ عہد مجھے واپس کر دو۔ اور اس کی قیمت لے لو۔

میں نے کہا۔

(۱۲)

عبادہ کی بپتا!

زینب نے عبادہ کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
واقعی آپ کی کہانی بڑی دل دوز ہے جگر کے ٹکڑے اڑتے ہیں اس داستان کے سننے سے شاباش ہے آپ کی ہمت اور حوصلہ پر کہ مصائب کے اس طوفان کو آپ نے بصد خوشی برداشت کر لیا۔ دادا جان بہت جلد خراسان سے واپس آنے والے ہیں۔ آئیں تو آپ کی شفیع بن کر ان کے پاس جاؤں گی وہ میرا بہت لاڈ کرتے ہیں جس طرح بھی آپ کے شوہر یحییٰ اور آپ کے بیٹے فضل کو قید کے مجرۂ بلا سے نجات دلاؤں گی۔

عبادہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا بیٹی اب تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔

زینب۔ کیا آپ ان کی اسیری پر قانع ہو چکی ہیں ——— نہیں وہ ضرور رہا ہوں گے۔

عبادہ۔ انہیں رہائی مل چکی ہے، وہ آزاد ہو چکے!

میں سمجھ گئی یہ کسی طرح میری التجا قبول نہیں کر سکتا۔ میری آس یاس سے بدل گئی میں اُٹھ کھڑی ہوئی چلتے چلتے میں نے کہا۔

تم نے بہرحال معاف کر دیا۔ اپنے ہر مطالبے میں دست بردار ہوتی ہوں۔ جعفر کے خون سے بھی میں درگذری خدا تمہیں خوش رکھے۔ تمہاری مرادیں پوری کرے تمہیں کبھی غم سے آشنا نہ کرے۔ ایسا کبھی نہ ہو کہ تمہارا دل دُکھے، تمہاری آنکھوں سے آنسو بہیں!

یہ کہہ کر میں پلٹ آئی۔ بیٹی زینب میرے دل کے زخم پر کھرنڈ جم چکا تھا۔ آج وہ پھر کھل گیا۔ تم نے میری یہ داستان کیوں سنی؟

یہ کہہ کر عبادہ کی آنکھیں پھر آب گون ہو گئیں!

خاک نہیں آتا؟ کیا کہا تھا یحییٰ نے

عبادہ۔ اُنھوں نے کہا تھا میری اا ورر ش

یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ان کی کہی ہوئی

دعا کرتی ہوں کہ یہ بات غلط ثابت ہو

اچھے رہیں۔

یہ باتیں سن کر زینب کا دل زور زور

محبت کرتی تھی لیکن پھر اس نے اپنے دل کو ت ... ں ساہیں وہ بار بار گفتگو کے دوران میں اس خوب رو اور خوش اندام دوشیزہ کی طرف دیکھ رہی تھی جو عبادہ کے ساتھ پیکر یاس وحرماں بنی بیٹھی تھی۔ پندار شاہی اور وقار شاہانہ استفسار کرنے سے مانع تھا۔

دنانیر اب تک خاموش بیٹھی تھی اب اس نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ کہنے لگی کوئی شبہ نہیں آپ کی کہانی بڑی ہی عبرت انگیز اور لرزہ خیز ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ عبادہ سوالیہ نظروں سے دنانیر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

آخر اتنے دنوں تک آپ کہاں اور کیسے چھپی رہیں کہ کسی کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا؟

عبادہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

ایک لٹی ہوئی بہار، چھنی ہوئی دولت اور مٹی ہوئی صورت کو پوچھتا بھی کون اس کی جستجو بھی کسے ہو سکتی ہے؟ یوں سمجھ لو زندہ درگور تھی اور زندہ درگور ہوں دنانیر۔ ایسی باتیں نہ کہئیے ـــ ہائے ـــ کیا زمانہ تھا اور اب آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے چار سو کنیزیں صرف آپ کی ذاتی خدمت

زینب۔ (خوش ہو کر) یہ آپ نے پہلے کیوں نہیں کہا بڑی خوشی ہوئی مجھے یہ سن کر۔
عبادہ۔ ایک ہفتہ ہوا میرے شوہر یحییٰ کو قید ہستی سے رہائی مل چکی ہے اور کل شام کو
میرے بیٹے فضل کا طائر حیات بھی قفس سے آزاد ہو چکا ہے۔ اب تم کس کے
لئے سفارش کروگی؟

عبادہ نے یہ باتیں کچھ ایسے لب و لہجہ میں کہیں کہ زینب بے تحاشہ رونے لگی
عبادہ کی داستان میں کئی مقامات ایسے آئے تھے جہاں اس کے لئے آنسو
ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا لیکن داستان کے اختتام پر وہ کسی طرح گریہ بے اختیار
پر قابو نہ رکھ سکی اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

عبادہ نے بڑی محبت سے زینب کے آنسو پوچھے اور کہا خدا خیر کرے میرا دل
دن سے یحییٰ کا انتقال ہوا ہے دہل رہا ہے ہول رہا ہے۔

زینب۔ واقعی یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ جتنا صدمہ بھی نہ ہو کم ہے۔ لیکن دل کا
دہل رہا ہے کیا کسی اور اندیشہ سے؟

عبادہ۔ ہاں مجھے اندیشہ ہے —— بہت بڑا اندیشہ ہے۔

زینب۔ کہو کہو کیا اندیشہ ہے۔

عبادہ۔ امیر المومنین کی زندگی مجھے خطرے میں نظر آ رہی ہے

زینب۔ (سہم کر) خدا نہ کرے ان کی جان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ ایسا نہ کہو
دادی!

عبادہ۔ میری دلی دعا ہے کہ وہ ہر آفت سے محفوظ رہیں۔ میری دلی دعا ہے
خدا انہیں عمر خضر عطا فرمائے لیکن یحییٰ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج
رہے ہیں۔

زینب۔ (تعجب کے ساتھ) یحییٰ کے الفاظ کیا کہنا چاہتی ہو۔ میری سمجھ میں

کے لئے مقرر تھیں۔ ان باندیوں کے بدن پر دیبا اور ریشم کا لباس ہوتا تھا، سونے کے زیورات اور جواہرات کے ہاروں سے ان کی گردن اور بازو پر تل دھرنے کی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ اور آج آپ کا یہ حال ہے کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے غربت اور بے کسی کی تصویر بنی بیٹھی ہیں۔ خدا دشمن کو یہ دن نہ دکھائے

عبادہ۔ اِن باتوں کا ذکر چھوڑ دیں ایک خاص مقصد کے ماتحت شہزادی زینب کے پاس آئی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میرا آنا ان کے لئے تکدر اور بدمزگی کا باعث ہوا ہے۔

زینب۔ ایسا خیال بھی نہ لایئے گا دل میں الفاظ نہیں ملتے کہ اپنی اس کیفیت کو بیان کروں جو آپ کا حال زار دیکھ کر میرے دل پر گذر رہی ہے خدا ایسی بپتا کسی دشمن پر بھی نہ ڈالے اور یہ خیال آپ کے دل میں کیسے آیا کہ آپ کا آنا یا آپ سے ملنا مجھے ناگوار گذرا ہے آپ اپنا گھر سمجھ کر جب چاہیئے شوق سے تشریف لایئے میں تو کہتی ہوں یہیں رہ جایئے۔ اِس گھر میں آپ کو وہی سکھ ملے گا جو کسی کو اپنے گھر میں مل سکتا ہے۔

عبادہ۔ کس زبان سے اِس لطف و عنایت کا شکریہ ادا کروں لیکن آج میں اپنی ذ... کے لئے علاوہ کوئی اور ہی مقصد کے کر آئی تھی۔ اُس مقصد کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگا لیجئے کہ بغداد کے درو دیوار مجھے کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہی شہر تھا ج... میں نے عیش و عشرت کی زندگی بسر کی تھی۔ اس شہر میں میرے شوہر اور بیٹو... دبدبہ کا وہ عالم تھا کہ دوست خوش ہوتے اور دشمن لرزتے تھے۔ پھر اسی ش... میں میری دولت لوٹ لی گئی میں غریب اور مفلس ہو گئی۔ میرا لخت جگر... قتل کر دیا گیا اور اس کی نعش بے کفن عبرت کے لئے دار پر لٹکا دی گئی۔ ایک عرصہ تک دھوپ، بارش، گرمی، سردی، ہر موسم میں میرا وہ نازو ن...

کا پالا ہوا بچہ لوگوں کے لئے سرمایۂ عبرت بنا رہا۔ اُس کا سر کاٹ کر کہیں لٹکایا گیا۔ دھڑ کے دو حصّے کئے گئے۔ ایک ایک پل پر، دوسرا دوسرے پل پر۔ اس شہر میں میرا شوہر بھی گرفتار ہوا۔ قید کیا گیا اور آخر مصائب کی تاب نہ لاکر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسی شہر میں میرا دوسرا بیٹا نفیس بھی پکڑا گیا۔ قید ہوا اور آخر کشاکش حیات سے اس نے نجات پائی ذرا سوچو تو اس شہر سے یہاں کے در و دیوار سے یہاں کے کوچہ و بازار سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے یہی وجہ تھی کہ شہر سے دور ایک گوشہ میں پڑی ہوئی زندگی کے دن گذار رہی تھی لیکن کبھی کوئی ایسی بات بھی ہوتی ہے۔ جو زندگی سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اور آج وہی بات مجھے خود بغداد کھینچ لائی ہے۔

یہ کہہ کر عبادہ نے اپنی ساتھی دوشیزہ کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ زینب بھی ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگی!

دنانیر۔ لیکن میں نے تو اسے کبھی نہیں دیکھا تعجب ہے۔

عبادہ۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ تمہارے چلے آنے کے بعد پیدا ہوئی یہ عمر دیکھو اور مصائب کا ہجوم۔

زینب۔ یہ کس طرح سے بچ گئی؟

عبادہ۔ جب ہمارے خاندان پر تباہی اور بربادی نازل ہوئی تو ہر شخص کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ایک وفادار باندی اسے لے کر مدائین میں چھپ گئی سب کچھ کو چکنے کے بعد میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ اور اپنے اس لعل گم گشتہ کو پا کر وہیں ایک گوشہ میں پڑی۔

زینب۔ تمہاری کفالت کون کرتا تھا؟ آذوقہ کس طرح ملتا تھا؟ آخر کوئی نہ کوئی تو پرسان حال ہوگا؟

عبادہ۔ ہاں کیوں نہیں اللہ کا ایک بندہ ہماری خبر کرتا رہتا تھا۔

زینب۔ کون ہے وہ نیک شخص؟

عبادہ۔ میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی اس کا نام بہزاد ہے ایرانی النسل ہے زیادہ تر دہیں رہتا ہے۔

زینب۔ اس کا شغل کیا ہے؟ کرتا کیا ہے؟ کس قسم کا آدمی ہے؟

عبادہ۔ بیٹی میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی وہ کچھ عجیب قسم کا پراسرار آدمی ہے کسی سے ملتا جلتا نہیں۔ کہیں آتا جاتا نہیں دروازہ بند کئے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے تو باہر نکلتا ہے ورنہ وہ ہے اور کنج تنہائی کوئی اسے کیمیا گر کہتا ہے کوئی نجومی بتاتا ہے کسی کے خیال میں وہ رمال ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ ایک بہت بڑے خزانے کا مالک ہے۔ جو دفینوں کی صورت میں اس کے گھر کے اندر موجود ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ کون ہے؟

(۱۳)

میمونہ۔ اجڑے ہوئے چمن کا کملایا ہوا پھول!

زینب نے عبادہ کو تسکین و تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آپ بے تامل جو کچھ کہنا چاہتی ہیں کہئیے میں غور سے سن رہی ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو مایوس نہ کروں گی۔

عبادہ۔ بیٹی مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔

زینب۔ (دوشیزہ کی طرف دیکھ کر) ان کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا یہ کون ہیں؟

عبادہ۔ بیٹی یہ ہمارے اجڑے ہوئے چمن کا کملایا ہوا پھول ہے۔

زینب۔ یہ آپ کی کون ہیں؟

عبادہ۔ یہ میری پوتی ہے۔ مقتول جعفر کی بدقسمت بیٹی۔

زینب۔ (پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کتنی اچھی صورت ہے۔ ان کا نام کیا ہے؟

عبادہ۔ اس کا نام میمونہ ہے۔

دنانیر۔ لیکن میں نے تو اسے کبھی نہیں دیکھا تعجب ہے۔

عبادہ۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ تمہارے چلے آنے کے بعد پیدا ہوئی یہ عمر دیکھو اور مصائب کا ہجوم۔

زینب۔ یہ کس طرح سے بچ گئی؟

عبادہ۔ جب ہمارے خاندان پر تباہی اور بربادی نازل ہوئی تو ہر شخص کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ایک وفادار باندی اسے لے کر مدائین میں چھپ گئی سب کچھ ہو چکنے کے بعد میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ اور اپنے اس لعل گم گشتہ کو پاکر وہیں ایک گوشہ میں پڑی۔

زینب۔ تمہاری کفالت کون کرتا تھا؟ آزوقہ کس طرح ملتا تھا؟ آخر کوئی نہ کوئی تو پرسان حال ہوگا؟

عبادہ۔ ہاں کیوں نہیں اللہ کا ایک بندہ ہماری خبر کرتا رہتا تھا۔

زینب۔ کون ہے وہ نیک شخص؟

عبادہ۔ میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی اس کا نام بہزاد ہے ایرانی النسل ہے زیادہ تر دہیں رہتا ہے۔

زینب۔ اس کا شغل کیا ہے؟ کرتا کیا ہے؟ کس قسم کا آدمی ہے؟

عبادہ۔ بیٹی میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی وہ کچھ عجیب قسم کا پراسرار آدمی ہے کسی سے ملتا جلتا نہیں۔ کہیں آتا جاتا نہیں دروازہ بند کئے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی ہے تو باہر نکلتا ہے ورنہ وہ ہے اور کنج تنہائی کوئی اسے کیمیاگر کہتا ہے کوئی نجومی بتاتا ہے کسی کے خیال میں وہ رمال ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ ایک بہت بڑے خزانے کا مالک ہے۔ جو دفینوں کی صورت میں اس کے گھر کے اندر موجود ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ کون ہے؟

(۱۳)

میمونہ۔ اجڑے ہوئے چمن کا کملایا ہوا پھول

زینب نے عبادہ کو تسکین و تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آپ بے تامل جو کچھ کہنا چاہتی ہیں کہئے میں غور سے سن رہی ہوں۔ اور وعدہ

کرتی ہوں کہ آپ کو مایوس نہ کروں گی۔

عبادہ۔ بیٹی مجھے تم سے یہی امید تھی۔

زینب۔ (دوشیزہ کی طرف دیکھ کر) ان کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا یہ کون

ہیں؟

عبادہ۔ بیٹی یہ ہمارے اجڑے ہوئے چمن کا کملایا ہوا پھول ہے۔

زینب۔ یہ آپ کی کون ہیں؟

عبادہ۔ یہ میری پوتی ہے۔ مقتول جعفر کی بدقسمت بیٹی۔

زینب۔ (پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے) کتنی اچھی صورت ہے

کا نام کیا ہے؟

عبادہ۔ اس کا نام میمونہ ہے۔

(۱۴)

ڈہارس!

کمرے پر ایک اداس سناٹا چھایا تھا۔ عبادہ زینب کے سوال کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک کنیز حاضر ہوئی اور اُس نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا۔

کھانا تیار ہے۔

یہ سنتے ہی زینب اُٹھ کھڑی ہوئی اُس نے عبادہ سے کہا چلئے کھانا کھا لیجئے۔

عبادہ نے جواب دیا۔

بیٹی تمہارے ہی گھر کی نمک پروردہ ہوں لیکن اِس وقت ذرا بھی بھوک نہیں۔

زینب نے میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور عبادہ سے مخاطب ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

غالباً انہیں تو کمی اشتہا کی شکایت نہ ہوگی۔ پھر وہ میمونہ سے مخاطب ہوئی

میں تو اتنا جانتی ہوں وہ بہت اچھا بہت اونچا انسان ہے خدا نے ہمارے لئے فرشتۂ رحمت بنا کر اسے بھیجا ہے۔

دنانیر۔ اگر مدائن میں رہتا ہے تو بڑی آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔ کون اور کس قسم کا آدمی ہے؟ ہمارا خراسانی طبیب بھی تو وہیں رہتا ہے۔ اب کی جب بھی وہ آیا تو پہلا سوال اُس سے یہی ہوگا۔

عبادہ۔ مدائن میں بود و باش اختیار کر کے میں تو یہ سمجھی تھی کہ جس طرح میں نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے دنیا بھی مجھے بھول چکی ہو گی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے میرے نصیب میں عافیت کی زندگی نہیں غم و الم میرے مستقل رفیق بن چکے ہیں۔

زینب۔ کیا وہاں بھی کچھ لوگ تمہارے درپئے آزار ہیں؟

عبادہ۔ جہاں بھی پہنچتی ہوں وہاں کی زمین میرے لئے آسمان بن جاتی ہے، خواہ وہ بغداد ہو، خواہ مدائن، یا کوئی اور مقام۔

زینب۔ تعجب ہے جسے دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ دنیا والے اُسے بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔

عبادہ۔ میں تو اسے بھی قسمت کا کرشمہ سمجھتی ہوں۔

دنانیر۔ خدا ان لوگوں کو غارت کرے جو آپ کے پیچھے پڑے ہیں — آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟

عبادہ۔ اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں۔ ایک مجبور مظلوم بڑھیا کیا کر سکتی ہے۔

دنانیر۔ سچ ہے زمانے کی گردش سے کسی کو مفر نہیں آج کچھ ہے کل کچھ ہے۔

زینب۔ لیکن یہ تو معلوم ہونا چاہئے وہ کون لوگ ہیں۔

آپ کے لئے مچل جائیں گی۔

عبادہ۔ کاش ایسا ہو ــــــ

دنانیر۔ انشاء اللہ ضرور ایسا ہوگا آپ نے دیکھا نہیں کس محبت اور چاؤ سے وہ میمونہ کو اپنے ساتھ لے گئیں؟ لیکن یہ تو بتایئے آخر میمونہ کو کیا خطرہ ہے اور کس سے ہے وہ خطرہ؟

عبادہ۔ تم فضل سے تو واقف ہو۔

دنانیر۔ ہاں بہت اچھی طرح، ــــــ فضل بن ربیع نا؟

عبادہ۔ ہاں ــــ شاید تم اس سے بھی ناواقف نہ ہو کہ جعفر کو قتل کرانے والا یحییٰ کو قید کرانے والا برمکی خاندان کو تباہ و برباد کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہے۔ اور وہ ہے فضل بن ربیع

دنانیر۔ یہ تو نہ کہیئے جعفر کے دشمن بہت سے ہیں۔ سہیل نے کچھ کم لگائی بجھائی امیرالمومنین سے ان کے خلاف نہیں کی۔

عبادہ۔ مانتی ہوں سہیل اور دوسرے کئی لوگ جعفر کے اور ہمارے دشمن تھے۔ اور وہ لگائی بجھائی بھی کرتے رہتے تھے۔ لیکن کسی کی کوشش اتنی کارگر نہیں ہوئی جتنی فضل کی اس کی دراندازی اور سازش نے برمکی خاندان کا تختہ الٹ دیا۔

دنانیر۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں، واقعی بڑا بدذات شخص ہے۔

عبادہ۔ پھر تم ہی غور تو کرو میں کس طرح فضل کی بات مان سکتی ہوں؟ میں تو اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔

دنانیر۔ وہ کیا کہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ یہ بھی تو فرمایئے۔

عبادہ۔ معلوم نہیں کس طرح فضل کے بیٹے کی نگاہ میمونہ پر پڑ گئی اور وہ

اور بولی۔

آؤ میمونہ کھانا کھالو چل کر (مسکراتے ہوئے) تم انکار نہیں کر سکتیں — آؤ۔

واقعی میمونہ انکار نہ کر سکی اور زینب کے ساتھ اُس کمرے میں چلی گئی جہاں دستر خوان بچھا تھا اور طرح طرح کے لذیذ اور خوش ذائقہ کھانے طعام و دعوت کے تواضع کے لئے رکھے ہوئے تھے۔

زینب کے جانے کے بعد دنانیر اور عبادہ تنہا رہ گئیں اور اب اِن دونوں میں باتیں شروع ہوئیں۔

دنانیر نے کہا۔

وہ کیا بات ہے جو آپ شہزادی زینب سے کہنا چاہتی ہیں۔

عبادہ۔ صرف یہ کہ میری میمونہ کو دشمنوں کے پنجے سے بچا لیا جائے میں سب کچھ کھو چکی ہوں اب میرے پاس میمونہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اُسے کھونا نہیں چاہتی۔

دنانیر۔ لیکن میمونہ کو آپ سے کون چھین سکتا ہے؟

عبادہ۔ دشمن تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ مجھے طرح طرح سے ستایا اور پریشان کیا جا رہا ہے۔ میمونہ کا حسن و جمال اُس کے لئے وبالِ جان بن چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ ہمارے گھر میں پناہ لیتے تھے۔ اور انہیں پناہ مل جاتی تھی۔ آج میں اس گھر میں پناہ لینے آئی ہوں اور خدا بہتر جانتا ہے مجھے پناہ ملے گی بھی یا نہیں۔

دنانیر۔ ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیجئے۔ آپ نے شہزادی زینب کا برتاؤ دیکھ لیا وہ مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ہیرا ہیں۔ یقیناً وہ ہر طرح سے آپ کی مدد کریں گی بلکہ ضرورت ہوئی تو امیر المومنین ہارون رشید سے

لیکن اگر مصیبت سہنے سے ابھی جی نہیں بھرا ہے تو بے شک انکار کر دو۔ اور نئی مصیبتیں سر لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے پھر انکار کر دیا۔ اور وہ انتقام کی دھمکی دیتا ہوا واپس چلا گیا میں جانتی ہوں اور تم بھی اندازہ کر سکتی ہو کہ مجھ پر اور میمونہ پر کیا گذرنے والی ہے۔

دنانیر۔ ہاں مجھے اس کا اندازہ ہے اور میں آپ کو مشورہ دیتی ہوں کہ مدائن نہ جائیے۔

عبادہ۔ پھر کیا کروں ؟ کہاں جاؤں ؟ کہاں رہوں ؟

دنانیر۔ یہیں، اسی محل میں رہیئے شہزادی زینب آپ کی پوری مدد کریں گی۔

عبادہ۔ نہیں میں یہاں نہیں رہوں گی۔

دنانیر۔ کیوں اس میں کیا مصلحت ہے ؟

عبادہ۔ ہم پر نحوست منڈلا رہی ہے ڈر لگتا ہے یہاں رہنے کے بعد کہیں وہ نحوست اس محل پر بھی نہ طاری ہو جائے۔

دنانیر۔ ایسا نہ کہیئے اسلام میں نحوست کوئی چیز نہیں۔

اس پر عاشق ہو گیا۔ فضل نے میرے پاس اپنی باندی بھیجی وہ پیام دے کر میرے پاس آئی اور مجھے حکم دینے لگی کہ میمونہ کی شادی حمّاد سے کر دوں۔

دنانیر۔ (آہ سرد بھر کر) انقلابات ہیں زمانے کے ـــــ بات یہاں تک پہونچ چکی ہے اِس کا مجھے اندازہ نہ تھا۔

عبادہ۔ نہیں یہیں تک نہیں، اس سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہے۔ فضل کی بھیجی ہوئی باندی نے مجھ سے کہا اگر میمونہ کی شادی فضل کے بیٹے سے کر دو تو تہاری زندگی سکھ سے بسر ہوگی۔ اور میمونہ عیش کرے گی۔

دنانیر۔ یہ تو اس نے غلط نہیں کہا۔

عبادہ۔ بالکل غلط کہا میں ایسے سکھ پر لعنت بھیجتی ہوں۔ میمونہ جیسی حساس اور باحمیّت لڑکی اُس شخص سے ہرگز شادی پر رضامند نہیں ہو سکتی جس کا باپ اُس کے باپ کا قاتل ہو۔

دنانیر۔ یہ تو سچ ہے ـــــ تو پھر آپ نے انکار کر دیا ہوتا۔

عبادہ۔ میں نے انکار کر دیا تھا لیکن دوسرے روز قہرمانہ پھر پہونچی اور اس نے مجھ سے کہا تمہارے اور میمونہ کے لئے دو راستے ہیں ایک طرف جنّت اور اس کی تمام نعمتیں دوسری طرف جہنم اور اس کی تمام مصیبتیں ان میں سے جو راستہ چاہو اختیار کر لو۔ اگر شادی پر رضامند ہو تو شرف، عزت، عظمت، سب کچھ ملے گا۔ اور اگر جواب انکار میں ہے تو ذلت رسوائی اور طرح طرح کے ستم سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کر دیا۔

دنانیر۔ پھر بھی کم بخت نے پیچھا نہیں چھوڑا۔

عبادہ۔ نہیں ـــــ دوسرے دن کوتوال شہر پہونچا اس نے حاکمانہ لہجے میں مجھ سے کہا خیریت چاہتی ہو تو فضل کے بیٹے سے میمونہ کی شادی کر دو۔

معلوم ہوئے ذرا دیر میں خراسانی حکیم کی جھلک دروازے پر نظر آئی۔ دنانیر استقبال کے لئے دروازے تک گئی۔ بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اسے مرحبا کہا اور بولی۔

"تشریف لائیے اس مرتبہ تو آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی۔"

حکیم نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"جی ہاں اس مرتبہ دیر ہو گئی کیا کوئی خاص ضرورت تھی؟"

دنانیر حکیم کے سامنے کھڑی باتیں کر رہی تھی حکیم کا چہرہ عبادہ کو نظر نہیں آ رہا تھا لیکن یہ آواز سن کر ایک عجیب کیفیت اس پر طاری ہوئی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ مدائن کے کنج تنہائی میں اس ہمدرد اور غم خوار آواز نے بارہا اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ یہ آواز بہزاد کی تھی اتنے میں دنانیر بہزاد کو ساتھ لے کر عبادہ کے پاس پہنچ گئی۔ عبادہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اس نے حیرت اور تعجب کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

بہزاد تم؟ ــــ تم؟

خراسانی حکیم یعنی بہزاد نے عبادہ کو دیکھ کر بڑے تپاک اور ادب اور احترام کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا۔

"مجھے بھی تعجب ہو رہا ہے کہ آپ کو یہاں کیسے دیکھ رہا ہوں؟"

کہاں یہ قصر کہاں مدائن کا وہ گوشہ!

عبادہ بولی۔

دنانیر سے ملنے کبھی کبھی آ جاتی ہوں یہ میری پرانی جاننے والی ہیں۔ میری زندگی کے ہر دور سے واقف۔

دنانیر نے عبادہ سے کہا۔

(۱۵)

وہ شرمگیں آنکھیں!

عبادہ اور دنانیر کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ دروازے کے قریب کسی کی آہٹ محسوس ہوئی دنانیر نے نگاہ اُٹھائی تو ایک غلام سامنے کھڑا تھا اس نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا۔

خراسانی حکیم تشریف لائے ہیں کیا انہیں اندر آنے دوں؟

دنانیر نے اُسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"کم بخت پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جا انہیں لے آ!"

غلام چلا گیا پھر وہ عبادہ سے مخاطب ہوئی اور کہنے لگی۔

"اچھا ہوا حکیم صاحب تشریف لے آئے۔ اب بہزاد کے بارے میں ضرور معلوم ہو جائے گا کون ہے؟ مجھے کچھ کھوج سی ہو گئی ہے کہ یہ معلوم کروں کہ اتنا بے نفس اور شریف آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

عبادہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اس کی خاموشی میں اقرار جھلک رہا تھا وہ بھی چاہتی تھی کہ بہزاد کے بارے میں اگر کچھ معلوم ہو سکتا ہے تو ضرور

مدائن کے لوگ مجھے بہزاد کہتے ہیں۔اس لئے مجھے ایرانی سمجھتے ہیں۔ ورنہ میرا اصلی نام جیسا آپ کو معلوم ہے عبداللہ ہی ہے باقی رہا۔(عبادہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میرے بارے میں آپ کا حسن ظن اور تعریف و تحسین سو یہ آپ کی شرافت ہے ورنہ میں کس قابل تھا ——— آج شہزادی زینب نظر نہیں آئیں خیریت تو ہے؟

دنانیر۔ ہاں خدا کا شکر ہے سب طرح سے خیریت ہے۔

بہزاد۔ تو پھر وہ کہاں ہیں؟

دنانیر۔ وہ اپنی ایک ہمجولی کے ساتھ خاصہ تناول فرما رہی ہیں وہ کھانے سے فراغت کر کے بستر پر لیٹ جائیں گی۔ میں کہانی کہوں گی اور وہ سنتے سنتے سو جائیں گی۔ ان سے ملاقات صبح سے پہلے نہیں ہو سکتی۔

بہزاد۔ کوئی مضائقہ نہیں میرا غلام سلمان تو یہاں نہیں آیا تھا؟

دنانیر۔ نہیں تو' کیا وہ یہاں ملنے کا وعدہ کرکے آیا تھا؟

بہزاد۔ ہاں میں نے اسے ایک کام سے بھیجا تھا اور تاکید کی تھی کہ مغرب تک قصر مامون میں پہنچ جائے۔ تعجب ہے اب تک نہیں آیا۔ نہ جانے کہاں اٹک گیا کم بخت' بس یہی باتیں زہر لگتی ہیں!

دنانیر۔ آتا ہوگا آجائے گا' ویسے کوئی کام ہو تو فرمائیے محل کے غلام آپ کی ہر خدمت سر آنکھوں پر بجا لائیں گے۔

بہزاد۔ نہیں کوئی خاص کام تو نہیں۔ بس یہ فکر ہو رہی ہے نہ جانے کہاں رہ گیا یہ بھی تو ہو سکتا ہے آیا ہو اور محل کے اس حصہ میں جہاں غلام اور خادم بود و باش رکھتے ہیں ہنسی دل لگی کرنے لگا ہو' ہے بھی تو بڑا مسخرا۔

دنانیر۔ اچھا آپ بیٹھئے میں جاتی ہوں اگر وہاں ہوا تو فوراً آ جائے گا۔

تو یہ ہیں بڑے پڑوسی جن کے آپ ابھی گن گا رہی تھیں؟ اور اتفاق دیکھئے یہی ہمارے حکیم بھی ہیں آپ کے دم سانا ور ہمارے چارہ ساز سارا مسئلہ چشم زدن میں حل ہوگیا۔ پھر دنانیر نے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کھڑے کیوں ہیں تشریف رکھئے۔"

وہ بیٹھ گیا ــــ بہزاد ایک کشیدہ قامت چوڑے چکلے سینہ والا خوش رو اور تنومند نوجوان تھا اس کی آنکھیں چمکدار تھیں جن سے ذہانت اور ذکاوت ہویدا تھی۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں باریک ترشی ہوئی داڑھی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال ایک سیاہ عبا جسم پر سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی جس کے گرد عمامہ کا کوئی پیچ نہ تھا۔ چہرے پر متانت اور سنجیدگی برستی تھی بہت کم گو اور اپنے خیالات میں کھویا کھویا لیکن گفتگو کے وقت سراپا اخلاق اور شائستگی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو دنانیر نے کہا۔

جب سے میری مخدومہ ام جعفر تشریف لائے ہیں بس آپ ہی کی شرافت، انسانیت دوستی، اخلاق، اور بلند حوصلگی کے ذکر میں رطب اللسان ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا آپ کا ذکر ہو رہا ہے۔ کیوں کہ ہم لوگ بہزاد کے نام سے تو آپ کو جانتے نہیں بہر حال یہ معلوم کرکے مجھے اور زیادہ مسرت ہوئی کہ دنیا میں جن کا کوئی سہارا نہیں آپ ان کے حامی و ناصر بنے ہوئے ہیں ــــ جزاک اللہ۔

عبادہ نے آنکھوں آنکھوں میں دنانیر سے کہا کہ وہ اس کا نام نہ لے۔ کیوں کہ بہزاد اس کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ دنانیر نے مطلب سمجھ لیا اور خاموش ہوگئی۔

بہزاد نے دنانیر کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

رکھ کر کہا۔

"میمونہ بیٹی (بہزاد کی طرف اشارہ کرکے) تم نے انہیں سلام نہیں کیا؟ بری بات ہے!"

ونائیر نے محسوس کیا عبادہ نے میمونہ کا پورا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ اپنی اور اس کی حقیقت خراسانی حکیم یعنی بہزاد پر آشکار کرنا نہیں چاہتی۔

میمونہ نے شرگیں انداز میں سر کی ایک جنبش سے بہزاد کو سلام کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔

بہزاد کا ہاتھ گرم تھا اور میمونہ کا سرد۔ بہزاد کے ہاتھ میں زور تھا اور میمونہ کا ہاتھ کمزور اور تنکے کی طرح لرزاں۔ بہزاد نے کہا۔

"آپ بھی یہاں تشریف رکھتی ہیں میں ڈر رہا تھا کہیں خالہ (عبادہ) مدائن ہی میں آپ کو تنہا نہ چھوڑ آئی ہوں!"

میمونہ کا سر اب بھی جھکا ہوا تھا اس کے چہرے پر شرم کی سرخی اب بھی نمایاں تھی اور ہاتھ ہی نہیں سارا بدن لرزاں تھا۔

بہزاد نے زینب سے پوچھا۔

"مزاج کیسا ہے؟ طبیعت تو درست ہے؟

زینب۔ بہت اچھا، خدا کا شکر ہے ہر طرح۔

بہزاد۔ الحمد للہ میں نے آپ کو خیریت سے پایا۔

زینب۔ لیکن مجھے آپ سے شکایت ہے کہ اس مرتبہ آپ بہت دیر میں آئے۔

بہزاد۔ اپنی اس کوتاہی پر نادم ہوں اور دنائیر سے معذرت کرچکا ہوں اب آپ سے بھی اظہار ندامت کرتا ہوں۔

دنانیر اُٹھ کر مشکل سے دروازے تک پہونچی ہوگی کہ اِس کے کانوں میں زینب کے قہقہے اور ہنسی کی آواز آئی میمونہ کا دامن اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے مسکراتی ہوئی چلی جا رہی تھی دنانیر نے کہا۔

"بیٹی اب تمہارے سونے کا وقت ہوگیا ہے اپنی خوابگاہ کی طرف چلو میں کہانی کہہ کر تمہیں سلا دوں۔"

زینب نے کوئی جواب نہ دیا وہ بدستور ہنستی رہی۔

دنانیر نے پوچھا۔

آخر ہنسی کی ایسی کیا بات ہے؟

زینب نے بہزاد کے غلام سلمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ پھر ہنسنے لگی۔ دیکھ تو——

سلمان مسخروں کی دھج میں کچھ اس طرح نظر آرہا تھا کہ اسے دیکھ کر ہنسی کا ضبط کرنا واقعی مشکل تھا دنانیر کو بھی ہنسی آگئی لیکن اس نے اپنی ہنسی کو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جھڑکنے کے انداز میں کہا۔

کم بخت یہ تو نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟

یہ سنتے ہی سلمان دروازے کی آڑ میں چھپ گیا اور ایک لمحہ میں اپنی وضع تبدیل کر کے ایک سنجیدہ آدمی بن گیا۔ بہزاد یہ باتیں سن رہا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور وہیں پہنچ گیا زینب بہ دستور میمونہ کا دامن ہاتھ میں لئے ہنس رہی تھی اور میمونہ بھی مسکرائے جا رہی تھی ان دونوں نے یک بیک جو بہزاد کو دیکھا تو گھبرا گئیں۔ زینب میمونہ کے پیچھے چھپ گئی میمونہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اس پر سنجیدگی طاری ہوگئی اس نے اپنا سر جھکا لیا عبادہ نے دیکھا میمونہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑی ہے تو وہ قریب پہونچی اور اس کے کاندھوں پر ہاتھ

ہوئے کہا!
"کہیئے علامہ سعدون کوئی نئی خبر؟"
سعدون۔ شہر میں بہت سے لوگ مجھے علامہ کہتے ہیں۔ لیکن آپ تو یہ ظلم نہ کیجئے مجھ پر۔
یہ کہہ کر سعدون نے ایک قہقہہ لگایا۔
بہزاد۔ جب تک ہماری مہم پوری نہ ہو جائے ہمارے مقاصد حاصل نہ ہو جائیں اس سرزمین سے رخصت ہو کر ہم اپنے وطن نہ پہنچ جائیں اس وقت تک تم علامہ ہی رہو گے۔
سعدون۔ آج میں آپ کو ایک بڑی سنسنی خیز خبر سنانے والا ہوں۔ اس خبر سے شہر کے لوگ اب تک ناواقف ہیں لیکن جب یہ مشتہر ہو گی تو ایک عجیب ہنگامہ کارزار برپا ہو جائے گا۔ کوئی روئے گا کوئی ہنسے گا۔ کہیں صف ماتم بچھے گی۔ کہیں بزم طرب قائم ہو گی۔
بہزاد۔ کیا وہ خلیفہ ہارون رشید کی موت کے علاوہ کوئی اور خبر ہے؟
سعدون۔ (دہشت زدہ ہو کر) کیا آپ اس خبر سے واقف ہیں آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟ اس خبر سے تو میرے سوا شہر کا کوئی آدمی بھی واقف نہیں۔ میں ابھی ابھی خراسان کے قاصد سے یہ خبر معلوم کر کے یہاں پہونچا تھا۔ مجھے حیرت ہے عقل کام نہیں کرتی کہ آخر یہ خبر کیوں کر آپ تک پہونچ گئی؟ خدا نے آپ کو وہ کونسی قوت عطا کی ہے جس سے آپ انجانی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔
بہزاد۔ یہ باتیں چھوڑو اگر کوئی اور خبر معلوم ہو تو بتاؤ۔
سعدون۔ اور خبر کیا ہو سکتی ہے آپ نے میری ساری کوششوں پر پانی

اس گفتگو کے دوران میں بہزاد کی آنکھیں میمونہ کے چہرے کا بار بار جائزہ لے رہی تھیں لیکن وہ بدستور شرم و حیا کی پتلی بنی ایک مجسمہ کی طرح بےحس و حرکت اور چپ چاپ کھڑی تھی اگر کہیں آنکھ اٹھا کر وہ بہزاد کو دیکھ لیتی تو نظر آ محسوس کرتی جیسے بہزاد کی آنکھوں سے تیر بیکان برس رہے ہیں۔ ونائیر انجان بنی کھڑی تھی۔ مگر بڑی توجہ سے بہزاد اور میمونہ کی کیفیات کی گہرائی تک پہونچنے کی کوشش کر رہی تھی اُسے میمونہ کے شرم و حجاب پر ذرا بھی حیرت نہیں تھی کہ یہ ایک فطری اور قدرتی چیز تھی۔ لیکن اس بات پر اُسے ضرور تعجب تھا بہزاد میمونہ سے تجاہل اور بے توجہی کیوں برت رہا ہے وہ اس راز کی تہہ تک پہونچنے کی جتنی جتنی کوشش کرتی تھی اتنا ہی اتنا یہ اور زیادہ گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ بہزاد کو آتا دیکھ کر اُس کا غلام سلمان دروازے کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ونائیر نے بہزاد سے دریافت کیا۔

آپ لوگ ابھی سلمان ہی کے بارے میں کچھ باتیں کر رہے تھے

ونائیر۔ ہاں وہ بڑا مسخرا ہے۔

بہزاد۔ لیکن وہ گیا کہاں؟

ونائیر۔ میں نے کہا نا بڑا مسخرا ہے دروازے کے پیچھے چھپا کھڑا ہے۔ کیا اسے بلاؤں؟

بہزاد۔ نہیں آپ تکلیف نہ کیجئے۔ تشریف رکھیئے۔ میں اب جاتا ہوں رات کافی آگئی ہے۔ کبھی وقت پھر انشاءاللہ حاضر ہوں گا۔

بہزاد باہر نکلا سلمان اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہ دونوں محل سے باہر نکل کر جب ایک محفوظ مقام پر پہونچے تو بہزاد نے سلمان سے مسکراتے

سعدون۔ لیکن کس کا کام ہے یہ؟

بہزاد۔ صرف ایک شخص کا اور اس کا نام ہے فضل بن ربیع۔

سعدون۔ حیرت ہے۔ ہارون کا وزیر اور اتنی بڑی بدعہدی

بہزاد۔ فضل انسان نہیں شیطان ہے۔ اُس نے بے گناہ جعفر کو قتل کرایا۔ اس نے بے گناہ مامون کی بیعت فسخ کرائی۔ سلطنت پہلے ہی ڈانواڈول ہو رہی ہے۔ اب اس کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی۔

بہزاد کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ اور آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔

سعدون بہزاد کا یہ رنگ دیکھ کر سہم گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "لیکن میرے آقا کیوں کر"؟

پھیر دیا۔ اتنے فخر اور ناز کے ساتھ ایسی اچھوتی خبر لے کر اکڑتا ہوا آپ کے پاس آیا تھا اور شاید آپ کو معلوم نہیں یہ خبر میں نے مول لی تھی۔

بہزاد۔ تم نے یہ خبر خریدی تھی؟

سعدون۔ جی ہاں سونے کی ایک ڈلی دے کر۔ افسوس کتنی کوشش کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت کر سکوں آپ کے کام آ سکوں لیکن کبھی بھی آپ کے کام نہ آسکا۔

اے خوں شدہ دل تُو تو کسی کام نہ آیا!

بہزاد۔ احمقانہ باتیں نہ کرو ہمیں تم سے کتنا فائدہ ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں یہ فائدہ کچھ کم ہے کہ تمہارے ذریعہ سے ہم آسانی سے معلوم کر لیتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات کا رخ کیا ہے۔ اندرونی طور پر کیا سازشیں ہو رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حسن پر تم نے جو اثر قائم کر لیا ہے اس کے باعث اس کے غنڈوں سے حسب ضرورت کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ان لوگوں سے اپنا میل جول قائم رکھو۔

سعدون۔ وہ تو میں رکھوں گا۔ لیکن میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ ایک ہارون رشید کی موت سے زیادہ اہم خبر ہے۔ وہ بھی آپ کو معلوم ہوگی؟

بہزاد۔ ہاں تم سچ کہتے ہیں میں جانتا ہوں۔

سعدون۔ تو بتایئے۔

بہزاد۔ لوگوں نے مامون کی بیعت ولی عہدی فسخ کر دی ہے۔

سعدون۔ یہ تو بڑی قیامت کی خبر ہے۔

بہزاد۔ ہاں اور دیکھنا اب کیسی قیامت برپا ہوتی ہے۔

بہزاد۔ ہارون جب خراسان کے سفر پر روانہ ہوا تو وہ سخت بیمار تھا لیکن اس نے اپنی بیماری کو چھپایا۔ صباح ہارون کا خاص مصاحب ہے مجھ سے اس نے کہا جب وہ خلیفہ کو رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اس کے اور ہارون کے درمیان حسب ذیل باتیں ہوئیں۔

ہارون۔ میں اب جا رہا ہوں میرے لئے دعا کرو میرا خیال ہے کہ میں اب زندہ واپس نہیں آسکوں گا میری تمہاری یہ آخری ملاقات ہے۔

صباح۔ خدا نہ کرے آپ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ ایک شخص نہیں پوری قوم ہیں آپ کی زندگی پوری قوم کی زندگی ہے۔

ہارون۔ تم نہیں جانتے میں کتنا بیمار ہوں اور میری حالت کتنی نازک ہے۔

صباح۔ واقعی میں نہیں جانتا آپ کتنے بیمار ہیں اور آپ کی بیماری کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن میرے آقا میں یہ بھی جانتا ہوں اور آپ کو بھی معلوم ہے کہ خدا نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اس کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ ہے۔

ہارون۔ اس نصیحت کی میں قدر کرتا ہوں لیکن میرے دوست حقیقت بہر حال حقیقت ہے اس سے انکار کرنا حماقت ہے بہادری کے ساتھ اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔

صباح۔ لیکن آپ کی بیماری کا علم شاید میرے اور آپ کے سوا کسی کو نہیں۔

ہارون۔ میں نے اپنی بیماری کی خبر پھیلنے نہیں دی۔ ملکی مصلحہ کا تقاضہ یہی تھا۔ لیکن جن لوگوں کو میری زندگی کے مقابلہ میں میری موت سے دلچسپی ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ میری بیماری اور اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔

صباح۔ یہ عجیب بات آپ نے ارشاد فرمائی — وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔

(۱۶)

اوپراوپر پھول کھلے ہیں بھیتر بھیتر آگ!

بہزاد نے درشتی اور نخوت کے عالم میں سعدون سے کہا۔
"جانتے ہو ہارون جب خراسان کے سفر پر روانہ ہوا تو مامون بھی اس کے ساتھ تھا؟

سعدون۔ جی ہاں یہ بات کسے نہیں معلوم؟
بہزاد۔ ہارون نے اپنے سارے لشکر سے اس امر پہ بیعت لے لی تھی کہ مامون خراسان کا گورنر ہوگا اور ہارون کے پاس جتنے زروجواہر ہیں یہ بھی مامون کی ملکیت ہوں گے۔
سعدون۔ میں نہیں جانتا لیکن آپ فرماتے ہیں تو سچ ہی ہوگا۔
بہزاد۔ ہارون نے اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کے لئے یکے بعد دیگرے خلافت کی بیعت لی تھی طے یہ ہوا تھا کہ امین خلیفہ ہوگا اور مامون اس کا ولی عہد۔
سعدون۔ بجا ارشاد فرمایا یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔

درمیان چوری چھپے نامہ وپیام کا سلسلہ جاری تھا جب کوئی نئی بات پیش آتی تھی یفضل فوراً اس کی اطلاع امین کو دیتا تھا۔ کچھ روز بعد امین نے چند خطوط ایک چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے اپنے ایک خاص ایلچی بکر کے ہاتھ روانہ کئے اور سخت تاکید کر دی کہ خبردار ان خطوں کا حال کسی قیمت پر بھی امیرالمومنین ہارون یا اور کسی شخص کو نہ معلوم ہو۔ البتہ جب امیرالمومنین کا انتقال ہو جائے تو بکس کھولا جائے۔ خطوط نکالے جائیں اور جو خط جس کے نام ہو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ بکر یہ خطوط کر بغیر کسی حادثہ سے دوچار ہوئے طوس پہونچ گیا۔ امیرالمومنین کا لشکر وہیں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ کیونکہ ان کا مزاج زیادہ ناساز ہو گیا تھا۔ انھیں جب بکر کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے اُسے بلایا اور دریافت فرمایا وہ کیوں آیا ہے؟ اُس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ کہنے لگا میں شہزادہ امین کا فرستادہ ہوں۔ انھوں نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کی خیریت مزاج کا مشاہدہ کر کے براہ راست انھیں اطلاع دوں۔ تاکہ ان کا بے قرار دل تسکین پائے۔ ہارون کو بکر کی اس بات کا یقین نہیں آیا اس نے پوچھا۔

کیا تم کوئی خط بھی اپنے ساتھ لائے ہو؟

بکر نے جواب دیا۔

نہیں امیرالمومنین میں کوئی خط اپنے ساتھ نہیں لایا۔

خلیفہ نے اُسے گھورا اور کہا۔

تو جھوٹا ہے سچ بتا۔

بکر نے جواب دیا۔

امیرالمومنین کے سامنے کوئی شخص جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

ہارون۔ میرے بیٹے امین اور مامون یہ دونوں میری اس طرح نگرانی کر رہے ہیں۔ جس طرح گدھ کسی قریب المرگ انسان کو چوکس ہو کر گھورتا ہے کہ یہ مرے اور وہ جھپٹے۔

صباح۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ افسوس افسوس۔

ہارون۔ میں تم سے غلط نہیں کہتا مامون کی طرف سے میرا دیرینہ خادم مسرور امین کی طرف سے میرا طبیب خاص جبرئیل اس کام پر مامور ہیں کہ میری سانس گنتے رہیں اور ایک ایک لمحہ کی خبر اپنے ہونے والے آقاؤں کو پہنچاتے رہیں۔

صباح۔ کچھ بھی ہو مجھے یقین ہے آپ زندہ رہیں گے اور میری دعا ہے کہ مدت دراز تک ملت اسلامیہ آپ کے زیر سایہ ترقی اور عروج کے منازل طے کرتی

بہزاد۔ اس گفتگو کے بعد صباح واپس آگیا لیکن وہ میرا دوست اور رازداں ہے۔ مجھ سے اس نے کوئی بات نہیں چھپائی اور ساری کتھا آکر بیان کر دی۔

سعدون۔ جب کوئی بات آپ فرماتے ہیں تو میری حیرت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جو باتیں کسی کو نہ معلوم ہو سکیں وہ آپ کو بڑی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ جس راز تک کسی کی رسائی نہیں ہوتی۔ وہ سب سے پہلے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے۔

بہزاد۔ (مسکرا کر) تمھیں باتیں بنانا بہت آگئی ہیں۔

سعدون۔ اچھا یہ ارشاد فرمائیے فضل نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل کیا ہے۔

بہزاد۔ خراسان کے سفر میں فضل بھی اس کے ساتھ تھا۔ فضل اور امین کے

مشورہ دیا کہ ہمیں بغداد روانہ ہو جانا چاہیئے۔ اور اپنے آپ کو امین کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔ یہ کہتے کہتے بہزاد خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور برہمی کی کیفیت طاری تھی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

مامون سے دھوکا کیا گیا۔ مامون کو ولی عہدی سے محروم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اس کی ماں ایرانی ہے۔ اور یہ عرب ایرانیوں سے جلتے ہیں ان کے ہواخواہوں کا مفاد اسی میں ہے کہ عربوں کی پشت پناہی کریں اور غیرعرب لوگوں کو ذلیل کریں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ مامون تنہا نہیں ہے ہمارا ایران اس کی پشت پر ہے۔ اور وہاں کا ایک ایک بچہ اُس کے پسینہ پر اپنا خون بہا دے گا۔

بہزاد کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ اُس کا چہرہ وفور غضب سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ لیکن بہت جلد اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ سعدون نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

لیکن میرے آقا اب کیا ہو گا؟

بہزاد۔ مامون کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔ اس کے لئے خوف اور دہشت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ خراسان میں ہے۔ اور خراسان کا ایک ایک باشندہ اس پر اپنی جان قربان کر دے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے فضل بن سہیل اس کا رفیق اور دم ساز ہے۔ یہ اور زیادہ اطمینان بخش بات ہے۔ فضل بن سہل عجیب و غریب صلاحیتوں کا شخص ہے۔

سعدون۔ یہ بتلائیے اب ہمیں کیا کرنا ہو گا؟

بہزاد۔ میں تو اس وقت بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔

پھر ہارون کے حکم سے بکر کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ خلیفہ اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ اس نے حکم دیا۔ بکر کے کوڑے لگائے جائیں۔ اِس حکم کی تعمیل ہوئی۔ مگر وہ اپنے انکار پر قائم رہا۔ آخر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن ماردی جائے۔ اب تو وہ گھبرایا اور اس نے موت کے ڈر سے فضل کو اپنا ہم راز بنالیا اور کہا۔

"بےشک میرے پاس چند خطوط ہیں لیکن ابھی ان کے اعلان اور اظہار کا وقت نہیں آیا ہے۔" فضل نے خلیفہ سے بکر کی سفارش کی۔

وہ ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔ لوگ بکر کو چھوڑ کر خلیفہ پر ٹوٹ پڑے اس کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی گئی یہاں تک کہ انتقال ہوگیا۔ خلیفہ کے انتقال کے بعد فضل نے بکر سے وہ خطوط مانگے جو وہ لے کر آیا تھا۔ اس نے سارے خطوط فضل کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

ان میں سے ایک خط مامون کے نام تھا۔ جس میں درج تھا کہ امیر المومنین کا انتقال ہوگیا۔ سینہ کوبی اور آہ و ماتم سے کچھ حاصل نہیں تم میری بیعت لینے کا فریضہ فوراً انجام دو۔ دوسرا خط صالح کے نام تھا۔ اس میں لکھا تھا امیر المومنین کی وفات کے بعد تمہیں ترقی دی جاتی ہے۔ اور سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے فوج میں وفاداری کا قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔ اور یاد رکھو کہ تمہارا کوئی اقدام فضل کی رائے کے خلاف نہ ہو۔ تیسرا خط فضل کے نام تھا۔ اور اس میں مرقوم تھا۔ سارا زر و جواہر پوری احتیاط اور حفاظت کے ساتھ بغداد پہونچا دو۔ ان لوگوں نے خطوط پڑھ کر آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ اب ان لوگوں کے لئے ایک ہی راستہ کھلا تھا۔ یا تو مامون کی اطاعت کرتے جو مرد میں مقیم تھا یا بغداد واپس چلے جاتے اور امین کے مطیع بن جاتے۔ فضل نے سب کو

سعدون۔ کیا مجھے آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟
بہزاد۔ نہیں تنہا جانے میں مصلحت ہے۔ اور یہ مصلحت بعد میں تمہیں معلوم ہو جائے گی۔
سعدون۔ بہت بہتر آپ جہاں جانا چاہتے ہیں تشریف لے جائیے میں بھی اپنے کام پر جاتا ہوں۔
بہزاد۔ کون سا کام؟ کہاں جاؤ گے؟
سعدون۔ وہی جسے ناتمام چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور یہاں آکر مجھے یقین ہو گیا آپ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔
بہزاد۔ مجھے غیب دانی کا دعویٰ نہیں مجھ میں اور دوسرے لوگوں میں فرق یہ ہے کہ وہ بے جانے بوجھے اول فول بکتے رہتے ہیں۔ اور میں کامل تحقیق کے بعد زبان کھولتا ہوں۔ اور تول تول کر بولتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جو آدمی اپنے عزائم چھپا نہیں سکتا وہ ناکام رہتا ہے۔ ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے اغراض و مقاصد کا چرچا شروع کر دیتے ہیں۔
سعدون نے بہزاد کی یہ باتیں بڑی توجہ سے سنیں پھر کہا۔
اب اجازت چاہتا ہوں۔ انشا اللہ کل اسی وقت اور یہیں ملاقات کروں گا اور اپنی کارگزاری سے آپ کو باخبر کر دوں گا۔ بشرطیکہ وہ بات پہلے ہی سے آپ کو معلوم نہ ہو گئی ہو۔ یا آپ خود اُسے انجام نہ دے چکے ہوں۔ خدا حافظ

---

(۱۷)

بہزاد!

بہزاد کے رخصت ہونے کے بعد وناٸیر زینب کے خواب گاہ میں پہنچی اور کہانی کہہ کر اسے سلانے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہ سو گئی تو وناٸیر عبادہ کے پاس واپس آئی میمونہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

بیٹی تمھیں بھی نیند آرہی ہو گی۔ چلو تمہارا بستر تیار ہے۔ ہم لوگ تو ابھی تھوڑی دیر باتیں کریں گے، تم کیوں ہلکان ہو، آرام کرو۔

میمونہ نے جواب دیا۔

بالکل نیند نہیں آتی۔ جب آئے گی بتا دوں گی۔

وناٸیر نے کھانا منگوایا اور عبادہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگی۔ کھانے کے دوران میں صرف ایک ہی ذکر اِن دونوں کی زبان پر جاری تھا اور وہ ذکر بہزاد کا تھا وناٸیر نے کہا۔

یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک ہی شخص یہاں عبداللہ ہے۔ اور مدائن میں بہزاد یہاں حکیم ہے اور وہاں کیمیاگر یہاں ایک سنجیدہ اور

یہی وجہ ہے کہ لوگ اُس کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا اُسے اگر فکر ہے تو بس ہم دونوں کی۔ اپنے گھر سے نکل کر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا ہے زیادہ دیر تو نہیں ٹھہرتا لیکن جتنی دیر بھی بیٹھتا ہے خوش رہتا ہے ہمیں خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے میری تو دلی دعا ہے خدا اس کی مرادیں پوری کرے اُسے پروان چڑھائے اُسے اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔ مجھے اُمید ہے میری دعا قبول ہوگی کیونکہ دل سے نکلی ہے اور دل سے نکلی ہوئی دعا خدا ضرور قبول کرتا ہے۔

دنانیر۔ آپ کی باتیں سن کر میرے دل میں بہزاد کی بڑی قدر پیدا ہوگئی ہے۔

عبادہ (فخر کے ساتھ) وہ ہے اسی قابل کہ اُس کی قدر کی جائے کونسی انسانی خوبی ہے جو اس میں موجود نہیں؟

متین انسان ہے اور وہاں ایک خوش اخلاق اور خوش اطوار شخص، یہاں اس کی کم گوئی کی یہ کیفیت ہے کہ دس باتوں کے جواب میں مشکل سے ایک بات کہتا ہے۔ اور وہاں ایک سر باغ و بہار نظر آتا ہے۔ ضرور اس میں کوئی اہم راز پوشیدہ ہے۔ میرے خیال میں تو یہ شخص خاصہ پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔

عبادہ۔ ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔ میں نہیں جانتی اس شخص کے دو رُخ کیوں ہیں۔ یہاں وہ عبداللہ اور وہاں بہزاد کیوں ہے۔ میں تو صرف ایک بات جانتی ہوں ہمارے لئے وہ فرشتہ رحمت ہے۔

دنانیر۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

عبادہ۔ اگر بہزاد نہ ہوتا تو آج میں نہ جانے کہاں ہوتی اور میری بچی کہاں ہوتی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ بہزاد ہی ہے جس نے ہمیں عزت اور آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقعہ بہم پہونچایا۔

دنانیر۔ واقعی یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یقیناً خدا اس نیک کام کا اُسے اجر دےگا۔

عبادہ۔ میرے تو رُوئیں رُوئیں سے دعا نکلتی ہے۔ اُسے دیکھ لیتی ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے غم اور کلفتیں جاتی رہیں، دل کا ہر زخم ٹھیک ہو گیا۔ وہ بھی آتا ہے تو سراپا بہار بن کر ذرا افسردہ دیکھ لیا تو کیا مجال ہے اس وقت تک ٹل جائے جب تک مجھے ہنسا نہ لے۔

دنانیر۔ میمونہ کا بھی بہت خیال رکھتا ہوگا۔

عبادہ۔ بہت زیادہ وہ میمونہ کا رواں بھی میلا نہیں دیکھ سکتا۔ اُسے دنیا جہاں سے کوئی کام نہیں۔ وہ دروازہ بند کئے اپنے گوشہ تنہائی میں بیٹھا رہتا ہے۔ خلقت کیا کہہ رہی ہے کیا کر رہی ہے اُسے کوئی سروکار نہیں۔

آتے ہی تمام صعوبتیں پریشانیاں آفات مصائب دکھ درد سب چیزیں اِس طرح ختم ہو گئیں جیسے ان کا وجود ہی نہ تھا۔ خطرات اب بھی منڈلاتے تھے۔ مصائب اب بھی آنکھ دکھاتے تھے مصیبتوں کی یورش اب بھی جاری تھی لیکن صرف ایک بہزاد کا ہونا ان سب کو اِس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح سورج کی چمک سے تیرہ و تار بادل چلے جاتے ہیں۔ کوئی کٹھن وقت ایسا نہیں گزرا کہ بہزاد نے آکر اُسے آسان نہ بنادیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ بہزاد کا ذکر سن کر یمونہ اپنے آپ کو بھول جاتی وہ چاہتی تھی یہ ذکر ہر وقت اس کے سامنے ہوتا رہے۔ یہ داستان جمیل کبھی ختم نہ ہو۔

بہزاد کا جب تذکرہ ہوتا تو نہ جانے کیوں یمونہ یوں محسوس کرتی۔

"خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا"

اس نے اب تک کسی سے محبت نہیں کی نہ کسی عاشق سے اسے پالا پڑا تھا۔ وہ محبت کی رنگینی اور سرمستی سے ناواقف تھی۔ اس کے منہ سے آج تک کوئی ایسا قول نہیں نکلا تھا جو اس کی محبت پر دلالت کرتا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں بہزاد کا نام سن کر اُس کے چہرے پر سُرخی دوڑ جاتی اس کے کان کی لویں تمتما اُٹھتیں۔ اُس کا دِل نہایت زور سے دھڑکنے لگتا۔ وہ بے کل ہو جاتی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اب کیا کرے اُسے اب تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ اسی کیفیت کا نام محبت ہے۔ پھر بھی اپنی اِس کیفیت کو محسوس کر کے خود بخود شرما جاتی جیسے اُس نے کوئی جرم کیا ہے اور دنیا کی نگاہیں اُس کی نگرانی کر رہی ہیں۔

اور جب کبھی بہزاد کا اور اُس کا آمنا سامنا ہو جاتا تو اس کی حالت اور زیادہ قابل رحم ہو جاتی اس کی قوت گویائی ختم ہو جاتی اس کی آنکھیں خود بخود جھک جاتیں اور اُس کے بدن میں لرزش سی پیدا ہو جاتی۔ جب کبھی وہ اپنے محبت کے چور

(۱۸)

خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا!

دنانیر اور عبادہ کی باتیں خاموشی کے ساتھ میمونہ سن رہی تھی۔ عبادہ کی زبان سے بہزاد کی تعریف میں جو کلمات نکل رہے تھے وہ ایسا محسوس کرتی تھی جیسے یہ اس کے دل کی آواز ہے۔ بلکہ اس کا جی چاہتا تھا عبادہ بہزاد کی تعریف میں زبان اور بیان کا اور زیادہ زور صرف کرے۔ بہزاد کی تعریف میں عبادہ نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا لیکن وہ چاہتی تھی یہ داستان جتنی زیادہ طویل ہوسکتی ہے اُسے اتنا ہی زیادہ طول دیا جائے۔ وہ کم و بیش ۱½ سال سے بہزاد کو جانتی تھی اس ۱½ سال کی مدت میں اس نے بہزاد کا جو روپ دیکھا تھا وہ کتنا دل آویز تھا۔ یہ ایک اجنبی شخص تھا جسے اس سے یا اس کے خاندان سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن وہ ایک شریف، ہمدرد اور اعلیٰ ظرف انسان کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ اس نے ایک ایسے خاندان کو سہارا دیا جس کے ... کی تعداد حد شمار سے خارج تھی۔ اور جس کے دوست اتنے بھی نہیں تھے کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے لیکن یہ شخص نور کا پتلا بن کر غم کے اندھیرے میں آیا پھر ...

کو خود بگڑنی تو دل کو یہ سمجھا کر دھوکا دینے کی کوشش کرتی ہیں بہزاد کا اتنا خیال اس لئے کرتی ہوں کہ وہ میرا محسن ہے۔ اور وہ میرا لحاظ اس لئے کرتا ہے کہ میں بے بس اور قابل رحم ہوں۔ محبت کا لفظ نہ آج تک میری زبان سے نکلا ہے نہ اس کی زبان سے محبت کا اظہار جس طرح میں نے اب تک نہیں کیا۔ اسی طرح بہزاد کے لب بھی خاموش ہیں۔ اس نے بھی کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے اشارۃً بھی عشق اور محبت کا اظہار ہوتا۔ لہٰذا ہم دونوں کا ربط اور تعلق صرف انسانیت کی بنا پر ہے۔ عشق اور محبت کی کار فرمائی کو اس ربط اور تعلق میں کوئی دخل نہیں۔

---

(۱۹)

لگاؤ اور لگاوٹ!

رات کافی گذر چکی ہے دنانیر اور عبادہ سر جوڑے باتیں کئے جا رہی ہیں۔ میمونہ خاموش بیٹھی ہے۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور بہزاد سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ سفری لباس پہنے تھا جسے دیکھ کر دنانیر چونکی۔ اس نے کہا۔ کیا آپ کہیں باہر سفر پر جا رہے ہیں ـــــ؟ اور اتنے نا وقت؟ اب؟

بہزاد۔ ہاں ایک بہت ضروری کام سے باہر جانا پڑ رہا ہے۔

دنانیر۔ لیکن اس وقت؟ اتنی رات گئے؟

بہزاد۔ ضرورت وقت کی پابند نہیں ہوتی میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن مجبوراً جا رہا ہوں۔

دنانیر۔ اچھی مجبوری ہے واپسی کب تک ہو گی؟

بہزاد۔ انشاءاللہ پرسوں واپس آجاؤں گا۔

عبادہ اور میمونہ اب تک خاموش تھیں۔ جب عبادہ نے بہزاد کو بالکل پا بہ رکاب دیکھا تو کہا۔

بہزاد نے ایک قہقہہ لگایا۔ دنانیر اور عبادہ بھی ہنسنے لگیں میمونہ کے خوبصورت ہونٹوں پہ بھی تبسم کی ایک لہر دوڑ گئی پھر بہزاد نے میمونہ سے کہا۔

"شہزادی زینب سے تم اس قدر جلد گھل مل گئیں کہ حیرت ہوتی ہے۔"

میمونہ نے کوئی جواب نہ دیا مسکرانے لگی۔

بہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا شہزادی زینب سے میری سفارش کر دو گی؟

میمونہ کا جواب صرف ایک جانفزا تبسم تھا۔

اس گفتگو کے بعد بہزاد پھر اپنی فطری سنجیدگی پر آگیا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ جیسے اس نے کسی طرح کی گفتگو کی ہی نہیں۔

اس کے جانے کے بعد دنانیر نے کہا۔

اس شخص کی مصروفیت بھی نہ جانے کس غضب کی ہے۔ ہمیشہ کسی نہ کسی فردی کام میں مصروف اور منہمک رہتا ہے۔

عبادہ نے کہا۔

"ضرور کوئی خاص پریشانی لاحق ہے ہر وقت متفکر پریشان اور افسردہ نظر آتا ہے اتنی مدت میں آج پہلی مرتبہ میں نے اسے ہنستے اور مسکراتے دیکھا وہ بھی ذرا دیر کے لئے!"

لیکن میمونہ کی اس وقت کیفیت ہی کچھ اور تھی جس انداز میں بہزاد نے آج اس سے باتیں کیں تھیں ان میں شوخی تھی لگاؤ تھا بے تکلفی تھی اپنایت تھی اور گو ڈیڑھ سال کی اس مدت میں آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس طرح کھل کر اس نے باتیں کی ہوں۔ یکایک نہ جانے کیوں۔ وہ مسکرانے لگی اور خود بخود شرما کر اس نے سر جھکا لیا ایک عرصہ سے وہ جس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی آج

بیٹا جلد آ جانا انتظار رہے گا!

بہزاد نے مصافحہ کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اطمینان رکھئے انشاء اللہ جلد واپس آ جاؤں گا۔

پھر وہ دنانیر سے مخاطب ہوا اور کہا۔

"میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ جب تک ہماری خالہ یہاں رہیں ان کی خاطر داشت میں کسی طرح کی کمی نہ آنے پائے لیکن یہ میں کس سے کہہ رہا ہوں۔ آپ دونوں میں اتنے گہرے تعلقات ہیں کہ میرا کچھ کہنا خواہ مخواہ کی مداخلت ہے۔"

بہزاد کو دیکھتے ہی میمونہ نے فرط حیا سے اپنا سر جھکا لیا اس کا بے قابو دل پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بہزاد کو رخصت کرتے ہوئے وہ بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن کہہ نہ سکی۔ بصرف مطلب زبان تک آیا لیکن ادا نہ ہو سکا۔ دل میں ایک طوفان امنڈ رہا تھا لیکن زبان پر مہر لگی تھی۔ عبادہ سے مصافحہ کرنے کے بعد بہزاد نے اپنا ہاتھ میمونہ کی طرف بڑھایا۔ میمونہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ بہزاد محسوس کر رہا تھا اس نرم اور نازک ہاتھ میں ایک عجب طرح کی لرزش ہے جس کا تعلق جسم کی کمزوری سے نہیں دل کی کمزوری سے ہے پھر وہ دنانیر سے کہنے لگا۔

"میرا جی چاہتا تھا کہ ممو کے متعلق بھی آپ کو تاکید کرتا لیکن میں نے سوچا ان کی خاطر داری کے بارے میں مجھے شہزادی زینب سے کہنا چاہئے تھا۔ لیکن ان سے کچھ کہنے کی ضرورت یوں نہیں محسوس ہوتی کہ ممو اور شہزادی میں اتنی مختصر مدت کے اندر گہرے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے ہیں کہ میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اگر میرا کبھی کوئی کام رکے تو ممو سے سفارش کراؤں گا۔ اور یقیناً شہزادی زینب فوراً مان جائیں گی!"

(۲۰)

غنڈوں کا اڈہ!

سعدون کے دو نام ہیں۔ بہزاد اسے سلمان کہہ کر پکارتا ہے اور شہر میں وہ سعدون کے نام سے معروف ہے۔ در حقیقت وہ اپنے آقا بہزاد کا جاسوس اور اہل کار ہے۔ شہر میں وہ لوگوں سے ملتا ہے جن حلقوں میں بیٹھتا ہے۔ جہاں کہیں بھی آتا جاتا ہے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے خیالات اور تأثرات سے واقفیت پیدا کرے۔ اور اپنے آقا کو بے کم و کاست ان کی اطلاع دے۔ ذاتی طور پر نہ وہ نجوم سے واقف تھا نہ رمل سے نہ کیمیاگر تھا نہ ساحر بہزاد یہ سب کچھ تھا اور بہزاد سے سُنی ہوئی باتیں موقع موقع سے دوسروں کے سامنے بیان کر کے اپنی شخصیت کا سکہ جمالیتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر تھے ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر نام غنڈوں کے سردار حسن کا تھا۔

سمعان کی سرائے میں جب سعدون نے حسن کو سونے کی ڈلی دے کر اپنی کیمیاگری کا جو سکہ بٹھایا اور پھر فوراً ہی بعد قاصد کی صورت دیکھتے ہی ہارون

خود بخود دور ہو گئی۔ ایک بہت بڑا بوجھ ٹل گیا۔ چند بے تکلف الفاظ میں دنیا بدل گئی۔ اب تک جو اجنبیت تھی اس کی جگہ اپنایت اور محبت نے لے لی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کچھ اور کیفیت تھی اور اب کچھ اور محبت کی دنیا اسی طرح بدلتی اور بنتی رہتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد دتانیہ اُٹھی اس نے پیار سے میمونہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"بہت رات آگئی چلو اب سو رہو —— باتوں باتوں میں اتنی رات گذر گئی اور پتہ بھی نہیں چلا (عبادہ سے مخاطب ہو کر) آپ بھی بہت تھک گئی ہیں آرام کیجئے آئیے!"

آشنا تھا کہا۔
علامہ صاحب آپ تو خفا ہو گئے؟
سعدون۔ تو اور کیا کروں مجھے بلایا اور خود غائب یہ بھی کوئی انسانیت ہے۔
پہرہ دار۔ لیکن سنئے تو علامہ صاحب۔
سعدون۔ میں بیکار قسم کی باتیں نہیں سنتا ۔۔۔ معذرت کر گئے ہوں گے لیکن کہہ دینا میں نے کان پکڑے اب نہیں آنے کا۔
پہرہ دار۔ معذرت نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے کہ آپ کا انتظار کرتے کرتے ایک ضروری کام سے ذرا دیر کے لئے باہر جا رہے ہیں۔ ابھی آتے ہیں۔
سعدون۔ یہ بات کتنے گھنٹے پہلے کہی تھی۔ پہلے یہ بتاؤ۔ پھر ہم کہیں گے کچھ!
پہرہ دار۔ (ہنستے ہوئے) حد ہے بدگمانی کی مشکل سے چند لمحے گذرے ہوں گے۔ تشریف رکھئے بس وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔
سعدون۔ تشریف کہاں رکھیں، ؟ کیا تمھارے ساتھ کھڑا ہو کر میں بھی پہرہ دینے لگوں۔
پہرہ دار۔ نہیں میرے سرکار اندر تشریف رکھئے۔
سعدون اس آدمی کے ساتھ عمارت کے اندر داخل ہوا باہر کے مقابلہ میں اندر سے یہ عمارت اور زیادہ شاندار تھی۔ دروازے سے گذر کر صحن کو طے کرتے ہوئے یہ لوگ ایک وسیع اور کشادہ ہال میں پہنچے۔ نہایت اعلیٰ درجے کے قالین فرش پر بچھے ہوئے تھے۔ چھت میں کئی قیمتی فانوس اور جھاڑ روشن تھے۔ مختلف اطراف میں چوکیاں اور مسندیں سلیقہ اور قرینے سے رکھی تھیں۔ ایوان کی ہر چیز سے شان امارت ہویدا تھی۔ سعدون کو یہ تو اندازہ تھا کہ غنڈوں کے گروہ کے پاس کافی دولت ہے لیکن اس کا

کی خبر وفات سنا کر اپنے ماہر نجوم ہونے کی جو ڈھاک بٹھائی اس نے واقعی حسن کو اس کا حد درجہ عقیدت مند بنا دیا چنانچہ یہ طے ہوا تھا کہ رات کو وہ حسن کو اس کے اڈّے پر ملاقات کرے گا۔ اس قرار داد کے مطابق بہزاد کو رخصت کرنے کے بعد وہ سیدھا حسن کے اڈّے پہونچا۔ یہ اڈّہ حربیہ کے پیچھے واقع تھا۔ رات نصف سے زیادہ گذر چکی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں پر ست خواب تھے البتہ چوکیدار آواز لگاتے ہوئے اپنی گشت میں مصروف تھے اور اگر کوئی ایسا آدمی نظر آتا جو اپنی چال ڈھال وضع قطع سے مشکوک قسم کا ہوتا تو فوراً اُسے روکتے اور اس وقت تک آگے جانے کی اجازت نہ دیتے جب تک اطمینان نہ ہو جاتا کہ یہ کوئی اوباش اور آوارہ گرد نہیں ہے۔ سلمان ایسی اطمینان کی چال چل رہا تھا کہ اس پر کسی چوکیدار سپاہی کو شبہ نہیں ہوا اور وہ نہایت بے فکری سے اپنا راستہ طے کرتا ہوا غنڈوں کے اڈّے پر پہنچ گیا۔

یہ ایک بلند و بالا خوبصورت اور خوش نما عمارت تھی دروازہ پر دو آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ انھوں نے سعدون کو پہچان لیا۔ اس نے پوچھا۔

"کیا میں اندر جاؤں؟ سردار حسن موجود ہیں؟

ایک پہرہ دار نے کہا۔

نہیں وہ موجود تو نہیں ——

سعدون نے تلخی کے ساتھ کہا۔

(منہ بنا کر) موجود نہیں ہیں پھر بلایا کیوں تھا کیا میں نوکر ہوں۔ جو ان کے پیچھے دوڑتا دوڑتا پھروں؟

پہرہ دار نے جو سعدون سے واقف اور اس کے عادات و اطوار سے

(۲۱)

سکتہ!

بڑی دیر تک سعدون حسن کے ایوان میں بیٹھا اُس کا انتظار کرتا رہا جب کسی طرح وہ آتا دکھائی نہ دیا تو سوچا کہ واپس جانا چاہیئے۔ کیونکہ رات نصف سے زیادہ گذر چکی ہے۔ واپس جانے کے لئے دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ حسن اندر داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک اور خوبصورت اور کشیدہ قامت نوجوان تھا۔ حسن نے سعدون سے کہا۔

"معاف کیجئے گا بہت دیر تک انتظار کرنا پڑا"۔

(نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ میرے عزیز دوست حمید ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ علی بن عیسٰی کوتوال شہر سے یہ بھی ملاقات کریں۔ چنانچہ اس لئے میرے ساتھ آئے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلتے ہیں؟

سعدون۔ مجھے کوتوال صاحب سے نیاز حاصل کرنے کا چنداں شوق نہیں میں ایک گدائے گوشہ نشیں وہ حاکم شہر بھلا ہم دونوں میں کونسی چیز مشترک ہوسکتی ہے۔ آپ کے کہنے میں آ گیا تھا اگر آپ کہیں گے تو چلا چلوں گا۔

وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اِس شان اور ٹھاٹ کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اطمینان سے ایک مسند پر بیٹھ گیا۔ پہرہ دار تو چلا گیا۔ اور سعدون کمرے کی چیزوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے لگا۔ اس نے دیکھا ہال کی دیوار طرح طرح کے ہلاکت خیز اور خوف ناک اسلحہ اور ہتھیاروں سے سجی ہوئی ہے نہایت ہی قیمتی اور زبردست دھار رکھنے والی تلواریں، کمان، نیزے، ترکشی، دیوار کی زینت بنے ہوئے تھے یہی نہیں دیواروں کو توڑنے اور آگ برسانے والا آلہ منجنیق بھی کافی تعداد میں رکھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں لکڑی کے بڑے تختے بھی موجود تھے جن کے ذریعہ آسانی کے ساتھ نہر وں کو عبور کیا جا سکتا تھا۔ رسّی کی لمبی لمبی بہت سی سیڑھیاں بھی رکھی تھیں۔ جن کی مدد سے آن کی آن میں اونچی سے اونچی دیوار پر چڑھا جا سکتا ہے تیز اور بھی طرح طرح کے جان لینے اور خون بہانے والے ہتھیار اور آلے موجود تھے یہاں سب چیزوں کو دیکھ کر سعدون سہم گیا!

اسی طرح کی باتیں کرتے یہ لوگ کوتوال کی حویلی تک پہنچ گئے دروازے پر کئی دربان چوکس بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔حسن اس حویلی میں اکثر آتا جاتا تھا اس کا شمار کوتوال صاحب کے مقربین بارگاہ میں ہوتا تھا۔چنانچہ کسی نے بھی روک ٹوک نہیں کی۔اور اپنے ساتھیوں کو لے کر صحن طے کرتا ہوا ایک بڑے دالان کے سامنے جس کے دروں پر پردے لٹک رہے تھے۔ پہنچ گیا۔ایک دربان یہاں موجود تھا۔اس نے بڑھ کر تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا حسن نے پوچھا۔

کیا کوتوال صاحب تشریف رکھتے ہیں؟

دربان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنی رات گذر گئی۔ساری خلقت سو چکی ہے لیکن وہ آپ کے انتظار میں جاگ رہے ہیں۔جائیے تشریف لے جائیے۔

حسن ہنستا ہوا آگے بڑھا۔پردہ اُٹھا کر اس نے حمید سے کہا۔

تم یہیں بیٹھو بعد میں طلب کر لیا جائے گا۔پھر سعدون سے مخاطب ہو کر کہا تشریف لائیے۔

سعدون جب ہال میں پہونچا تو اس نے دیکھا ایک زر کار مسند پر علی بن عیسٰی کوتوال شہر بیدار کا مجسمہ بنا بیٹھا ہے اُس کے داہنے بائیں دو آدمی اور تھے ان میں ایک شخص نہایت انہماک سے مصروف گفتگو تھا جیسے کوئی نہایت اہم خبر بیان کر رہا ہو ۔سعدون نے اس کو غور سے دیکھا تو فوراً پہچان لیا یہ وہی قاصد ہے جس کو اُس نے سمعان کی سرائے میں دیکھا تھا اور جس نے حسن کو ہارون رشید کے حادثۂ وفات سے آگاہ کیا تھا۔دوسرا آدمی ایک جوان العمر شخص تھا ۲۵-۲۶ سال کی عمر ہوگی لباس فاخرہ میں

ورنہ کافی رات گذر چکی ہے واپس چلا جاؤں گا۔
حسن۔ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ اگر آپ نہ گئے تو مجھے اور کوتوال صاحب دونوں کو مایوسی ہوگی۔ وہ آپ سے ملنے کے بے حد مشتاق ہیں۔
سعدون۔ بہتر ہے آپ کا اصرار ہے تو چلا چلوں گا۔
حمید۔ لیکن خدا کے لئے میرا کام جس طرح بھی ہو آج کرا دیجئے۔ بیکاری اور بے روزگاری نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔
حسن۔ میں نے کوتوال صاحب سے تمہارے لئے وعدہ لیا ہے۔ وہ تمہیں شاہی ڈاک کے محکمے میں ملازم رکھ لیں گے۔ پھر ٹھاٹ کی زندگی بسر کرنا بیکاری اور بے روزگاری کی کلفت دور ہو جائے گی۔
حمید۔ آپ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ شروع سے اب تک آپ کا ممنون احسان ہوں۔ لیکن یہ آخری احسان ایسا ہوگا جو میری زندگی سنوار دے گا۔ میں تو چاہتا تھا کہ مجھے اپنی جماعت میں شامل کر لیتے تاکہ آپ کی خدمت کا حسب دلخواہ موقع ملتا۔
حسن۔ ہماری جماعت کا دروازہ تمہارے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ جب چاہو داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن میرے عزیز یہ خطرے کی زندگی ہے اس جماعت میں تو وہی لوگ شریک ہوتے ہیں جو ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوں۔ جان ہتیلی پر رکھے رہتے ہیں۔ خطرات و آفات کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا تم ایسی زندگی اختیار کرو۔ ابھی نوجوان ہو، سکون اور عافیت کے ساتھ دنیا کو دیکھو۔ اسے نبھاؤ اور برتو۔
حمید۔ میں نے تو اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی ہے۔ جو حکم ہو۔

یہ ہیں علامہ سعدون؟ بہت خوب بہت خوب۔
حسن۔ جی ہاں دیکھئے کتنی دل آویز شخصیت ہے علامہ کی۔
علی بن عیسیٰ۔ بے شک اس وقت میرے پاس ایک بہت ہی اہم خبر آئی ہے۔
حسن۔ اُس کا حال علامہ سعدون کے سوا کسے معلوم ہو سکتا ہے؟
علی بن عیسیٰ۔ یعنی وہ خبر جس کا میں نے ابھی ذکر نہیں کیا۔ علامہ صاحب کے علم میں ہے؟
حسن۔ یقیناً آپ ابھی تجربہ کر سکتے ہیں۔
علی بن عیسیٰ۔ تو بتائیے علامہ صاحب وہ کیا خبر ہے جو ہمارے لئے غیر معمولی اہمیت کا پیغام بن کر آئی ہے؟
سعدون۔ آپ کے سوال کا جواب ضرور دوں گا لیکن قبل اس کے کہ جواب دوں۔ ایک بات کو گوش گذار کر دینا چاہتا ہوں۔
حماد۔ فرمائیے فرمائیے ہم آپ کی ایک نہیں دس باتیں سنیں گے۔ اور سردار حسن نے ہم سے جیسی آپ کی تعریف کی ہے اگر آپ ویسے ہی ثابت ہوئے تو مالا مال کر دیں گے۔
سعدون۔ علم بیچا نہیں جاتا میرے محترم!
علی بن عیسیٰ۔ آپ تو خفا ہو گئے کچھ فرما بھی تو رہے تھے وہ کیا بات تھی جو کہنا چاہتے تھے آپ؟
سعدون۔ عجیب اتفاق ہے میں یہی بات کہنا چاہتا تھا جو ابھی میں نے عرض کی علم فروخت نہیں کیا جاتا میرے پاس علم ہے آپ اُس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ میں کسی قسم کا بخل نہیں کروں گا مجھ پر پابندیاں نہ لگائیے میرا امتحان نہ لیجئے۔ مجھے خریدنے کی کوشش نہ کیجئے۔ صرف اسی

ملبوس اور عطر سے نہایا ہوا یہ بھی بڑی توجہ اور انہماک سے قاصد کی باتیں سن رہا تھا۔ سعدون نے اِسے بھی پہچان لیا۔ یہ فضل بن ربیع کا بیٹا حماد تھا۔ لیکن یہ دونوں یعنی قاصد اور حماد سعدون سے بالکل ناواقف تھے اگر جانتے تھے تو صرف اتنا کہ حسن اس کی غیب دانی کا چرچا کرتا رہتا ہے۔

علی بن عیسیٰ ایک اُدھیڑ عمر کا شخص تھا۔ بالوں کی سفیدی کو خضاب سے دور کرتا تھا۔ لیکن اس کی آرزوئیں جوان تھیں اور غرور نخوت پندار اور خود پسندی مزاج میں رچی ہوئی تھی۔ یہ شخص خلیفہ منصور کے وقت سے اب تک سرکاری خدمت پر مامور چلا آرہا تھا۔ ہارون کی بیماری نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ یہ اِس فکر میں تھا کہ معلوم کرے۔ خلافت امین کے ہاتھ آئے گی یا مامون کے کیوں کہ اِس کے مستقبل کا انحصار بھی بڑی حد تک اِس مسئلے پر تھا۔ حسن علی بن عیسیٰ کی اس کمزوری سے واقف تھا۔ اس نے خوب بڑھا چڑھا کر سعدون کی تعریف کی اتنی تعریف کی کہ کوتوالِ شہر اس کا نادیدہ مشتاق ہو گیا۔ اور بار بار حسن سے تقاضہ کرنے لگا کہ وہ سعدون کو لے کر آئے۔ حسن اس کی آتش شوق تیز کرنے کے لئے غلط وعدہ کرتا رہا۔ لیکن آج وہ آسے لے کر پہنچ ہی گیا حماد وقت گذاری کے لئے اکثر کوتوال کے پاس آیا کرتا تھا چونکہ ایک بڑے باپ یعنی وزیر سلطنت کا بیٹا تھا اس لئے کوتوال صاحب اُس کی خوشامد میں لگے رہتے تھے۔ حسن کو دیکھتے ہی علی بن عیسیٰ مرحبا کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور مصافحہ کے لئے بڑھا۔ حسن نے سعدون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہے وہ بزرگ شخصیت جس سے ملنے کے آپ عرصہ دراز سے متمنی تھے۔ کوتوال نے خندہ پیشانی کے ساتھ سعدون سے مصافحہ کیا۔ اور حسن سے کہا۔

(۲۲)

جادوگر

سعدون کے اِس انکشاف نے ساری محفل کو محوِ حیرت کر دیا علی بن عیسٰی اور حماد کے نظر میں اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی علی بن عیسٰی نے سعدون سے پوچھا کیا خلیفہ ہارون کی وفات کے علاوہ کوئی اور خبر بھی تمہارے علم میں ہے؟

سعدون۔ کیوں نہیں بہت سی خبریں میرے علم میں ہیں۔

علی بن عیسٰی۔ انھیں بھی نہ چھپائیے بتا دیجئے۔ بڑا کرم ہوگا۔

سعدون۔ لیکن میری ایک شرط ہے پہلے وہ سن لیجئے۔

علی بن عیسٰی۔ فرمائیے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔

سعدون۔ وقت سے پہلے اِن باتوں کا افشاء نہ ہو اپنے علم کی رُو سے جو کچھ معلوم ہے وہ بتا دوں گا لیکن آپ لوگ اِن باتوں کا کہیں چرچا نہ کریں خاص طور پر امیر المومنین امین کی خدمت میں یہ باتیں اس وقت تک ہرگز نہ لائی جائیں جب تک خود ہی وقت ان کو ظاہر نہ کر دے۔

حماد۔ آپ یہ تاکید تو کر سکتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے یہ باتیں نہ کہی جائیں

طرح میرا اور آپ کا نباہ ہو سکتا ہے ورنہ" تا بہ خیر شما بہ سلامت"

علی بن عیسٰی۔ ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ ہمارا مقصد ہرگز آپ کا دل دکھانا نہ تھا۔

سعدون۔ معافی چھوٹے بڑوں سے مانگتے ہیں آپ اپنے مرحوم آقا ہارون الرشید سے معافی مانگنے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہر کس و ناکس سے طلب عفو پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں!

سعدون کی یہ بات سن کر علی بن عیسٰی اور حماد پر سکتہ طاری ہو گیا۔

سعدون۔ میں نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ ہارون کا انتقال ہو گیا ہے۔
امین اس کی جگہ پر فائز ہو گیا۔

علی بن عیسٰی۔ لیکن میرا خیال ہے یہ بات جھگڑے سے خالی نہیں شہزادہ امین کے راستہ میں بہت سے پتھر حائل ہیں وہ اگر اپنے باپ کی جگہ پر خلیفہ تسلیم کر لئے جائیں تو بھی بے غل وغش اِس منصب پر فائز نہیں رہ سکتے۔ کچھ پابندیاں ہیں۔ اور اِن سب کی بجا آوری ان کے لئے ناگزیر اور لابدی ہے۔

سعدون۔ یہ آپ کا خیال خام ہے۔ محض واہمہ، سراسر تخیل۔

علی بن عیسٰی۔ یعنی؟ ـــ کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

سعدون۔ بہت صاف اور سیدھی بات جس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہونا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ امین کی خلافت طے ہو چکی راستے کے پتھر ہٹ گئے۔ جتنے شرائط عائد تھے اور جو پابندیاں لگائی گئی تھیں وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور بودی ثابت ہوئیں۔

سعدون کی اِن باتوں نے علی بن عیسٰی اور حماد پر ایک دہشت سی قائم کر دی اور یہ لوگ اِس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی یہ شخص بڑا کام کا ہے اور غیب کی باتیں جانتا ہے چنانچہ علی بن عیسٰی نے اس سے کہا۔
آپ کا مطلب یہ ہے کہ شہزادہ امین بلا شرکت غیرے مسند خلافت پر متمکن ہو گئے؟

سعدون۔ جی ہاں میرا مطلب یہی ہے۔

علی بن عیسٰی۔ لیکن کیوں کر؟ کچھ عجیب سی بات کہہ رہے ہیں آپ؟

سعدون۔ یہ حماد صاحب کے پدر بزرگوار فضل بن ربیع کی کارگزاری ہے،

لیکن اگر شہزادہ امین تک قبل از وقت آپ کی باتیں پہنچ جائیں گی تو سب سے زیادہ فائدہ آپ ہی کو ہوگا۔ وہ آپ کو اپنا مقرب بارگاہ بنالیں گے انعام واکرام سے مالا مال کردیں گے۔ آپ کو کسی بلند منصب پر فائز کردیں گے ـــــ بتایئے تو سہی وہ کیا بات ہے۔

سعدون۔ عجیب اتفاق ہے وہ بات سب سے زیادہ آپ ہی کے لئے اہم ہے اگر میرا خیال غلط نہیں ہے آپ وزیر سلطنت فضل بن ربیع کے صاحبزادے حماد ہیں۔

حماد۔ (بہت زیادہ حیران ہو کر) آپ کا خیال درست ہے۔ میرا نام حماد ہے میں وزیر سلطنت فضل بن ربیع کا بیٹا ہوں ـــــ بتایئے وہ کیا خبر ہے اب تو آپ سے عقیدت بڑھتی جارہی ہے۔

سعدون۔ اس خبر کا تعلق آپ کے والد ماجد سے ہے۔

حماد۔ (اور زیادہ پریشان ہو کر) آپ عجیب قسم کی باتیں کر رہے ہیں بہر حال جو کچھ معلوم ہے کہیئے میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ سچے ثابت ہوئے تو دربار میں آپ کی سرفرازی کا اہتمام فرمادیتے ہیں۔

سعدون۔ (مسکراتے ہوئے) یعنی آپ وعدہ کرتے ہیں کہ مجھے امیرالمومنین امین کا مورد الطیف وکرم بنادیں گے۔ واقعی یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے میرے لئے یہ اعزاز باعث فخر ہوگا۔ دنیا بیزاری اور جاہ ومنصب سے متنفر ہونے کے باوجود اس اعزاز سے بے نیاز ہونے کی جرأت میں اپنے اندر نہیں پاتا۔

علی بن عیسیٰ۔ تم شہزادے امین کو برابر امیرالمومنین کہے جارہے ہو حالانکہ ابھی تک ان کی حیثیت ولی عہد خلافت کی ہے۔

سعدون۔ میں نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ ہارون کا انتقال ہوگیا ہے۔
امین اس کی جگہ پر فائز ہوگیا۔

علی بن عیسٰی۔ لیکن میرا خیال ہے یہ بات جھگڑے سے خالی نہیں شہزادہ
امین کے راستہ میں بہت سے پتھر حائل ہیں وہ اگر اپنے باپ کی جگہ پر
خلیفہ تسلیم کرلئے جائیں تو بھی بے غل وغش اس منصب پر فائز نہیں
رہ سکتے۔ کچھ پابندیاں ہیں۔ اور ان سب کی بجاآوری ان کے لئے
ناگزیر اور لابدی ہے۔

سعدون۔ یہ آپ کا خیال خام ہے۔ محض واہمہ سراسر تخیل۔

علی بن عیسٰی۔ یعنی؟۔۔۔ کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

سعدون۔ بہت صاف اور سیدھی بات جس کے سمجھنے میں کوئی دشواری
نہ ہونا چاہیئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ امین کی خلافت طے ہوچکی
راستے کے پتھر ہٹ گئے۔ جتنے شرائط عائد تھے اور جو پابندیاں لگائی
گئی تھیں وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور بودی ثابت ہوئیں۔

سعدون کی ان باتوں نے علی بن عیسٰی اور حماد پر ایک دہشت سی
قائم کردی اور یہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی یہ شخص بڑا کام کا ہے
اور غیب کی باتیں جانتا ہے چنانچہ علی بن عیسٰی نے اس سے کہا۔
آپ کا مطلب یہ ہے کہ شہزادہ امین بلا شرکت غیرے مسند خلافت
پر متمکن ہوگئے؟

سعدون۔ جی ہاں میرا مطلب یہی ہے۔

علی بن عیسٰی۔ لیکن کیوں کر؟ کچھ عجیب سی بات کہہ رہے ہیں آپ؟

سعدون۔ یہ حماد صاحب کے پدر بزرگوار فضل بن ربیع کی کارگزاری ہے

لیکن اگر شہزادہ امین تک قبل از وقت آپ کی باتیں پہنچ جائیں گی تو سب سے زیادہ فائدہ آپ ہی کو ہوگا۔ وہ آپ کو اپنا مقرب بارگاہ بنالیں گے انعام واکرام سے مالا مال کردیں گے۔ آپ کو کسی بلند منصب پر فائز کر دیں گے۔۔۔۔۔ بتایئے تو سہی وہ کیا بات ہے۔

سعدون: عجیب اتفاق ہے وہ بات سب سے زیادہ آپ ہی کے لئے اہم ہے اگر میرا خیال غلط نہیں ہے آپ وزیر سلطنت فضل بن ربیع کے صاحبزادے حماد ہیں۔

حماد۔ (بہت زیادہ حیران ہوکر) آپ کا خیال درست ہے۔ میرا نام حماد ہے میں وزیر سلطنت فضل بن ربیع کا بیٹا ہوں۔۔۔۔ بتایئے وہ کیا خبر ہے اب تو آپ سے عقیدت بڑھتی جارہی ہے۔

سعدون۔ اس خبر کا تعلق آپ کے والد ماجد سے ہے۔

حماد۔ (اور زیادہ پریشان ہوکر) آپ عجیب قسم کی باتیں کررہے ہیں بہرحال جو کچھ معلوم ہے کہیئے میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ سچے ثابت ہوئے تو دربار میں آپ کی سرفرازی کا ہم ذمہ لیتے ہیں۔

سعدون۔ (مسکراتے ہوئے) یعنی آپ وعدہ کرتے ہیں کہ مجھے امیرالمومنین امین کا مورد الطیف وکرم بنادیں گے۔ واقعی یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے میرے لئے یہ اعزاز باعث فخر ہوگا۔ دنیا بیزاری اور جاہ ومنصب سے متنفر ہونے کے باوجود اس اعزاز سے بے نیاز ہونے کی جراءت میں اپنے اندر نہیں پاتا۔

علی بن عیسٰی۔ تم شہزادے امین کو برابر امیرالمومنین کہے جارہے ہو حالانکہ ابھی تک ان کی حیثیت ولی عہد خلافت کی ہے۔

علی بن عیسٰی۔ آپ کے فراہم کئے ہوئے معلومات ہمارے لئے ایک قابل قدر سرمایہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ باتیں کافی حد تک خطرناک بھی ہیں۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کو یہ طے کر لینا چاہیئے کہ اس مجلس کی ایک بات کا بھی باہر چرچا نہیں ہوگا۔

سعدون۔ آپ کی رائے بہت صائب ہے۔ میں نے تو شروع ہی میں یہ تاکید کر دی تھی۔

علی بن عیسٰی۔ اگر یہ باتیں سچی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ سچی ہیں تو میں آپ کو بارگاہ خلافت کے ایک بلند منصب کی بشارت دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر علی بن عیسٰی نے مسند کے نیچے ہاتھ ڈال کر درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی نکالی اور سعدون کے سامنے رکھ دی۔ سعدون نے تھیلی پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پوچھا۔

یہ کیا ہے؟

علی بن عیسٰی۔ ایک حقیر کا نذرانہ۔

سعدون۔ پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں علم کا کاروبار نہیں کرتا اپنا نذرانہ اپنے پاس رکھیئے مجھے اس کی ضرورت نہیں مجھے روپیئے کی کبھی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علی بن عیسٰی۔ آپ کا علم اتنا بڑا اور اتنا زیادہ ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت دے کر بھی وہ نہیں خریدا جا سکتا۔ لہٰذا اس طرح کا خیال بھی دل میں نہ لایئے اگر آپ نے یہ حقیر نذرانہ قبول نہ کیا تو میرے دل کو صدمہ پہنچیگا۔

سعدون نے بے پروائی سے جواب دیا۔

میں کسی کے دل کو بھی صدمہ پہونچانا نہیں چاہتا اور خاص طور پر آپ جیسے بڑے آدمی کو صدمہ پہونچانا اپنی شامت بلانا ہے لیکن اس کے ....

جو کچھ ہوا ہے ان ہی کے ہاتھوں۔
یہ سن کر علی بن عیسٰی اور حماد کے کان کھڑے ہوگئے اور دونوں نے بیک وقت اور بیک آواز سراپا اشتیاق ہوکر کہا۔
"خدا کے لئے تمہیں جو کچھ معلوم ہے سب بیان کر دو"۔
سعدون نے آنکھیں بند کر کے آموختے کی طرح وہ تمام باتیں دھرانا شروع کر دیں جو اس نے بہزاد سے سنی تھیں یہ باتیں سن کر حاضرین پر خاص کر حماد اور علی بن عیسٰی پر عجیب خود فراموشی کی کیفیت طاری ہوگئی فضل یعنی اپنے باپ کے کارنامے سن کر حماد کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس لئے کہ فضل کی یہ کامیابی نہ صرف اُس کے بہترین مستقبل کی ضامن تھی بلکہ حماد کے مستقبل کے لئے بھی فال نیک تھی۔ سعدون جب اتنی باتیں کر چکا تو حماد نے اس کی پیٹ تھپتپاتے ہوئے کہا۔
"تمہیں جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ واقعی بڑے باکمال آدمی ہو!"
علی بن عیسٰی نے کہا۔
جادوگر تم بہت بڑے منجم بہت عجیب انسان اور حیرت انگیز شخصیت کے مالک ہو بہت بڑے جادوگر!
حماد۔ علامہ سعدون آپ نے جو کچھ کہا کیا واقعی آپ نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ کہا ہے؟ یہ میں نے اس لئے پوچھا کہ آپ کی حیرت انگیز باتیں اب تک ایک راز ہی ہیں۔
سعدون نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ
میں نے جو کچھ عرض کیا وہ علم نجوم کی رُو سے اور آج تک کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ میرے علم نے مجھے دھوکہ دیا ہو۔

(۲۳)

نئے خلیفہ کا پہلا خطبہ!

آج کی صبح کتنی ہنگامہ آفریں اور قیامت خیز تھی رات ہی رات میں کتنا بڑا انقلاب آگیا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ لوگ حیرت تعجب اور افسوس کے ساتھ مختلف چوراہوں پر یہ اعلان سن رہے تھے کہ:۔

"امیر المومنین خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے اِس دنیا سے کنارہ کیا اور جنت الفردوس کی راہ لی۔"

ساتھ ہی ساتھ یہ اعلان ہو رہا تھا۔

"اب مسند خلافت پر خلیفۃ المسلمین امیر المومنین امین الرشید جلوہ فرما ہیں۔"

آج ہی قصر خلافت میں بڑے انتظام اور اہتمام کے ساتھ امین کی بیعت لینے کی تیاریاں جاری تھیں امراء ملک ارکانِ دولت، اربابِ سلطنت اور وزیر خلافت جوق درجوق ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ قصر خلافت کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ بیعت کا منظر دیکھنے کے لئے بچہ، بوڑھا، جوان، مرد، عورت، تندرست، بیمار، ہر شخص قصر خلد کی طرف رواں دواں چلا جا رہا

باوجود میں یہ گوارا کرلوں گا کہ آپ کے دل کو صدمہ پہنچے۔ لیکن اصول شکنی گوارا نہیں کر سکتا۔

سعدون کی ان باتوں نے علی بن عیسٰی کے دل میں اُس کی قدر و منزلت بہت زیادہ بڑھا دی وہ اب تک اُسے ایک پیشہ ور آدمی سمجھ رہا تھا لیکن اب وہ اتنا بڑا آدمی نظر آرہا تھا کہ باہمہ پندار و نخوت اپنے آپ کو اُس کے مقابلہ میں وہ ہیچ اور فرومایہ سمجھنے لگا اس گفتگو کے بعد سعدون اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

اب اجازت دیجئے۔ تقریباً ساری رات کٹ گئی۔ حماد اور علی بن عیسٰی نے بڑے احترام کے ساتھ اُسے رخصت کیا۔ دروازے تک یہ دونوں اُسے پہنچانے آئے علی بن عیسٰی نے حسن کا بھی بہت شکریہ ادا کیا کہ ایسے جوہر قابل کی ملاقات کرائی۔ دروازے پر پہنچ کر حسن نے حمید کا علی بن عیسٰی سے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

میں چاہتا ہوں قصر خلافت میں اسے کوئی معقول ملازمت مل جائے یہ ایک شریف اور قابل اعتماد آدمی ہے۔ بیکار اور آشفتہ روزگار ہے۔ قابل رحم اور قابلِ امداد ہے!

علی بن عیسٰی نے حمید سے کہا۔

کل صبح آجاؤ کوئی ملازمت مل جائے گی اچھی سی۔ حماد سعدون کے ساتھ ساتھ باہر آیا۔ اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"خلافت وغیرہ کے جھگڑے تو چلتے ہی رہیں گے۔ لیکن ایک ذاتی معاملہ ایسا ہے کہ حسن نے دن کا چین اور رات کی نیند اُڑا دی ہے۔ کسی وقت آپ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو دل کھول کر باتیں ہوں۔

سعدون نے خچر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر۔ جب کہیئے!"

بڑے انہماک اور توجہ سے دیکھ رہا تھا تتنے میں امین خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا۔ اس نے حمد و ثنا کے بعد کہا۔

آج میں پہلی مرتبہ آپ کے سامنے خلیفہ کی حیثیت سے خطبہ دیرہا ہوں میں آپ حضرات کا شکرگذار ہوں کہ آپ نے بغیر کسی اختلاف کے میری خلافت تسلیم کرلی۔ مجھے اپنی نازک اور گراں بار ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ ایک طرف اپنے شفیق اور سراپا محبت باپ کی یاد میرے دل کو بے چین کئے ہوئے ہے۔ لاکھ لاکھ ضبط کرتا ہوں لیکن آنسو اُمنڈے آتے ہیں۔ پھر مجھے ابوبکرؓ کے وہ الفاظ یاد آجاتے ہیں جو اُنھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر کہے تھے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ محمدؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن خدا باقی ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس پر کبھی موت طاری نہیں ہو گی۔ اس دنیا میں جو آیا ہے وہ ایک روز ضرور یہاں سے جائے گا۔ خوش قسمت ہے وہ جو اپنے ساتھ اچھّے اعمال کا توشہ لے آئے اور بدنصیب ہے وہ جس کے ساتھ برے اعمال ہمرکاب ہوں۔ مجھے یقین ہے میرا باپ، اچھے اعمال کا توشہ لے کر اس دنیا سے عالم آخرت کو سدھارا ہے۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے اپنے بزرگ نیک اور صالح باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنے فرائض دیانت کے ساتھ انجام دوں۔ میں مظلوم کا ساتھ دوں گا۔ ظالم کو سزا دوں گا۔ کمزور میرے دروازے سے واپس نہیں جائے گا۔ طاقتور میرے دربار میں بار نہیں پائے گا۔ میں حق کا ساتھ دوں گا۔ باطل کا مقابلہ کروں گا۔ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کا عروج میری زندگی کا مقصد ہے۔ لیکن یہ مقصد اُسی وقت پورا ہو سکتا ہے۔ جب ہم میں سے ہر شخص ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہو جائے۔

تھا۔ سعدون صبح سویرے ہی علی بن عیسٰی کے پاس پہنچ چکا تھا ایسے تو وہ بڑا گوشہ نشین تھا۔ لیکن آج کا ہنگامہ دیکھنے کے لئے وہ بھی نکل پڑا تھا۔

دربار کی شان اور سج دھج دیکھنے کے قابل تھی واقعی یہ منظر بہت ہی شاندار ناقابل فراموش تھا۔ عرب قبائل کے شیوخ خاندان بنی ہاشم کے ممتاز افراد ارباب دولت فوج کے سپہ سالار اور افسر شاعر ادیب مفتی عالم ہر طبقہ اور جماعت کے نمائندوں سے محل بھرا ہوا تھا۔ تخت خلافت پر نہایت دبدبہ کے ساتھ امین جلوہ افروز تھا۔ وہ ابھی بالکل نوجوان تھا۔ اس کی عمر مشکل سے ۲۲-۲۳ سال کی ہوگی۔ وہ انتہائی خوش شکل اور خوش اندام شخص تھا ساتھ ہی ساتھ تنومند اور تندرست بھی گورا گورا رنگ چھوٹی اور خوبصورت سحر طراز آنکھیں لا نبا قد چہرہ پر چیچک کے نشانات وہ خلافت کے لباس میں ملبوس تھا۔ سر پر مرصع عمامہ کاندھے پر یمن کی بنی ہوئی ریشمی چادر انگلی میں خلافت کی انگشتری پہنے ہاتھ میں عصا اس وضع قطع نے اس کے دبدبہ اور طنطنہ میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ سب لوگ صف بستہ سر جھکائے بیٹھے تھے کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ ایوان میں سناٹے کا یہ عالم تھا کہ اگر سوئی گرے تو اس کی بھی آواز سن لی جائے۔ اس وقت لوگوں پر عجیب وغریب جذبات طاری تھے۔ ایک طرف ہارون کا غم وفات رنج والم کی کیفیت طاری کئے ہوئے تھا۔ دوسری طرف سرور نشاط کی کیفیت طاری تھی۔ کیونکہ امین نے مسند خلافت پر قدم رکھا تھا۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے افراد نے تعزیت کے بعد امین کی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سلمان بن منصور نے وکیل خلافت کی حیثیت سے حاضرین سے بیعت لینا شروع کر دی۔

سعدون علی بن عیسٰی اور حماد کے پاس چپ چاپ کھڑا تھا۔ اور یہ منظر

جو پوری تابناکی سے چمک رہے ہیں!
ان میں سے ایک کی روشنی سے بغداد کا کونہ کونہ روشن ہے ــ!
اور وہ دسراطوس میں زیرلحد اپنی روشنی پھیلا رہا ہے۔

ابو نواس کے اس قصیدہ نے سارے دربار پر وجد و کیف کا عالم طاری کر دیا خود امین بھی بہت متاثر ہوا اس نے شاعر کا منہ موتیوں سے بھر دیا۔ اور اس کے جیب و دامن سیم و زر سے لبریز ہو گئے!

اس کارروائی کے بعد دربار برخاست ہو گیا۔ سعدون بھی لوگوں کے ساتھ واپس جانے لگا۔ لیکن حماد نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

کہاں تشریف لے چلے حضرت؟ چلئے میرے ساتھ غریب خانے پر دہیں اطمینان سے باتیں ہوں گی!"

سعدون اس وقت کسی اور فکر میں تھا اس نے کہا۔

خود میرا بھی جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ چلوں لیکن اس وقت ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں البتہ رات کو اگر کہیئے تو حاضر ہو سکتا ہوں!

حماد نے جواب دیا۔

آپ کے لئے ہر وقت فرصت ہے۔ رات کو سہی لیکن ضرور تشریف لائیے رصافہ میں میرا محل آپ جس سے پوچھ لیں گے بتا دے گا۔

مجھے آپ سب پر بھروسہ ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ہم سب خدا پر توکل کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کے طرف کامیابی کے ساتھ گامزن ہوں گے!"

امین کے اس فصیح و بلیغ خطبہ نے حاضرین پر جوش اور سرمستی کی عجیب کیفیت طاری کر دی اتنے ولولہ انگیز اور رُوح پرور خیالات کی کسی کو بھی اس سے توقع نہیں تھی۔ خطبہ ختم کرنے کے بعد اُس نے اعلان کیا کہ فوج اور پولیس کے تمام افسروں اور سپاہیوں کو ایک سال کی تنخواہ انعام کے طور پر تقسیم کی جائے۔

امین خطبہ دے کر جب اپنے تخت پر بیٹھا تو درباری شاعر ابونواس آگے بڑھا اس نے ایک فصیح و بلیغ قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ قصیدہ تعزیت اور تہنیت پر مشتمل تھا قصیدہ خاصہ طویل تھا لیکن لوگوں نے الفاظ کے طلسم سے مسرور ہو کر بیخودی اور مدہوشی کے عالم میں ایک ایک شعر پوری توجہ کے ساتھ سنا اس نے اپنے قصیدہ میں کہا تھا۔

ستاروں کی نحوست اور ارجمندی برابر کارفرما ہے—!

چنانچہ ہم غم سے بھی دوچار ہوتے ہیں اور خوشی سے بھی—!

آنکھ سے آنسو کے موتی اور لب سے ہنسی کے پھول جھڑتے ہیں—!

ہم نوحۂ و ماتم بھی کرتے ہیں اور جشن عشرت میں شرکت بھی—!

یہ جشن عشرت امین کی کامرانی اور سربلندی کے نتیجہ میں برپا ہوا ہے۔!

آنکھوں سے آنسو کے قطرے اِس لئے ٹپک رہے ہیں کہ رحیم و کریم آقا کی یاد کسی طرح بھی فراموش نہیں ہوتی۔

دو چاند ہیں!

نظر آئے۔ وہ زینب کا مزاج شناس تھا۔ اور زینب پر اُس کا اثر بھی بہت زیادہ تھا۔ اِس وقت وہ موجود ہوتا تو یقیناً زینب کی حالت ٹھیک ہو جاتی لیکن کمبخت ایسا غائب ہوا کہ کہیں پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اور کیفیت یہ تھی وہی زینب جو ہر وقت پھول کیطرح شگفتہ نظر آتی تھی۔ اب پیکر یاس والم نظر آرہی تھی۔ کھانا سامنے آتا' وہ ایک لقمہ بھی نہ کھاتی' ونائیرا ور عبادہ لاکھ لاکھ منت کرتیں گر وہ کھانا کھانے کے بجائے رونے لگتی اور اُسے روتا دیکھ کر عبادہ اور ونائیر کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپکنے لگتے

اسی محل میں ایک اور ہستی بھی تھی۔ جو سب سے الگ، اپنے حال میں کھوئی ہوئی تھی، یہ میمونہ تھی زینب کے حال زار پر اس کا دل ضرور کڑھتا تھا۔ لیکن ہارون کی وفات کا اُسے کوئی خاص غم نہیں تھا۔ محل میں جو ہلچل مچی تھی اِس سے بھی وہ قطعاً بے تعلق تھی وہ اپنے حال میں مگن تھی۔ اُسے صرف ایک فکر تھی۔ بہزاد کہاں ہے؟ دبے پاؤں یہ شخص اُس کے معصوم اور نازک دل میں نشیمن بنا کر بیٹھ گیا۔ کوئی وقت ہو کیسا ہی مجمع ہو کسی قسم کی باتیں ہو رہی ہوں کیسے ہی ہولناک اور قیامت خیز حادثات واقع ہوں۔ وہ سب سے بے پرواہ تھی اس کے دل و دماغ پر بہزاد چھایا ہوا تھا۔ وہ اُسی کے بارے میں سوچتی تھی اور عالم خیال میں گھنٹوں اور پہروں اُسے دیکھا کرتی۔ اس سے باتیں کیا کرتی۔ شکوہ و شکایت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتی اور جب اِس حالت سے چونکتی تو معلوم ہوتا۔

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

دور و نزدیک کہیں بھی بہزاد نظر نہیں آتا تھا۔ ہاں اس کا ذکر اور چرچا ضرور کانوں میں پڑتا رہتا تھا کیوں کہ عبادہ اور ونائیر کی بات چیت

(۲۴)

اِنتظار!!

مامون کے محل میں خلیفہ ہارون الرشید کی خبر وفات قیامت خیز حادثہ بن کر پہنچی کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں اس غم سے اشک بار نہ ہوں۔ زینب کی حالت خاص طور پر بہت غیر نظر آتی تھی اُسے اپنے دادا سے غیر معمولی محبت تھی یہ خبر سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی دنانیر اور عبادہ یہ حالت دیکھ کر اپنا غم اور اپنی پریشانی بھول گئیں۔ عبادہ کی زندگی ہارون کے طرزِ عمل نے غارت کر دی تھی۔ لیکن اُس نے ہارون کو گود میں کھلایا تھا۔ غم اور شکایت کے باوجود وہ ہارون سے محبت کرتی تھی اور آج اس کی خبر وفات سن کر یہ محبت قطرات اشک کی صورت میں اُمنڈ پڑی۔ دنانیر اور عبادہ نے زینب کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ بڑی دیر میں اور بڑی مشکل سے اُسے ہوش آیا وہ بے انتہا نڈھال اور مضمحل نظر آ رہی تھی، آنسو تھے کہ کسی طرح رُکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ دنانیر بار بار دروازے کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ شاید خراسانی حکیم یعنی بہزاد آتا ہوا

سلمان تم نے دیکھا ہم سب پر کیا قیامت گذر گئی ؟"

سعدون۔

(آہ سرد بھر کر) جو نہ دیکھنا تھا دیکھ لیا ــــــ آہ

دنانیر۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا اب کیا ہوگا ؟ حالات بڑے بے ڈھب اور بہت ابتر نظر آتے ہیں !

سعدون۔

آپ مایوس کیوں ہیں خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا میری دعا ہے کہ خدا ہمارے آقا ماموں کو عمر خضر عطا فرمائے۔ ان کا ستارۂ اقبال عروج پر ہے۔ انشاء اللہ وہ اپنے اسلاف کے بہترین قائمقام اور جانشین ثابت ہوں گے۔ ان کی زندگی کا حقیقی اور صحیح دور اب شروع ہوا ہے۔ دیکھئے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

دنانیر۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیسی باتیں کر رہے ہو ہمیشہ لقمہ اور پہیلی تو بہ ہے بھئی!

سعدون۔

وہ وقت جلد آنے والا ہے جب آپ سمجھ لیں گی۔ اور اپنے اس غلام کی قائل ہو جائیں گی۔

دنانیر۔

آج تو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے پگلے ؟ ہوش میں آ۔

سعدون۔

آپ کو پریشان دیکھ کر میرے منہ سے وہ باتیں نکل گئیں جو کچھ عرصے کے

کا موضوع صرف ایک ہی تھا اور وہ تھا بہزاد۔

وہ نہایت اشتیاق کے ساتھ سراپا انتظار بنی بہزاد کی راہ تک رہی تھی۔ سارا دن بیت گیا مگر وہ نظر نہ آیا نہ کوئی خبر معلوم ہوئی۔ اس کا غلام سلمان (سعدون) لاپتہ تھا وہ زینب کے پاس بیٹھی اُسے دلاسا دے رہی تھی۔ لیکن زینب اتنی مغموم تھی کہ تسکین و تسلی کی باتوں سے اور زیادہ اس کا صدمہ بڑھ جاتا تھا اور وہ بے اختیار آنسو بہانے لگتی تھی۔ شام ہو چکی تھی یکایک اُس نے دیکھا دروازے کی طرف سے کوئی آدمی آرہا ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ساتھ کوئی اہم خبر بھی لا رہا ہے۔ اُسے دیکھ کر میمونہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی وہ لپک کر دروازے کے پاس پہنچ گئی خادم نے اس سے کہا۔

"خراسانی حکیم کا غلام سلمان (سعدون) اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اگر حکم ہو تو بلا لیا جائے؟"

یہ سن کر میمونہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ بہزاد کا نام سنتے ہی اس پر کچھ عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا وہ ابھی خادم کو کوئی جواب نہیں دے سکتی تھی کہ دنانیر نے کہا۔

"فوراً بلاؤ شاید وہ اپنے آقا کے بارے میں کوئی اطلاع لایا ہو۔ ہم بڑی بے چینی سے اُس کی کمی محسوس کر رہے ہیں!"

ذرا دیر میں سعدون اندر آگیا وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا دنانیر کے سامنے آیا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے انتہا مغموم اور ملول ہے۔ آیا اور سلام کر کے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ دنانیر نے پوچھا۔

بعد زبان پر آنی چاہیئے تھیں. لیکن یقین کیجئے میں نے کوئی غلط بات نہیں کہی.
وہ وقت جلد آنے والا ہے. جب میری سچائی ظاہر ہو جائے گی.

دنانیر۔
اچھا خیر دیکھا جائے گا. تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور تمہاری ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟ یہ بتاؤ تمہارے آقا یعنی ہمارے حکیم صاحب کہاں غائب ہیں؟ کچھ پتہ ہے ان کا؟

سعدون۔
میں نہیں جانتا میں تو یہاں ان ہی سے ملنے آیا تھا۔

دنانیر۔
(ذرا خفگی کے ساتھ) یہ ان کی عجیب عادت ہے کہ بے کہے سنے یک بہ یک غائب ہو جاتے ہیں. چاہے کسی کی جان رہے یا جائے.

سعدون۔
کیوں خیریت تو ہے؟ بیمار ہے کوئی؟

دنانیر۔
شہزادی زینب کی حالت دادا کے غم میں بہت سقیم ہو رہی ہے۔ اس موقع پر حکیم صاحب کا یہاں موجود ہونا بہت ضروری تھا.

سعدون۔
تو میں شاہی حکیموں میں سے کسی اور کو لے کر ابھی حاضر ہوتا ہوں. بس چٹکی بجاتے میں آیا.

دنانیر۔
بیکار ـــــ زینب کا مزاج بہزاد کے سوا اور کوئی نہیں پہچانتا نہ وہ کسی اور سے

علاج کرانے پر آمادہ ہوں گی۔

سعدون۔

حیرت ہے کہ میرے آقا نے اتنی دیر کہاں لگا دی لیکن بہرحال وہ زیادہ عرصے تک غائب نہیں رہ سکتے۔ بہت جلد آجائیں گے۔ میرا خیال ہے آج کا دن ناغہ نہیں ہو سکتا۔

عبادہ۔

یہ بھی نہیں معلوم کہ کہاں گئے ہیں؟

سعدون۔

جی نہیں — آپ تو جانتی ہی ہیں۔ وہ اپنی کوئی بات کسی کو نہیں بتاتے ان کی ہر بات راز ہے۔

ونانیر۔

یہ آدمی کاہے کو ہے اچھا خاصا معمّہ ہے آئے گا تو ناوقت، جائے گا تو اچانک،

عبادہ۔

کیوں سلمان یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مدائن میں ہو۔

سعدون۔

دونوں باتیں ممکن ہے ہو سکتا ہے کہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہوں کم ازکم آپ حضرات سے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انکے نقل وحرکت کے بارے میں یقینی طور پر کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

میمونہ ایک خاموش بیٹھی یہ باتیں سن رہی تھی کئی بار اس نے بیچ میں بولنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی لیکن اب خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے کہا۔

میرے خیال میں تو وہ مدائن میں اپنے گھر کا دروازہ بند کئے اندر بیٹھے

(۲۵)

اِک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی!

قصرِ مامون سے رخصت ہو کر سعدون اپنے خچر پر سوار ہوا اور سیدھا فضل بن ربیع کے محل کی طرف حسبِ وعدہ حماد سے ملنے روانہ ہو گیا۔ سعدون وہاں جب پہنچا تو رات اپنا ڈیرہ ڈال رہی تھی۔ حماد بڑے اضطراب کے ساتھ منتظر تھا۔ اس نے دربانوں کو اس کی وضع قطع بتا کر تاکید کر دی تھی کہ جیسے ہی وہ آئے بے رُوک ٹوک اُسے محل میں پہونچا دیا جائے۔ چنانچہ دربانوں نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا' ایک دربان آگے بڑھا اور کہا۔

غالباً آپ ہی علامہ سعدون ہیں؟

سعدون نے ماتھے پر بل ڈال کر جواب دیا۔

ہاں ـــــ کیا تمہارے آقا حماد محل کے اندر موجود ہیں؟

دربان نے عرض کیا۔

"وہ بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ آیئے تشریف لائیے۔"

سعدون دربان کے ساتھ محل کے مختلف حصّوں سے گذرتا ہوا ایک ایوان کے

کیمیا سازی کر رہے ہوں گے۔
یہ کہتے کہتے میمونہ کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا لیکن سعدون نے شاید برا مانا اس نے عبادہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔
میرے آقا کو کیمیا سازی سے کوئی تعلق نہیں وہ بہت بڑے عالم ہیں خلوت میں ان کا مشغلہ صرف ایک ہوتا ہے۔ پڑھنا اور مطالعہ کرنا طب اور فلسفہ ان کا مخصوص موضوع ہے۔ میرے خیال میں تو اس وقت وہ مدائن میں نہیں ہوں گے اگر یقین ہوتا کہ وہاں ہیں تو میں ضرور چلا جاتا۔ اور اپنے ساتھ لے آتا۔ ممکن نہ تھا کہ وہ نہ آتے۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں وہ مدائن میں نہیں ہیں۔ لہٰذا انتظار کیجئے۔ آتے ہی ہوں گے۔ اور اگر رات تک واپس نہ آئے تو پھر صبح ان کی تلاش میں نکلوں گا اور جہاں بھی موجود ہوں گے ڈھونڈ نکالوں گا۔

دنانیر۔
لیکن اتنے طویل عرصے تک انتظار کیوں کیا جائے؟ آج ہی جاؤ اور سارے کام چھوڑ کر بہزاد کو تلاش کرو۔

سعدون۔
بہت خوب دل و جان سے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ جاتا ہوں اور جہاں بھی وہ ملیں گے لے کر آ جاؤں گا۔

عبادہ۔
اگر تمہیں کچھ کام ہو تو میں چلی جاؤں؟ آخر مدائن تک گرتی پڑتی پہنچ ہی جاؤں گی۔

سعدون۔
غلام کی موجودگی میں آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں میں ابھی چلا۔ یہ میرا فرض ہے اور میں اسے انجام دوں گا۔

سامنے پہنچا۔ یہاں حمّاد پہلے سے موجود تھا۔ اُس نے بڑے تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ سعدون سے مصافحہ کیا۔ پھر ساتھ لے کر اپنے مخصوص کمرے میں آیا یہ کمرہ خاص طور پر بہت زیادہ آراستہ پیراستہ تھا بلا اجازت پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ نہایت گراں قیمت ساز و سامان سے اِسے سجایا گیا تھا بیچ میں ایک مرصع تخت تھا۔ اور اُس کے چاروں طرف خوبصورت اور خوشنما چوکیاں رکھی تھیں۔ حمّاد تخت پر بیٹھ گیا۔ اور سعدون کو اپنے پاس ہی ایک چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سعدون بڑی سنجیدگی کے ساتھ بیٹھ گیا اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی بار بار جس کے ورق وہ اُلٹا پلٹتا رہتا۔ رسم الخط کچھ عجیب سا تھا۔ عربی تو بہر حال نہیں تھا۔ سعدون نے چوکی پر بیٹھتے ہوئے حمّاد سے کہا۔

نہ جانے کیا بات ہے کہ آپ میں ایک خاص قسم کی جاذبیت محسوس کرتا ہوں ثبوت یہ ہے اِس وقت ایک بڑے ضروری کام سے مجھے جانا تھا۔ لیکن وعدہ کر چکا تھا ٹال نہ سکا آنا پڑا۔

حمّاد۔

آپ کی اِس کرم فرمائی کا بہت شکر گذار ہوں۔

سعدون۔

اچھا یہ رسمی باتیں چھوڑیئے بتایئے آپ نے اِس خادم کو کیوں یاد فرمایا تھا۔

حمّاد۔

اطمینان سے بیٹھئے رات اپنی ہے جو کچھ کہنا ہے عرض کر دوں گا۔

سعدون۔

جناب وزیر صاحب میرا وقت بڑا قیمتی ہے اُسے رائیگاں نہ کیجئے۔

حمّاد۔

وزیر میرے والد محترم ہیں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔

سعدون۔

درویش کے منہ سے جو بات نکل جائے تو وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اگر اب تک آپ وزیر نہیں ہیں تو بہت جلد ہو جائیں گے ــــ یہ میری پیش گوئی ہے!

حمّاد۔

اگر یہ خاکسار وزیر بن گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت شاہی نجومیوں کا افسرِ اعلیٰ بننے سے آپ کو نہیں روک سکتی۔

سعدون۔

بندہ نوازی ہے آپ کی بہر حال کام کی بات کیجئے۔ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ اور یقین کیجئے کہ دلی مسرت کے ساتھ ہر ممکن اور ناممکن خدمت بجالاؤں گا۔

حمّاد۔

ناممکن خدمت تک بجالانے کا آپ نے وعدہ کیا ہے اور اِس وقت میں آپ سے ایک ایسی ہی خدمت لینا چاہتا ہوں جو بظاہر قطعاً ناممکن ہے۔

سعدون۔

کوئی مضائقہ نہیں فرمائیے۔

حمّاد۔

وہ ایسی بات ہے جسے ظاہر کرتے ہوئے ہچکچاتا ہوں۔ وہ ایک راز ہے۔ اور فی الحال اُسے راز ہی رہنا چاہئے۔

سعدون۔

(مسکراتے ہوئے) آپ کا کونسا راز مجھے معلوم نہیں؟

کر سکتے ہو۔ جن میں سے ہر ایک اپنے وقت کی قابلِ عالم ہوگی۔
حماد یہ سن کر حیران اور پریشان سعدون کا منہ تکنے لگا۔ اُسے حیرت تھی یہ شخص جادوگر ہے۔ یا غیب دان اس کے پاس کون سی قوت ہے جس کے ذریعہ یہ دلوں کے بھید معلوم کر لیتا ہے۔ حماد نے عقیدت کی ایک نگاہ سعدون پر ڈالتے ہوئے کہا۔

لیکن میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ میں ہر قیمت پر اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے اگر غربت پسند ہو تو میں سارا مال و دولت لٹا کر فقیر خاک نشین بن جاؤں گا۔ اگر وہ مال و دولت کی جویا ہے تو سیم و زر کی ان گنت تھیلیاں اس کے قدموں پر نثار کر دوں گا۔ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ صرف آپ ہی میری اس مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔

سعدون۔

یہ آپ کا حسنِ ظن ہے بندہ نواز، ورنہ من آنم کہ من دانم۔

حماد۔

نہیں میرے مخدوم یہ نہ کہئے آپ کو خود اپنی عظیم المرتبت شخصیت اور بے اندازہ قوت کا احساس نہیں ہے۔ آپ پتھر کو موم اور موم کو پتھر بنا سکتے ہیں۔

سعدون۔

آخر تم کیا چاہتے ہو میرے عزیز؟

حماد۔

محبت کے جواب میں محبت سارے جتن کر ڈالے۔ مگر کامیاب نہ ہوا اب آپ ہی کی توجہ میرا بیڑا پار لگا سکتی ہے۔ میرے دل کی مراد پوری کر سکتی ہے۔
یہ سن کر سعدون نے اپنی کتاب کے ورق الٹنا پلٹنا شروع کئے۔ بڑی دیر

حمّاد۔

(متعجب ہو کر) اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں آپ اُس سے واقف ہیں؟

سعدون۔

کیوں نہیں، چہرہ دیکھ کر مطلب جان لیتا ہوں۔ لوگوں کے دل کی بات اِس طرح ٹٹول لیتا ہوں جیسے غوطہ خور سمندر کی گہرائی میں جا کر موتی نکال لاتا ہے۔

حمّاد۔

تو بجائے اس کے کہ میں عرض کروں آپ ہی فرما دیجئے میں نے آپ کو یہاں تک آنے کی زحمت کیوں دی ہے؟

سعدون۔

نوجوانی کا زمانہ عشق و محبت کا بہترین موسم ہے ـــ کیوں جناب کیا آپ کسی سے محبت نہیں کرتے؟ اگر کہئے تو کچھ اور اتہ پتہ بھی بتاؤں؟

حمّاد۔

(بھونچکا ہو کر) کیا آپ جانتے ہیں میں محبت کرتا ہوں؟

سعدون۔

ہاں ـــ اور تمہیں غم یہ ہے کہ وہ لڑکی تم سے محبت نہیں کرتی۔ تمہیں خاطر میں نہیں لاتی۔ تمہاری التجاؤں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتی ہے۔ خود غریب اور مفلوک الحال ہے۔ لیکن تمہارے جاہ و جلال اور دولت ثروت سے ذرا بھی مرعوب نہیں ـــ میاں صاحبزادے ایسے بت بے پیر کا قابو میں آنا بہت مشکل ہے۔ کس جنجال میں اپنی جان پھنسائی ہے۔ خوبصورت ہو، طرح دار ہو، دولت مند ہو، بغداد جیسے شہر میں ایک نہیں دس ہزار عورتیں حاصل

سعدون۔

آپ میرے اوپر بہت بوجھ ڈال رہے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ کس سمت میں ہے تو علم نجوم کی رُو سے میں باقی باتیں معلوم کرلیتا۔ بہر حال اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ کہاں اور کس طرف ہے مجھے بڑی محنت کرنا پڑے گی۔ آپ کی خاطر مجھے عزیز ہے۔ جس طرح بھی ہو سکے گا اس کا پتہ چلاؤں گا۔ خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان پر میرے پنجے سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اسے راہ راست پر آنا پڑے گا!

سعدون کی اِن باتوں سے حمّاد کے بے قرار دل کو بہت تسلی ہوئی اس نے کہا۔

"آپ کے اِس احسان کا بدلہ میں زندگی بھر ادا نہیں کر سکتا!"

سعدون۔

احسان کا نام نہ لیجئے۔ میں آپ کا دوست ہوں، اور دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کے لئے سب کچھ کر گزرے۔

حمّاد۔

نوازش ہے آپ کی کرم ہے آپ کا اِس سلسلہ میں ایک بات گوش گذار کر دینا چاہتا ہوں۔

سعدون۔

ضرور کہیئے ــــ ارشاد؟

حمّاد۔

میں اس لڑکی کو باقاعدہ اپنے عقد میں لانا چاہتا ہوں۔ اس کی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتا۔ اسے حاصل کر کے اپنی اور اس کی زندگی سنوارنا چاہتا

یک ورق الٹتا پلٹتا رہا، کبھی چھت کی طرف دیکھنے لگتا، کبھی آسمان کی طرف کبھی خاموش ہو جاتا کبھی کچھ نامعلوم الفاظ اس کے منہ سے نکلنے لگتے بڑی دیر تک یہی حرکتیں کرتا رہا، پھر اس نے کتاب بند کرلی، فکر کے عالم میں سر جھکا لیا ذرا دیر کے بعد گویا ہوا۔

لیکن آپ کی وہ محبوبہ اِس وقت مدائن میں تو نہیں ہے — کیوں جناب اس کا غریب خانہ مدائن ہی ہے نا؟

حمّاد۔

(انتہائی پریشانی کے عالم میں) جی ہاں وہ مدائن ہی میں رہتی ہے لیکن اگر وہاں نہیں ہے تو پھر کہاں گئی؟

سعدون۔

یہ تو آپ ہی کو معلوم ہوگا کہ وہ اور کہاں کہاں جا سکتی ہے؟

حمّاد۔

بخدا میں نہیں جانتا۔

سعدون۔

کوشش کیجئے پتہ چلائیے۔

حمّاد۔

اِس معاملہ میں میری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سعدون۔

یہ تو بڑی مشکل ہے پھر کیا جائے؟

حمّاد۔

میں نہیں جانتا جو کچھ کریں گے آپ ہی کریں گے۔

آپ نے بجا فرمایا۔ اگر محبت کا جواب محبت سے ملے تو پچھلی غلطیوں کی تلافی پوری طور پر کردوں گا۔ پھر سوچئے اپنے بزرگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کس طرح ذمّہ دار قرار دیا جا سکتا ہوں؟

سعدون۔

کوئی پرواہ نہ کرو۔ یہ معاملہ میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے (اپنے قلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تم اِس کی طاقت اور قوت سے ناواقف ہو یہ پتھر کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے۔ اور ریت کے ذرّوں کو سنگ خارا بنا سکتا ہے۔ کیا اِس چھوکری کے دل کو قابو میں نہیں لا سکتا — ؟

ضرور کرسکتا ہے!

حمّاد۔

بے شک — بے شک آپ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ایک بات پیش نظر رکھیئے۔ حصول مقصد کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہانے کے لیے تیار ہوں جب اور جس وقت جتنے روپے کی ضرورت ہو آپ لے سکتے ہیں۔

سعدون۔

پھر وہی کاروبار پھر وہی سودا پھر وہی روپیہ پیسے کی باتیں پھر وہی خرید و فروخت کا چرچا۔ بار بار کہہ چکا۔ میں علم نہیں بیچتا سودا نہیں کرتا۔ مال و زر کی ہوس مجھے نہیں، البتہ دوستوں کے لئے سب کچھ کرسکتا ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ کوتوال کی طرح بار بار میری خودداری کو ٹھیس لگاتے ہیں۔ میرے خلوص کی توہین کرتے ہیں۔ کم از کم آپ جیسے معقول اور زیرک آدمی سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

ہوں۔ یہ تو کوئی جرم نہیں۔

سعدون۔

نہیں، بڑا مبارک جذبہ ہے۔

حمّاد۔

میں اُسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا وہ میرے خلوص اور سچی محبت سے کیوں متاثر نہیں ہوتی۔ میری محبت کا جواب حقارت اور نفرت سے کیوں دیتی ہے؟

سعدون۔

اتنے نادان بھی نہ بنیئے اُس کی نفرت اور حقارت کا سبب آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟

حمّاد۔

کاش میں جان سکتا۔

سعدون۔

بزرگوں کی دوستی اور دشمنی اولاد کے مزاج اور طبیعت پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ کیا آپ لوگوں کے آبا و اجداد ایک دوسرے کے دوست تھے؟ یہ سُن کر حمّاد پر گویا بجلی گر پڑی۔ وہ سمجھ گیا۔ سعدون کا اشارہ اُس کے باپ فضل بن ربیع کی طرف ہے۔ جس نے جعفر کو قتل اور خاندان برامکہ کو تباہ کرایا۔ وہ سعدون کی بڑی قدر کرتا تھا۔ پھر اُس کی ہمہ دانی سے بہت زیادہ مرعوب اور متاثر ہوا۔ لیکن اس کا تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ آگے پیچھے کی سب باتیں پورے طور پر جانتا ہے۔ اُس نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

سعدون۔ بہت جلد

حماد۔

کیا یہ نہیں ہو سکتا آج رات یہیں رہ جایئے۔ اور صبح تشریف لے جایئے۔

سعدون۔

مجھے کوئی عذر نہیں لیکن کسی دوسری جگہ رہ کر میرے معمولات میں فرق آجاتا ہے اور یہ میں پسند نہیں کرتا۔

حماد۔

نہیں۔ معمولات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ آپ اپنے کمرے میں تنہا ہوں گے جب تک خود طلب نہ کریں کوئی خادم یا غلام اندر داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکے گا!

حماد (بہت زیادہ متاثر ہو کر) اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اب کبھی ایسا نہیں کروں گا بس خدا سے یہ دعا ہے کہ قصر خلافت میں نجومیوں کے افسر اعلیٰ بن کر آپ جلد تشریف فرما ہوں۔ تاکہ پھر ہم سب مل کر زندگی کی کامرانیوں اور نعمتوں سے لطف اٹھائیں اور پورے اتحاد اور اتفاق کے ساتھ امیرالمومنین کی خدمت بجا لائیں۔

سعدون۔

اتنی دیر میں آپ نے یہ ایک کام کی بات کہی ہے دل سے اس تمنا پر آمین کہتا ہوں ـــ کافی دیر ہو چکی اب اجازت مرحمت ہو۔

حمّاد۔

شوق سے تشریف لے جائیے۔ لیکن آپ بے قرار اور مضطرب دل کو تسکین دیتے جائیے۔ بتلائیے آپ میرے لئے کیا کریں گے۔ بس آپ ہی پر میرے دل کا اور میری زندگی کا میری تمناؤں اور حسرتوں کا فیصلہ ٹھیرا ہے۔ بتلائیے جواب دیجئے۔

سعدون۔

اطمینان رکھئے آپ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے مجھے جانے دیجئے۔ سب سے پہلے میری کوشش یہ ہوگی کہ آپ کی محبوبہ کا ٹھکانہ معلوم کروں۔ آپ دیکھ لیں گے۔ آپ کی محبوبہ کس طرح دیوانہ وار حاضر ہوتی ہے!

حمّاد۔

(بے ساختہ سعدون کا ہاتھ چومتے ہوئے) الفاظ نہیں ملتے کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ اچھا یہ بتائیے مجھے خط کب لکھیں گے؟

فصیل بنائی گئی تھی جس کی لمبائی ۲۰ ہزار گز تھی عرض بنیاد میں ۹۰ گز اور بلندی کے ختم پر ۲۵ گز تھا۔ اونچائی ۶۰ فٹ فصیل میں بڑے بڑے بُرج موقع موقع سے بنے ہوئے تھے۔ ارد گرد خندق تھی جس میں ہر وقت پانی بھرا رہتا تھا۔ خندق پار کرنے والوں کے لئے عارضی گذر گاہ کے طور پر چوبی پُل بنا دیئے گئے تھے۔

شہر پناہ کے چار بڑے دروازے تھے۔ ان دروازوں کا رُخ جن شہروں کی طرف تھا یہ ان ہی ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ خراسان کی طرف جو پھاٹک تھا اسے باب خراسان کہتے تھے۔ شام کی طرف جو پھاٹک تھا وہ باب شام کہلاتا تھا۔ اسی طرح باب کوفہ اور باب بصرہ تھے۔ ہر دروازے میں چار چار پھاٹک تھے۔ ہر پھاٹک کا صحن ۸۰ گز تھا۔ اندرونی دروازوں کے پھاٹک لوہے کے تھے۔ انھیں بہت سے آدمی ایک ساتھ زور لگا کر بند کرتے تھے۔ ان میں سے ہر پھاٹک اتنا بلند تھا کہ بڑی آسانی کے ساتھ ایک سوار نیزہ تانے اور علم بلند کئے ہوئے گذر سکتا تھا۔ ہر دروازے کی چھت پر ایک سنہرا گنبد تھا۔ اور اس کے متصل کمرے بنے ہوئے تھے۔ حمّاد کی سواری جب پھاٹک میں سے گذری تو دربان سرو و قد تعظیم دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سعدون حمّاد کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ دروازے کے استحکام اور عمارت کی خوبصورتی کو خود فراموشی کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے گذر کر یہ لوگ دوسرے دروازوں میں سے ہوتے ہوئے ایک وسیع اور کشادہ میدان میں آئے جو شہر کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ اس میدان کے وسط میں قصر زرنگار تھا جسے قصر منصور بھی کہتے تھے۔ یہ محل اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے بے مثل تھا اس کے بازو میں ایک نہایت عالیشان مسجد تھی جو جامع منصور کے نام سے

(۲۶)

حمّاد!

رات کو بڑی دیر تک محفل جمی رہی۔ سعدون اور حماد مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ آدھی رات کے بعد سعدون اپنے آراستہ پیراستہ کمرے میں پہونچا۔ بہت تھک گیا تھا۔ لیٹتے ہی سوگیا صبح آنکھ کھلی تو حمّاد کا خادم دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ سعدون نے دروازہ کھولا خادم نے عرض کیا۔

"میرے آقا نے آپ کو یاد فرمایا ہے"۔

جلدی سے باس تبدیل کرکے سعدون حماد کے کمرے میں پہنچا۔ ناشتہ چنا جاچکا تھا۔ حماد نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ دونوں نے ساتھ مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد حمّاد نے کہا۔

"چلئے آپ کو امیرالمومنین امین کی خدمت میں لے چلتا ہوں"۔

یہ بات سن کر سعدون کے ہاتھ پاؤں وفور مسّرت سے پھول گئے۔ وہ فوراً آمادہ ہوگیا۔ حمّاد اپنے سواری میں بیٹھ کر مدینۃ المنصور کی طرف روانہ ہوا مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد امین نے یہیں کی اقامت اختیار کرلی تھی۔ یہ شہر ایک گول دائرہ کی صورت میں بنا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی مضبوط

کا مالک تھا۔ حماد نے اِن لوگوں سے سن گن لی تو معلوم ہوا امیرالمومنین
اِس وقت کوتوال شہر علی بن عیسٰی سے مصروف گفتگو ہیں۔ اور باہر سے
ایک قاصد بھی آیا ہوا ہے۔ اس کی طلبی بھی اِسی لئے نہیں ہو رہی ہے۔ حماد
نے قاصد کا نام سن کر اُس کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا وہ اس کے باپ فضل
بن ربیع کا غلام ہے جیسے ہی دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں وہ لپک کر اپنے
آقا زادے کے پاس آیا اس کے ہاتھوں کو چوما اور دُعائے درازی عمر دی۔

حماد نے اس سے پوچھا۔

تمہارا آنا کیونکر ہوا؟ کب آئے؟

قاصد نے عرض کیا۔

آپ کے والد بزرگوار نے مکتوب دے کر امیرالمومنین کی خدمت میں بھیجا
ہے۔ ابھی حاضر ہوا ہوں۔

حماد۔

والد صاحب اس وقت کہاں ہیں؟

قاصد۔

وہ بغداد سے قریب پہنچ چکے ہیں۔

حماد۔

جو مکتوب تم اپنے ساتھ لائے ہو کیا وہ امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کر دیا؟

قاصد۔

جی ہاں اور خط پڑھتے ہی امیرالمومنین نے صلاح و مشورہ کے لئے کوتوال
صاحب کو طلب فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے لوگ انتظار میں کھڑے ہیں۔ بار یابی
کی اجازت کسی کو ابھی تک نہیں ملی۔

مشہور تھی۔

حمّاد کا استقبال ہر دروازے کے دربانوں نے بڑے جوش وخروش سے کیا۔ مسجد اور محل کے درمیان میں میدان تھا۔ وہاں پہونچ کر سعدون نے دیکھا بہت سے گھوڑے اور خچر کھڑے ہیں یہ ان لوگوں کی سواریاں تھیں جو محل میں خلیفہ سے شرف نیاز حاصل کرنے حاضر ہوئے تھے۔ حمّاد برابر آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ کوتوالی کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں اس کے اپنا اردلی بھیج کر کوتوال کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ لیکن معلوم ہوا ابھی ذرا دیر پہلے امیرالمومنین کے حسب الحکم کوتوال صاحب قصر میں تشریف لے گئے ہیں۔ یہ خبر سُن کر حمّاد کو حیرت نہیں ہوئی۔ یہاں رُکنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلیفہ کی خدمت میں جانے سے پہلے وہ علی بن عیسٰی سے بھی مل لے۔ لیکن چونکہ وہ موجود نہ تھا۔ لہٰذا سعدون کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔ سواری سے اُترنے کے بعد وہ قصر کی طرف خراماں خراماں روانہ ہوا اپنی وضع قطع کے اعتبار سے سعدون عام لوگوں سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر حیرت کر رہے تھے یہ دونوں صحن سے گذر کر محل کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں ایک بڑی تعداد افسران فوج اور امراء اور شعراء وغیرہ کی موجود تھی۔ یہ سب لوگ اسی لئے آئے تھے کہ خلیفہ کی خدمت میں باریاب ہوں۔ امین نہایت دریا دل اور خوش اخلاق شخص تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر کا ہر طبقہ اُسے عزّت اور محبّت کی نظر سے دیکھتا تھا تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اُس نے جود وسخا کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا تھا کہ لوگ اور زیادہ اس کے دعاگو اور ثناخواں بن گئے تھے۔ حمّاد جدھر سے گذرتا تھا لوگ تپاک اور خوش اخلاقی کے ساتھ ملتے کیونکہ وہ ایک ایسے باپ کا بیٹا تھا جو اس وقت ساری حکومت

(۲۷)

بُرے پھنسے!

حاجب نے جب امین کو حمّاد کے آنے کی اطلاع دی تھی تو اس نے یہ بھی کہا تھا کہ حمّاد کے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے امین نے دریافت کیا تھا وہ کَون شخص ہے؟ حاجب نے صرف اتنا بتاکر خاموش ہو گیا کہ غالباً وہ خراسان کا رہنے والا ہے۔ لباس اور وضع قطع سے نجومی معلوم ہوتا ہے۔ امین کی اجازت پاکر حاجب تو چلا گیا لیکن علی بن عیسٰی کو مسکراتا دیکھ کر امین نے پُوچھا۔

کیا تم اِس شخص کو جانتے ہو؟

کوتوال نے عرض کیا۔

غالباً یہ شخص علامہ سعدون ہے۔ وطن اِس کا خراسان ہے لیکن ایک عرصے سے بغداد میں مقیم ہے۔ اور واقعی بہت بڑا رَمّال اور منجم ہے۔ غیب کی باتیں اِس صفائی اور سچائی سے بیان کرتا ہے کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔

امین۔

کیا تم اِس سے ملاقات کر چکے ہو؟

حماد نے لوگوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اِس نگاہ میں نخوت اور خود پسندی تھی۔ اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ایک مخصوص منزلت کا حامل ہے۔ سعدون کو اپنے ہمراہ لے کر باب خلافت کی طرف بڑھا یہاں حاجب کھڑا تھا۔ اور وہ زبانِ حال سے عرض کر رہا تھا: میں مجبور ہوں اذنِ باریابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن حماد نے اُسے کڑے تیوروں سے دیکھا اور کہا۔

"امیر المومنین کو میری حاضری کی اطلاع دے دو۔"

حاجب میں اتنی ہمت نہ تھی کہ انکار کر سکتا اُس نے خاموشی سے پردہ اُٹھایا اور چلا گیا۔ ذرا دیر میں مُسکراتا ہوا واپس آیا اور عرض گذار ہوا۔

"تشریف لے چلئے یاد فرمایا ہے۔"

علی بن عیسٰی۔

جی ہاں ایک مرتبہ ملا ہوں۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اس کے کمال و فن کا ایک ہی ملاقات میں دل سے معتقد ہو چکا ہوں۔

امین۔

یہ لوگ بڑے خبیث اور بد باطن ہوتے ہیں میں ذرا بھی نہیں مانتا۔

علی بن عیسٰی۔

لیکن میرے آقا یہ شخص تو منجم ہے۔ اور اپنے علم کے زور سے ہر وہ بات بتا دیتا ہے جو اس سے پوچھی جائے۔

امین۔

ہمارے محل میں بہت سے منجم و رمّال ملازم ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ ان کی کوئی پیشن گوئی یا بات صحیح ثابت ہوتی ہو۔

علی بن عیسٰی۔

لیکن میرے آقا سعدون غیر معمولی کمالات کا حامل ہے۔ ابھی وہ حاضر ہوتا ہے۔ امتحان کر لیجئے۔ پورا اترے تو سر بلندی عطا فرمائیے: ناکام ہو تو ذلت کے ساتھ نکال دیجئے۔

اتنے میں حماد سعدون کے ساتھ حاضر ہوا امین اس وقت ایوان کے بیچ میں آبنوس کے ایک تخت پر متمکن تھا۔ اس پر ہاتھی دانت اور سنگ سرخ کے گل بوٹوں کی پچی کاری کی ہوئی تھی۔ یہ تخت وہ دہان جو اس کے پہلے خلیفہ منصور نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ اس وقت عربوں کی سادگی قائم تھی یہی وجہ تھی کہ خلفاء سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ کمرے میں نہایت گراں قیمت غالیچے اور قالین بچھے تھے۔

لیکن یہ بھی نقش و نگار سے بری تھے۔ سادگی ہی ان کا حسن تھا۔ ایوان میں جا بجا مسندیں اور چوکیاں بچھی ہوئی تھیں۔ امین اُسی لباس میں ملبوس تھا جو اس نے خلیفہ بننے کے دن پہنا تھا۔ حماد حاضر ہوتے ہی امین کی خدمت میں کورنش اور تسلیمات بجا لایا۔ امین نے آنکھ کے اشارے سے بیٹھنے کی اجازت دی۔ پھر وہ سعدون کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سلام کرتے کرتے تقریباً سجدے میں گر گیا۔ خلیفہ نے نرمی اور شفقت کے ساتھ کہا۔

"علامہ سعدون تشریف رکھئے۔"

جب وہ بیٹھ گیا تو امین نے اس سے کہا۔

"علی بن عیسٰی نے ہمیں بتایا ہے۔ تم بہت بڑے منجم ہو۔"

سعدون۔

میں صرف امیر المومنین کا غلام ہوں بہت بڑا منجم ہونا میرے لئے اتنا باعث فخر نہیں ہے جتنا امیر المومنین کا غلام ہونا۔

امین۔

کیا واقعی علم نجوم میں تمہیں دست رس ہے؟

سعدون۔

تھوڑا بہت تو اس علم سے واقف ہوں۔ قواعد کے اعتبار سے جو بات پائی جاتی ہے اس کا جواب دے دیتا ہوں۔ حضور جو کچھ دریافت فرمائیں گے انہی قواعد کی رُو سے جواب عرض کر دوں گا۔ پھر حضور کی تصدیق یا تکذیب پر میرے علم کے سچے یا جھوٹے ہونے کا انحصار ہو گا۔

امین نے سوالیہ نظروں سے علی بن عیسٰی کی طرف دیکھا گویا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس منجم سے کیا سوال کیا جائے؟ کوتوال نے خلیفہ کا مقصد

علی بن عیسٰی۔
جی ہاں ایک مرتبہ ملا ہوں۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اس کے کمال و فن کا ایک ہی ملاقات میں دل سے معتقد ہو چکا ہوں۔

امین۔
یہ لوگ بڑے خبیث اور بدباطن ہوتے ہیں میں ذرا بھی نہیں مانتا۔

علی بن عیسٰی۔
لیکن میرے آقا یہ شخص تو منجم ہے۔ اور اپنے علم کے زور سے ہر وہ بات بتا دیتا ہے جو اس سے پوچھی جائے۔

امین۔
ہمارے محل میں بہت سے منجم اور رمّال ملازم ہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اِن کی کوئی پیشن گوئی یا بات صحیح ثابت ہوتی ہو۔

علی بن عیسٰی۔
لیکن میرے آقا سعدون غیر معمولی کمالات کا حامل ہے۔ ابھی وہ حاضر ہوتا ہے۔ امتحان کر لیجئے۔ پورا اُترے تو سربلندی عطا فرمائیے: ناکام ہو تو ذِلّت کے ساتھ نکال دیجئے۔

اتنے میں حمّاد سعدون کے ساتھ حاضر ہوا امین اِس وقت ایوان کے بیچ میں آبنوس کے ایک تخت پر متمکن تھا۔ اس پر ہاتھی دانت اور سنگِ سو کے گل بوٹوں کی پچی کاری کی ہوئی تھی۔ یہ تخت وہ دہان عباسیہ کے پہلے خلیفہ منصور نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ اس وقت عربوں کی سادگی قائم تھی یہی وجہ تھی کہ خلفاء سونے چاندی اور ہیرے جواہرات، کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ کمرے میں نہایت گراں قیمت غالیچے اور قالین بچھے تھے۔

فضل بن ربیع آپ کے بھائی ماموں کے بارے میں گفتگو کرنے آ رہا ہے۔
یہ سن کر امین چونک پڑا علی بن عیسیٰ اور حماد بھی حیرت بھری نظروں سے اس جادوگر کو دیکھنے لگے۔

امین نے کہا۔

ماموں کے متعلق کیا گفتگو کرے گا وہ؟

سعدون۔

فضل بن ربیع نے صرف آپ کی بیعت لی ہے ماموں کی نہیں۔

امین۔

یعنی فضل نے ماموں کو بیعت سے خارج کر دیا؟

سعدون۔

جی ہاں بالکل ـــــ اور یہ کام فضل نے بغیر کسی دشواری اور پریشانی کے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے لیا ہے۔ میرا خیال ہے امیرالمومنین کو یہ بات گراں نہ گذری ہو گی اور اگر گذری ہو تو اس میں میری کوئی خطا نہیں جو پوچھا گیا میں نے بتا دیا۔ آئینہ میں وہی نظر آتا ہے جو واقع میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی کو پسند آئے یا ناپسند ہو۔

امین۔

تم نے بہت بڑی بات کہی ہے۔ ہمارا خیال ہے فضل نے ہرگز ایسا نہیں کیا ہو گا۔ ابھی موقع ہے اگر چاہو تو اپنے الفاظ واپس لے لو۔ ورنہ یاد رکھو ابھی تھوڑی دیر میں حقیقت واقعہ آشکار ہو جائے گی۔ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو گردن سلامت نہیں رہے گی۔

سعدون۔

سمجھ کر دست بستہ عرض کیا۔
ابھی ابھی امیر المومنین کے پاس فضل بن ربیع کا خط آیا ہے۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ طوس میں میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی تفصیل زبانی گوش گذار کروں گا۔ اسی سلسلہ میں سعدون سے آپ جو کچھ چاہیں دریافت فرما سکتے ہیں۔"
امین کو علی بن عیسٰی کی یہ بات پسند آئی۔ اس نے سعدون سے کہا۔
"بتاؤ ہمارے وزیر فضل بن ربیع نے کیا لکھا ہے ——— وہ کیا باتیں ہیں۔ جو ہمارے گوش گذار کرنے کے لئے وہ یہاں آرہا ہے؟"
سعدون نے سر جھکا لیا۔ ریشمی بستہ کھولا اور اس میں سے ایک کتاب نکال کر ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر امین سے مخاطب ہو کر عرض کیا "میرے آقا وزیر سلطنت فضل بن ربیع آپ سے جو گفتگو کریں گے وہ امر خلافت سے متعلق ہوگی۔ یعنی خلافت کے قیام و نصب سے متعلق۔"
امین نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔
"سبحان اللہ کیا بات فرمائی آپ نے ——— یہ تو ایک بچہ بھی بتا دے گا کہ میری اور وزیر کی گفتگو مسئلہ خلافت ہی سے متعلق ہوگی۔ اس میں تمہاری غیب دانی یا پیشن گوئی کا کیا دخل ہے؟"
سعدون۔
"امیر المومنین میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔"
امین۔
"تمہیں اجازت ہے جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو لیکن سوچ سمجھ کر۔"
سعدون۔

حمّاد۔

میرے آقا مجھے بالکل نہیں معلوم۔

اور یہ کہہ کر حمّاد بید لرزاں کی طرح کانپنے لگا۔

پھر امین علی بن عیسٰی کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے کہا۔

مجھے یہ مشکوک اور مشتبہ قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ اِدھر اُدھر سے باتوں کی سن گن لیتے رہتے ہیں۔ اور پھر ہمارا تقرب حاصل کرنے کے لئے یہاں آکر جھوٹی سچی باتیں بنانے لگتے ہیں۔

علی بن عیسٰی۔

لیکن میرے آقا میں نے سعدون کو آزمایا ہے۔ اور ہمیشہ سچا پایا ہے۔

امین۔

تمہیں بھی اس جعلساز نے بے وقوف بنایا ہوگا —— اِسے گرفتار کرو۔ غلط بیانی اور فریب کاری کی قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ ہمیں شبہ ہے حمّاد سے اِس نے ضرور کچھ باتیں معلوم کی ہیں۔

علی بن عیسٰی۔

میری مودبانہ رائے یہ ہے کہ فضل بن ربیع آج رات یا کل صبح یہاں پہنچ جائے گا۔ اور اس کے آتے ہی حقیقت حال منکشف ہو جائے گی۔ اگر سعدون سچا ثابت ہوا تو اُسے قصرِ شاہی کے منجموں کا افسرِ اعلیٰ بنا دیا جائے اور جھوٹا ثابت ہو تو گردن اُڑا دی جائے۔

امین کو یہ بات پسند آگئی اُس نے کہا۔

ٹھیک کہتے ہو حمّاد اور سعدون دونوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھیراؤ۔ اِن کا پُورا اعزاز لحوظ رکھا جائے۔ کسی قسم کی تکلیف

(بغیر کسی گھبراہٹ کے پورے اطمینان کے ساتھ) میں نے ابھی ابھی امیرالمومنین سے عرض کیا تھا کہ میں کوئی بات اپنی طرف سے گھٹا بڑھا کر نہیں کہتا جو کچھ کہتا ہوں کتاب سے معلوم کرکے کہتا ہوں۔ اور یہ کتاب کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

امین۔

(بے انتہا برہم ہوکے) تم جھوٹے ہو تم ہمارے وزیر پر تہمت لگا رہے ہو۔ اور یہ اتنا بڑا جرم ہے جس کی سزا ضرور ملے گی۔

سعدون۔

(نہایت اطمینان کے ساتھ) میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں جڑی جو میرے علم نے بتائی وہ میں نے عرض کر دی اور زندگی میں آج تک میرے علم نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔

امین۔

(اور زیادہ برہم ہوکر) خاموش۔

سعدون خاموش ہو گیا۔ پھر امین نے حمّاد سے پوچھا۔

کیا فضل نے تمہیں کوئی خط لکھا ہے؟

حمّاد۔

نہیں میرے آقا نہیں۔ وہ جب سے تشریف لے گئے ہیں اُنھوں نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا۔

امین۔

پھر یہ شخص جو یہاں منجم بن کر آیا ہے یہ باتیں کہاں سے اُس نے معلوم کیں؟

(۲۸)

رئیس المنجمین!

سلمان اور حمّاد ایک نہایت شاندار اور آراستہ کمرے میں نظر بند تھے۔ حمّاد بہت گھبرایا ہوا تھا۔ لیکن سعدون کے چہرے پر اطمینان اور بےفکری کے آثار نمایاں تھے۔ کمرے میں پہونچنے کے بعد حمّاد نے کہا۔

"برے پھنسے اب کیا ہوگا آئے تھے نماز بخشوانے اُلٹے روزے گلے پڑے اس کا تو وہم وگمان بھی نہ تھا!"

سعدون نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بے شک خلیفہ کی جبری مہانداری نے میرا پروگرام درہم برہم کر دیا اور مجھے اس کا افسوس ہے لیکن یہ ایک روزہ نظربندی بہترین اور شاندار مستقبل کی غماز ہے۔"

حمّاد۔

"نہ جانے کس مٹی سے آپ کا خمیر بنا ہے۔ وہی اطمینان، وہی بےفکری، وہی خود اعتمادی!"

نہ ہو لیکن کوئی تیسرا آدمی، اِن کے قریب بھی پھٹکنے نہ پائے اور اس کا انتظام کردو کہ فضل بن ربیع سیدھا ہمارے پاس آئے۔ اپنے گھر نہ جانے پائے۔

سعدون نے جلدی سے کپڑے بدلے قاصد کے ساتھ بارگاہ خلافت میں پہونچا۔ علی بن عیسٰی پہلے سے موجود تھا۔ خلیفہ نے سعدون کو سامنے بچھی ہوئی چوکی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور قاصد سے کہا۔

حمّاد کو بھی بلا لاؤ۔ ذرا دیر میں ہانپتے کانپتے حمّاد صاحب تشریف لائے۔ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ امین نے شفقت اور التفات کے لہجے میں حمّاد سے کہا۔

تم کچھ گھبرائے سے نظر آتے ہو تمہارے لئے کوئی اندیشہ نہیں (سعدون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اگر سزا ملے گی تو اِس بجگہ بھگت کو تم کو تو احتیاطاً آج کے دن اپنا مہان رکھا تھا۔

خلیفہ نے سعدون سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

فضل بن ربیع چند لمحوں میں ہمارے پاس پہونچنے والے ہیں۔ تم نے جو باتیں کہی ہیں فضل کے آنے کے بعد ان کی تصدیق یا تردید ہو جائے گی اور اِسی پر تمہاری جان کی سلامتی اور مستقبل کی بہتری کا انحصار ہے۔

سعدون بہ دستور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اُس کے چہرے پر کسی طرح کی دہشت یا سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اتنے میں حاجب حاضر ہوا اور اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر اور گردن جھکا کر عرض کیا۔

"فضل بن ربیع باب خلافت پر اذن باریابی کا منتظر ہے"۔

یہ سن کر امین کے چہرے پر مسرت کے آثار طاری ہو گئے اور اس نے کہا۔

"ہمارا معتمد وزیر فضل آ گیا اُسے آنے دو ہم اُسی کا انتظار کر رہے تھے۔"

حاجب نے پردہ اُٹھایا۔ فضل اندر داخل ہوا چہرے سے ماندگی کے آثار ہویدا تھے۔ وہ تسلیمات اور کورنش بجا لایا اس کی عمر تقریباً ساٹھ سال

سعدون۔

میرے عزیز جو کچھ میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں وہی اگر تم بھی دیکھتے تو اس وقت تمہاری مسرت کا نہ جانے کیا عالم ہوتا۔

حمّاد۔

کیا دیکھ رہی ہیں آپ کی آنکھیں؟

سعدون۔

آپ کی سربلندی اور سرفرازی کامیابی اور کامرانی خوش بختی اور فیروزمندی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔

حمّاد۔

واہ بھئی واہ یہ بھی اچھی رہی جیل خانے میں بیٹھ کر اس طرح کی باتیں آپ ہی کر سکتے ہیں۔

یونہی باتوں میں رات بیت گئی۔ صبح کا نور پھیلنے لگا۔ یکایک خلیفہ کا قاصد پہونچا اس نے سعدون سے کہا۔

"امیرالمومنین نے آپ کو یاد فرمایا ہے"!

پھر قاصد سے حمّاد نے پوچھا۔

کیا میں بھی چلوں؟

قاصد نے جواب دیا۔

نہیں ـــ آپ کی طلبی نہیں ہوئی ہے۔

حمّاد کا منہ اتر گیا سعدون نے مسکراتے ہوئے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا میں تمہارا ہرا دل بن کر جا رہا ہوں۔ بہت جلد طلب کئے جاؤ گے۔ اور دیکھ لوگے کہ میرا کہا حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

امیرالمومنین روشن ضمیر ہیں انھوں نے بالکل صحیح فرمایا۔

امین۔

تو کہو کہتے کیوں نہیں۔

فضل بن ربیع۔

کیا یہیں اس مجمع میں؟

امین۔

ہاں کوئی پروانہ کرو یہ سب ہمارے قابل اعتماد لوگ ہیں۔ حاضرین میں ایک تمہارا بیٹا حماد ہے ظاہر ہے وہ ہماری اور تمہاری نگاہ میں یکساں معتمد ہے۔ یہ علی بن عیسٰی کوتوال شہر ہے۔ تمہارا نیازمند اور ہمارا جان نثار اور یہ تیسرا شخص جو بیٹھا ہے اس کی بھی پروانہ کرو۔

فضل بن ربیع۔

کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ یہ کون شخص ہے؟

امین۔

آپ بہت بڑے منجم ہیں اور آپ کا دعوٰی یہ ہے کہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ اسی امتحان کے لئے یہاں پکڑ کر زبردستی بٹھائے گئے ہیں۔ سچے نکلے تو توقع سے زیادہ انعام پائیں گے۔ جھوٹے ثابت ہوئے تو جسم اور جان کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

علی بن عیسٰی۔

غلام کی رائے ہے اگر یہ جھوٹا ثابت ہو تو فوراً اس کی گردن ماری جائے۔ اور اگر سچا ثابت ہو تو قصر خلافت کے منجموں کا افسر اعلٰی بنا دیا جائے۔ تاکہ اس کی ہمہ وقت موجودگی سے ہم حسب ضرورت معلومات حاصل کرتے رہیں۔

کی تھی. ڈاڑھی سفید ہو چلی تھی. ماتھے کی شکنیں بڑھ گئی تھیں. وہ ایک سیاہ قبا پہنے تھا. خلفاء عباسیہ کا درباری لباس یہی تھا. امین فضل کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اپنے پہلو میں مسند پر جگہ دی، فضل نے عرض کیا۔

سیدھا امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں. غسل اور تبدیل لباس کے لئے بھی گھر نہ جا سکا. امید ہے امیرالمومنین میری اس ہئیت گدائی کو دیکھ کر اور کچھ خیال نہ فرمائیں گے۔

امین ہنسنے لگا اس نے کہا۔

تمہاری اطاعت اور وفاداری سے ہمیں یہی توقع تھی۔ ہمارا اشتیاق بھی دیکھو جب سے تمہاری آمد آمد کی خبر سنی ہے کسی پہلو قرار نہیں اب تم آ گئے تمہیں دیکھ لیا تو جی خوش ہوا۔

فضل نے کہا۔

میرا فرض ہے کہ میں امیرالمومنین کی خدمت میں ان کے والد بزرگوار کی تعزیت کر دوں۔ اور میرا فرض مجھے اِس پر بھی مجبور کر رہا ہے کہ منصب خلافت سنبھالنے پر تہنیت اور عقیدت کا حقیر نذرانہ پیش کروں ــــ!"

امین نے کہا۔

ہم اِن جذبات کی قدر کرتے ہیں۔

فضل پہلو بدل کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔ تاکہ کچھ مخصوص باتیں خلیفہ کے گوش گذار کرے۔ امین نے اس کی یہ کیفیت محسوس کر لی اور کہا۔

شاید تم کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہو؟

فضل بن ربیع۔

امین
(کچھ سوچتے ہوئے) اچھا تو تم نے یہ کیا لیکن مامون کے ساتھ تمہارا کیا رویہ رہا۔
فضل بن ربیع۔
وہ خراسان میں موجود ہیں۔ اور فی الحال ان کی حیثیت وہی ہے جو ایک ولی عہد کی ہونی چاہیئے۔
فضل کی یہ باتیں سن کر امین کے چہرے پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اس نے سعدون کی طرف دیکھا جو نہایت بے فکری سے سر جھکائے بیٹھا تھا اور کہا کمبخت یہ غیب کی باتیں تو نے کیسی جانیں تو انسان ہے یا جادوگر؟
سعدون۔
میں ایک معمولی آدمی ہوں میں نے جو کچھ بتایا وہ اپنے علم کے رُو سے۔
امین۔
تم سچے ثابت ہوئے ہم آج سے تمہیں اپنے نجومیوں کا افسر اعلیٰ مقرر کرتے ہیں۔
یہ سن کر سعدون ہاتھ باندھ کر امین کے سامنے کھڑا ہوگیا اور درازی عمر اور ترقی اقبال کی دعا دینے کے بعد کہنے لگا۔
یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جس کا بوجھ شاید میرے کمزور کاندھے نہ اٹھا سکیں۔
امین۔
ہم جانتے ہیں تم اس منصب کے کتنے زیادہ مستحق ہو۔
یہ کہہ کر امین نے دستک دی حاجب حاضر ہوا اور امین نے اس سے کہا داروغۂ محل کو حکم دو کہ علامہ سعدون کے لئے ایک مکان آراستہ کر دے۔
حاجب سر جھکا کر چلا گیا۔ سعدون نے عرض کیا۔

امین۔

ہاں ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا۔۔۔ فضل اب تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو بتلاؤ تم نے خلافت اور مامون کے بارے میں کیا اقدام کیا؟ امین کے اس سوال پر فضل کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ بڑا چبھتا ہوا سوال تھا۔ امین کے اس سوال کا اُسے کوئی اندیشہ نہ تھا وہ اپنا کارنامہ اس طرح بیان کرنا چاہتا تھا جیسے یہ ایسا اچھوتا واقع تھا جس کی فرشتوں تک کو خبر نہیں۔ اس لئے امین کے سوال کا جواب دیتے ہوا کہا۔

"میرا اقدام دیانت اور وفاداری پر مبنی ہے۔ امیرالمومنین اور خلافت اسلامیہ کا حفظ و بقا میرے اسی اقدام پر منحصر تھا۔"

امین۔

ہمیں تم پر اور تمہاری وفاداری پر پورا اعتماد ہے۔

فضل بن ربیع۔

امیرالمومنین ہارون الرشید نے بعض مفاد پرستوں کی دراندازی سے متاثر ہو کر آپ کے بعد شہزادہ مامون کے لئے خلافت کی بیعت لی تھی اور یہ وصیت بھی کی تھی کہ لشکر کا ساز و سامان اور مال و دولت ان کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن امیرالمومنین ہارون کی وفات کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی اگر مامون کی بیعت قائم رہی تو خلافت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ اور ملت اسلامیہ میں فتنے اور فساد کے لئے دروازے کھل جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا ہم سب لوگوں کی متفقہ طور پر یہ رائے ٹھیری کہ مامون کی بیعت باطل قرار دی جائے۔ اور خلافت صرف امیر المومنین امین کا حق مانا جائے۔

طرح طرح کے وسوسہ اور اندیشے اس شخص کے بارے میں پیدا ہو رہے تھے لیکن امیر المومنین کی موجودگی میں وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

امین فضل سے تفصیلی باتیں کرنے کا مشتاق تھا۔ اس نے عصائے خلافت کو حرکت دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دربار برخاست چنانچہ سب لوگ کھڑے ہوئے۔ فضل بھی جانے کے لئے اٹھا لیکن امین نے کہا۔

"تم بیٹھو دوسرے لوگوں کو جانے دو۔ تم سے ضروری باتیں کرنا ہے۔"

اگر میں نے قصر خلافت میں اقامت اختیار کی تو میرا علم کمزور پڑ جائیگا۔ کیونکہ مجھے تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت ہے وہ محل کی گھما گھمی میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں تو اس اعزاز کے قبول کرنے سے انکار کر دیتا۔ لیکن امیر المومنین کے لطف شاہانہ سے اعتراض کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

امین کو سعدون کی ان باتوں سے بڑی حیرت ہوئی آج تک اس نے کسی شخص کو اتنا بے نیاز نہیں پایا تھا۔ اس نے علی بن عیسٰی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اس نے عرض کیا۔

"علامہ سعدون کا کردار ایسا ہی بے لوث ہے"۔

امین۔

ہمیں اس میں کوئی تامل نہیں کہ سعدون کو آزاد چھوڑ دیں۔ لیکن اگر محل میں نہ رہے گا تو ہمیں تو حسب ضرورت ہم اسے کس طرح پا سکیں گے؟ اور اس کے علم کی ہمیں بار بار ضرورت پیش آئے گی؟

سعدون۔

میں اس کے لئے تیار ہوں کہ دار الخلافت میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لوں لیکن یہ سہولت مجھے دی جائے کہ جب کبھی اپنے علمی اور فنی کام کے سلسلہ میں باہر جانا چاہوں تو کسی طرح کی روک ٹوک نہ ہو البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی امیر المومنین ضرورت محسوس کریں گے میں موجود ہو جاؤں گا۔

امین۔

اچھی بات تمہیں یہ رعایت دی جاتی ہے۔

فضل بن ربیع خاموش بیٹھا سعدون کو گھور رہا تھا۔ اس کے دل میں

سمجھ میں نہیں آتا یہ سلمان کا بچہ کہاں مر گیا جاکر۔

عبادہ۔

میں خود حیران ہوں، حد ہو گئی بے پروائی کی۔

دنانیر۔

مصیبت یہ ہے کہ شہزادی زینب بہزاد کے علاوہ کسی اور حکیم کا علاج کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ وہ ایک ضدی ہے۔ چاہے خدانخواستہ جان چلی جائے لیکن کسی دوسرے حکیم سے علاج نہیں کرائے گی۔

عبادہ۔

بہزاد سے ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ دنانیر مجھے حیرت یہ ہے کہ یہ کمبخت سلمان کہاں روپوش ہو گیا؟

میمونہ۔

واقعی حکیم صاحب کا اب تک نہ آنا تعجب انگیز ہے۔ لیکن ضرور کوئی خاص بات ہے۔ ورنہ وہ اب تک ضرور آگئے ہوتے۔ اور مجھے یقین ہے بہت جلد آجائیں گے۔

دنانیر۔

ہاں بیٹی یہ تو سچ کہتی ہے۔ مجھے بھی یہی اُمید ہے لیکن شہزادی کا حال دیکھ دیکھ کر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

عبادہ۔

میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مدائن چلی جاؤں۔ لیکن تم نے اجازت دی نہ سلمان راضی ہوا۔ میں جاتی ہوں وہ یقیناً وہیں ملے گا۔ گھر میں نہ ہو گا تو

(۲۹)

پَریشانی!

سلمان یعنی سعدون دنانیر سے یہ وعدہ کرگیا تھا کہ کل صبح تک میں بہزاد کو لے کر آتا ہوں۔ پُورا دن گزر گیا۔ پُوری رات گذر گئی۔ دوسرے دن کا بھی معقول حصّہ گزر گیا۔ لیکن بہزاد کا پتہ چلا نہ سعدون صاحب تشریف لائے۔ قصر ہامون میں ہر شخص پیکر اضطراب بنا ہوا تھا۔ زینب کی طبیعت کافی خراب ہوگئی تھی۔ وہ بخار میں مبتلا تھی۔ دنانیر اور عبادہ اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں۔ میمونہ تو اس کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی۔ دنانیر نے لاکھ لاکھ سر پٹکا مگر وہ کسی دوسرے حکیم سے علاج پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس کے دل میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ صرف بہزاد ہی صحیح علاج کرسکتا ہے۔

دنانیر کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ سلمان صاحب علامۂ سعدون بنے ہوئے امین کے قصر خلافت میں ایک بہت بڑے منصب پر سرفراز ہوچکے ہیں۔ وہ اس بات پر جل رہی تھی کہ سلمان (سعدون) کتنا جھوٹا ہے کہ نہ بہزاد کو لے کر واپس آیا نہ خود لوٹا اس نے عبادہ سے کہا۔

دنانیر۔
ہاں ٹھیک ہے۔یہی مناسب ہے۔

اتنے میں دروازے پر کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی میمونہ لپک کر پہنچی۔ لیکن یہ صرف اس کا خیال تھا۔ کوئی شخص بھی موجود نہ تھا وہ واپس آ کر چپ چاپ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

دنانیر اور عبادہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ میمونہ خاموش تھی لیکن اس کا دماغ خاموش نہ تھا۔ درحقیقت بہزاد کی اس طویل غیر حاضری نے اُسے سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ زینب کی علالت سے وہ فکرمند ضرور تھی لیکن اصل فکر یہ تھی کہ بہزاد کہاں غائب ہے۔ کہیں خدانخواستہ اُسے کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟ اپنی دادی عبادہ کے ساتھ مدائن جانے کے لئے جو وہ ضد کر رہی تھی اس کا سبب بھی یہی تھا کہ اپنے عاشق اور محبوب کی تلاش اور تفتیش میں ذاتی طور پر وہ خود بھی حصہ لینا چاہتی تھی۔ عبادہ اس کی دادی تھی اور اُسے بے انتہا چاہتی تھی لیکن بہزاد کے بارے میں عبادہ پر بھی اُسے پورا اعتماد نہ تھا۔ وہ سوچتی تھی ممکن ہے دادی جان مدائن جا کر دو ایک مقامات پر اُسے تلاش کریں پھر واپس چلی آئیں۔ میں گئی تو وہاں کا چپّہ چپّہ چھان ماروں گی۔ اور جس طرح بھی ہو سکے گا۔ جہاں بھی سراغ لگنے کا امکان ہو گا۔ وہاں جاؤں گی۔ ڈھونڈوں گی اور آخر کار اپنا گوہرِ مقصود لے کر واپس آ جاؤں گی۔

کسی کھنڈر میں ہو گا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح میں اُسے تلاش کر لوں گی۔

دنانیر:
یہ اچھا نہیں لگتا کہ جس خطرے کی جگہ سے آکر آپ نے یہاں پناہ لی ہے وہاں پھر جائیں۔

عبادہ۔
تو وہاں میرا کوئی کیا بگاڑے گا۔ اکیلی جاؤں گی۔ اور جلد ہی واپس آجاؤنگی۔

میمونہ۔
میں بھی چلوں گی دادی۔

دنانیر:
بیٹی تم کیا کرو گی جاکر۔

میمونہ۔
مجھ سے شہزادی زینب کی حالت نہیں دیکھی جاتی ہیں اور دادی مدائن جاکر حکیم صاحب کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور انھیں لے کر جلد سے جلد واپس آئیں گے۔

عبادہ۔
اچھا دیکھا جائے گا —— تو دنانیر پھر میں کب جاؤں؟

دنانیر:
اب شام ہو چکی ہے۔ اِس وقت آپ کا جانا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اگر آج رات کو بھی سلمان یا بہزاد میں سے کوئی نہ آیا تو پھر صبح چلی جائیے گا۔

عبادہ۔
خیر تم کہتی ہو تو رک بھی جاتی ہوں۔ لیکن صبح ضرور چلی جاؤں گی۔

میمونہ۔

کیوں نہیں؟ ایک تو اِس لئے کہ شہزادی زینب کے حسنِ سلوک نے ہمیں بندۂ بے دام بنا رکھا ہے دوسرے بروقت نگہداشت کے لئے حکیم کی ضرورت ہے۔ اور وہ بہزاد کے علاوہ اور کسی حکیم سے علاج نہیں کریں گی۔ علاوہ ازیں بہزاد کے ہم لوگوں پر احسانات ہیں ان کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ہم اُس کو تلاش کریں۔ وہ ضرور کسی بپتا میں گرفتار ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ اب تک غائب رہتا۔

عبادہ۔

تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ ہم کو مدائن جانا چاہیئے۔ دنانیر آرہی ہے۔ وہ کشتی کا انتظام کر دے گی ــــ دنانیر ہم دونوں مدائن جارہے ہیں تاکہ بہزاد کو تلاش کریں۔

دنانیر۔

ضرور جایئے میں داروغہ کو حکم دیتی ہوں کشتی کا بندوبست ابھی ہوا جاتا ہے ذرا دیر میں۔

واقعی ذرا دیر میں کشتی کا انتظام ہو گیا، ایک خوبصورت اور آراستہ کشتی محل کے کنارے دریا کے رُخ پر آکر کھڑی ہو گئی۔ اس میں چند غلام اور ملّاح پہلے ہی سے موجود تھے۔ کشتی میں بیٹھنے کے بعد عبادہ نے ملّاح کو ہدایت کی کہ جنوب کی طرف کھیتا ہوا لے چلے۔ میمونہ ایسے رُخ پر بیٹھی تھی کہ اگر بہزاد گھوڑے پر اِدھر سے گذرتا تو آسانی سے دیکھ لیا جاتا۔ عبادہ دوسری جانب بیٹھی تاکہ بہزاد یا سلمان (سعدون) اگر کشتی میں آرہے ہوں تو نظر آجائیں۔ کشتی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مدائن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میمونہ اِیما

(۳۰)

ایک نئی مُصیبت!

دوسرے روز بھی نہ سلمان (سعدون) کا سراغ لگا نہ بہزاد نظر آیا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ زینب کا بخار اُتر چکا تھا۔ البتہ کمزوری باقی تھی۔ میمونہ اپنی دادی عبادہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔

اب تک سلمان آیا نہ بہزاد کا پتہ چلا۔ شہزادی زینب اتنی سخت بیمار پڑیں اور ہم ان کی کوئی خدمت نہ کرسکے۔ اب تو بخار اُتر چکا ہے لیکن بہت کمزور نظر آرہی ہیں"۔

عبادہ نے جواب دیا۔

ہاں بیٹی بات تو یہی ہے لیکن ہم لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں؟

میمونہ۔

کل تو آپ مدائن چلنے کو کہہ رہی تھیں۔

عبادہ۔

تمہارے خیال میں اب بھی ہمیں مدائن جانے کی ضرورت ہے!

جلد ہم سے آگے نکل جائے گی۔
کشتی جب قریب پہنچی تو عبادہ نے دیکھا اس میں کچھ سپاہی اور سردار حسن کی ٹولی کے چند مسلح غنڈے سوار ہیں بعض لوگ نشہ میں دھت ہیں۔ اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں کچھ اور لوگ ہیں جو طرح طرح سے نشاط و مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔
ایک شخص کہہ رہا تھا۔
اب کمانے کا زمانہ آیا ہے۔
دوسرا بولا۔
جان ہتھیلی پر رکھ کر جو بھی کوشش کرے گا وہ ناکام نہیں رہے گا۔ اس وقت ہم جس مہم پر جا رہے ہیں اگر خدا نے کامیاب کیا تو وارے نیارے ہیں۔
ایک اور آدمی نے کہا۔
لیکن سمجھ میں نہیں آتا اس خراسانی حکیم کے گرفتاری پر اتنا بڑا انعام کیوں رکھا گیا؟ نہ وہ کوئی ڈاکو ہے نہ بادشاہ لیکن انعام اتنا بڑا۔
پہلے آدمی نے کہا۔
ارے بھائی ہم کیا جانیں۔
"رموز مملکت خویش خسرواں دانند"
ہمیں جو حکم ملا ہے اس کی پیروی کریں گے۔
ایک اور آدمی نے کہا۔
خدا کرے زندہ یا مردہ ہاتھ آ جائے بس پھر مزا ہے۔
دوسرا شخص گویا ہوا۔
لیکن یہ مدائن میں کیوں چھپا ہے جا کر؟ وہاں اس کے کون سے حوالی موالی

وقت ذوق وشوق میں کھوئی ہوئی تھی۔اس کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا کہ بہت جلد مدائن پہنچے گی۔اور وہاں بہزاد نظر آئے گا۔یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے پیچھے سے کوئی کشتی اور آرہی ہے۔میمونہ نے گردن موڑ کر دیکھا تو ایک نہایت خوبصورت کشتی اسی طرف آتی ہوئی نظر آئی اس کشتی پر سونے کی پچی کاری کی ہوئی تھی۔اور سامنے کے رُخ پر ہاتھی کا چہرہ ایک لمبی سونڈ سمیت بنا ہوا تھا۔میمونہ نے عبادہ کے ٹھوکا لگایا اور کہا۔

"دیکھتی ہو یہ کیسی کشتی آرہی ہے؟"

وہ بولی۔

"یہ خلیفہ کی خاص کشتی ہے خلیفہ نے اپنے لئے خاص قسم کی پانچ کشتیاں بنائی ہیں جن میں ایک شیر کی طرح دوسری ہاتھی کی طرح تیسری شہباز کی طرح چوتھی اژدھے اور پانچویں گھوڑے کی طرح ہے۔"

میمونہ نے پوچھا۔

پھر تو ان کشتیوں کی تیاری پر بڑی رقم صرف ہوئی ہوگی۔

عبادہ نے جواب دیا۔

ہاں بیٹی بادشاہوں کے لئے رقم کوئی اہمیت نہیں رکھتی وہ جو چاہیں ہو ہی جانا چاہیئے۔روپیہ کتنا صرف ہوتا ہے۔اس کی پرواہ کون کرتا ہے۔

میمونہ۔

لیکن کشتی ہمارے پیچھے پیچھے کیوں آرہی ہے؟ کہیں یہ لوگ ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہے ہیں؟

عبادہ۔

ایسا تو نہیں معلوم ہوتا۔دیکھو کتنی بڑی تیزی سے آرہی ہے۔بہت

فوراً دریا میں چھلانگ لگا دے گی لیکن دفعتاً اُس کے کانوں میں آواز آئی کوئی کہہ رہا تھا: "کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔ دیکھتے نہیں اِس کشتی پر کِس کا جھنڈا لہرا رہا ہے؟"

یہ سُن کر وہ بدمعاش چُپ ہو گئے اُن میں سے ایک نے آہستہ سے کہا۔

"غضب ہو گیا یہ تو امیرالمومنین امین کے بھائی مامون الرشید کی کشتی ہے چلو آگے بڑھو چلو۔ خیریت اِسی میں ہے کہ اِس کشتی کی طرف ہم نے نظر بھر کر بھی نہ دیکھا۔"

شاہی کشتی آگے نکل گئی اب میمونہ کے جان میں جان آئی وہ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی اور اس نے عبادہ سے کہا۔

دادی تم نے سُنا یہ لوگ کسے گرفتار کرنے جا رہے ہیں؟

عبادہ نے میمونہ کو اطمینان دیتے ہوئے کہا۔

ہاں بیٹی یہ لوگ بہزاد کی فکر میں ہیں۔ لیکن انشاء اللہ یہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ راستے سے ناواقف ہیں۔ دُور کے راستے سے جا رہے ہیں ہم اِس سے بہت پہلے پہنچ جائیں گے۔ اور بہزاد کو ان لوگوں کی شرارت کا شکار نہیں بننے دیں گے۔

پھر عبادہ ملّاح کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا۔

بادبان کھول دو اور پُوری طاقت کے ساتھ چپو چلاتے ہوئے آگے بڑھے چلو۔

جمع ہیں اور اگر چند آدمی ہوئے بھی تو ہمارا مقابلہ کیا کر پائیں گے؟
تیسرے آدمی نے کہا۔
اور اگر کریں گے منہ کی کھائیں گے۔
میمونہ نے یہ باتیں سن لیں، اس پر خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا سارا بدن لرز رہا تھا دل ڈوبا جا رہا تھا وہ سمجھ گئی تھی یہ لوگ بہزاد کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں وہ اپنی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ اگر اس کے پاس طاقت ہوتی تو یقیناً اس کشتی پر حملہ کر دیتی اور ایک آدمی بھی زندہ بچ کر واپس جانے نہ پاتا لیکن بہزاد کو بچانا بڑی چیز تھا۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں تو وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شاہی کشتی اب بالکل میمونہ کی کشتی کے مقابل پہنچ چکی تھی۔ اس کشتی پر جو لوگ بیٹھے تھے وہ اب بہت قریب سے صاف نظر آ رہے تھے ان میں سے ایک آدمی کی نظر میمونہ پر پڑی اس نے اپنے ساتھی سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔
"دیکھتے ہو اس کشتی میں ایک قیامت بھی سوار ہے"
اس نے للچائی ہوئی نظر سے میمونہ کی طرف دیکھا اور کہا۔
ہاں بھئی یہ قیامت ہے بہت بڑی قیامت۔
پہلے آدمی نے کہا۔
اس کشتی کو روک لو اور اس چھوکری کو اپنی کشتی میں بٹھالو، ممکن ہے کہ یہ گانا جانتی ہو ذرا اس کا گانا سنیں گے راستہ لطف سے کٹے گا۔
یہ سن کر میمونہ کا خون خشک ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہی تھی۔ ان بدمعاشوں نے اگر اپنے ارادے پر عمل کرنا چاہا تو کوئی نہیں روک سکے گا۔ وہ سنبھل کر بالکل کنارے ہو بیٹھی کہ اگر ان لوگوں نے کشتی روکنے اور اسے پکڑنے کی کوشش کی تو

(۳۱)

مدائن — ایک ویرانہ!

ملاحوں نے حکم کی تعمیل کی کشتی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں چلے جا رہی تھی۔ میمونہ کے قلب نازک کی اس وقت عجیب کیفیت تھی۔ اب تک اسے یہی فکر تھی کہ بہزاد کہاں غائب ہے۔ غم فراق نے جان پر بنا رکھی تھی۔ اب ایک نئی فکر تھی وہ بہزاد کی سلامتی اور حفاظت کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی ایسے نیک، شریف، پاک باز، خوش اطوار، خاموش مزاج مرنجان مرنج، گوشہ نشین، اور دنیا بیزار، شخص سے ایسا کونسا جرم سرزد ہوا ہے کہ اس کی تلاش میں سرکاری پیادے ایک بہت بڑے انعام کی لالچ میں بھاگے جا رہے ہیں۔ خدا کرے ہم لوگ ان بدمعاشوں سے پہلے مدائن پہنچ جائیں۔ اور بہزاد کو اس خطرے سے بچا لیں۔

ذرا دیر میں کشتی عبادہ کے اشارہ پر کنارے سے جا کر لگ گئی۔ عبادہ نے میمونہ سے کہا۔

تمہیں یہاں اُتر جانا چاہیئے یہاں سے بہزاد کا مکان قریب ہے۔"

میمونہ یہ سنتے ہی کشتی سے اُتر پڑی عبادہ نے ملاحوں کو ہدایت کردی اس کا انتظار کریں۔ دنانیر نے جن غلاموں کو ساتھ کیا تھا وہ بھی ہمراہ جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن عبادہ نے رُوک دیا۔ اور کہا تم لوگ یہیں رہو ہم حکیم صاحب کو تلاش کر کے جس قدر جلد ہو سکا آتے ہیں۔

عبادہ اور میمونہ تیزی سے مدائن کے ویرانے کی طرف روانہ ہوئے اب شام کا جھٹ پٹا ہو چکا تھا تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ راستہ نہایت ناہموار تھا کہیں گڈھے کہیں چٹان کہیں نالہ کہیں غار کہیں نشیب کہیں فراز۔ میمونہ تو اڑی چلی جا رہی تھی لیکن عبادہ بوڑھی عورت وہ بیچاری تیز رفتاری میں میمونہ کا ساتھ دینے میں بڑی مشکل محسوس کر رہی تھی اس کا سانس پھول رہا تھا پسینہ میں شرابور ہو رہی تھی۔ میمونہ کے دل میں اپنی دادی کا یہ حال دیکھ کر رحم کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ آہستہ آہستہ چلنے لگی لیکن دل بے چین تھا کہ جلد سے جلد بہزاد کے گھر تک پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد کھجور کا ایک درخت نظر آیا۔

عبادہ نے کہا۔

"بس یہ پہلی نشانی ہے۔ اب ہم منزل مقصود سے بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔"

میمونہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آں یہ وہی کھجور کا درخت ہے جس کے گھنے سایہ میں گھر سے نکل کر میں اکثر آ بیٹھتی تھی!"

عبادہ۔

ہاں بیٹی وہی۔

میمونہ۔

ہاں ہم ان سے پہلے پہنچ تو گئے لیکن دادی در وازے پر تو قفل چڑھا ہے۔

عبادہ۔

یہ تو اور اچھا ہے اس کے یہ معنی ہیں بہزاد گھر میں نہیں ہے باہر گیا ہے۔

میمونہ

باہر کہاں جائیں گے۔ جاتے تو بغداد جاتے لیکن وہاں تو ان کی تلاش میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کر دئے گئے لیکن کہیں سراغ نہ ملا۔

عبادہ۔

ممکن ہے کسی دوسرے شہر چلا گیا ہو۔ بہرحال دشمنوں کی زد سے وہ باہر ہے۔ وہ لوگ پہنچ بھی جائیں تو اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

میمونہ۔

خیر یہ تو اطمینان ہوا کہ وہ دشمن کی زد سے باہر ہیں لیکن یہ فکر اب تک پریشان کئے ہوئے ہے کہ آخر وہ ہیں کہاں؟

عبادہ۔

اطمینان رکھو گھبرانے کی کوئی بات نہیں —— چلو اب واپس چلیں۔

میمونہ۔

کہاں —— کیا بغداد؟

عبادہ۔

ہاں اور کیا دیکھتی نہیں ہو رات بڑھتی جا رہی ہے؟

میمونہ۔

نہیں دادی ہمیں ابھی یہاں ٹھیرنا چاہیئے۔

میمونہ۔
اب یہاں سے بہزاد کا گھر چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں آپ بہت زیادہ تھک گئی ہیں لیکن ذرا سی ہمت کام میں لائیے ایسا نہ ہو کہ شاہی کشتی کے لوگ ہم سے پہلے پہنچ جائیں۔

عبادہ۔
نہیں بیٹی وہ لوگ ہم سے پہلے نہیں پہنچ سکتے۔ ابھی وہ دریا ہی میں ہوں گے۔

میمونہ۔
ممکن ہے وہ بھی راستہ مختصر کرنے کے لئے ہماری طرح کسی کنارے پر اُتر پڑے ہوں۔

عبادہ۔
قریب کا راستہ صرف اُسی کو معلوم ہو سکتا ہے جو مدائن میں رہتا ہو یہ لوگ تو اُسی راستہ سے جائیں گے جو عام اور جانا پہچانا راستہ ہوگا۔

میمونہ۔
لیجئے ہم پہنچ گئے۔

عبادہ۔
ہاں یہ کیا دروازہ ہے۔ — لیکن بند نظر آرہا ہے۔

میمونہ۔
شاید اندر بیٹھے ہوں وہ ہمیشہ دروازہ بند کر کے بیٹھتے ہیں۔

عبادہ۔
دیکھو میں تم سے کہتی نہ تھی کہ ہم ان بدمعاشوں سے پہلے پہنچ جائیں گے۔

عبادہ۔

بیٹی یہ شریفانہ جذبہ مجھے بہت پسند آیا میں اس کی دل سے قدر کرتی ہوں۔ اچھی بات ہم ٹھیریں گے۔ اور بہزاد کا انتظار کریں گے۔ دیکھو کچھ شور سا سنائی دیرہا ہے۔ شاید یہ وہی شاہی پیادے ہیں جو اس طرف آرہے ہیں۔ ہمیں یہاں سے کسی ایسی جگہ چلے جانا چاہیئے جہاں سے یہ ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ یہ کہہ کر عبادہ نے میمونہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو ہولی۔ چلتے چلتے ایک جگہ پر عبادہ نے ٹھوکر کھائی میمونہ نے کہا یہ کسی کھنڈر کی ٹوٹی ہوئی بنیاد معلوم ہوتی ہے۔

عبادہ نے جواب دیا۔

ہاں یہ سارا علاقہ آثار قدیمہ سے بھرا ہوا ہے۔ ایرانیوں کے عہد عروج میں اس ویرانے کا چپہ چپہ دامان باغبان اور کف گلفروش تھا یہاں کی رونق آبادی گھما گھمی اور شان و شکوہ دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی تھیں۔ یہ ویرانہ جہاں اس وقت اُلّو بول رہے ہیں اور سیاروں کی آواز آرہی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا کبھی دنیا کا بہت بڑا اور مشہور اور قابل دید شہر تھا۔ یہاں کی سربفلک عمارتیں یہاں کی تہذیب و تمدن، تعلیم، معاشرت، ان سب چیزوں کا چرچا سن کر لوگ دور دور سے زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ میں نہیں جانتی یہ کس عمارت کے آثار ہیں۔ لیکن یہ سامنے جو کھنڈر نظر آرہا ہے یہ شہنشاہ کسریٰ کا محل تھا۔ اور اس کے قریب ہی دوسرے کھنڈر جو دکھائی دے رہے ہیں وہ قصر شاپور تھا جب بغداد کی بنیاد نہیں پڑی تھی تو عباسیوں کے پہلے خلیفہ منصور نے شروع شروع میں یہاں اقامت اختیار کی تھی۔

پھر جب بغداد بن گیا تو یہ ویرانہ پھر ویرانہ بن گیا۔ بہزاد جو مدائن سے

عبادہ۔
یہاں ٹھہر کر ہم کیا کریں گے بیٹی؟
میمونہ۔
بہزاد کا انتظار کریں گے، اسے تلاش کریں گے۔
عبادہ۔
کچھ تیرا دماغ خراب ہوا ہے، رات کا وقت اندھیرا سنسان اور ویران جگہ، یہاں ٹھہر کر کیا ہم اپنے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی نہیں کرلیں گے؟
میمونہ۔
کچھ بھی ہو میرا فیصلہ تو یہی ہے — ہیں اس وقت تک یہاں سے نہ جانا چاہیئے جب تک شاہی پیادے یہاں آکر اور مایوس ہو کر واپس نہ چلے جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اس اثنا میں بہزاد ادھر اُدھر سے گھومتا گھامتا آجائے تو ہم فوراً خطرے سے مطلع کر دیں گے۔ ورنہ اُسے تو کچھ پتہ ہے نہیں۔ وہ اطمینان سے اپنے گھر آکر بیٹھ جائے گا اور وہ لوگ اُسے گرفتار کرلیں گے۔
عبادہ۔
تیرا تو دماغ چل گیا ہے۔ شاہی پیادوں نے اگر ہم لوگوں کو یہاں دیکھ لیا تو وہ کیا خیال کریں گے؟ اور اگر انھوں نے پوچھ گچھ کی تو ہم کیا جواب دیں گے، بتا تو سہی؟
میمونہ۔
یہ سب سچ ہے۔ لیکن بہزاد کے ہم لوگوں پر جو احسانات ہیں ان کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر بھی ہم اُسے خطرے سے بچانے کی کوشش کریں۔

اتنی دلچسپی رکھتا ہے میرے خیال میں اس کا راز یہی ہے کہ وہ بھی ہماری طرح مسلمان ہونے کے باوجود ایرانی ہے۔ اور اُسے اپنے قومی آثار سے دلچسپی ہے!

---

(۳۲)

نوشیروان کا محل!

شاہی کشتی کے لوگ آئے انھوں نے بہزاد کا گھر قفل توڑ کر دیکھا بھالا لیکن بہزاد تھا نہ اور کوئی، مایوس اور ناکام لوٹ گئے۔ عبادہ اور میمونہ اِن لوگوں کے جانے کے بعد ایک کھنڈر کی طرف بڑھے تھوڑی دیر چلنے کے بعد عبادہ نے میمونہ سے کہا۔

بیٹی اب کہاں کا ارادہ ہے۔

میمونہ نے جواب دیا۔

ضرور ان کھنڈروں میں گھومتے پھرتے ملیں گے ۔۔۔ دادی ہمیں اچھی طرح ان کی جستجو کرلینی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔

عبادہ نے چلتے چلتے ذرا دیر کے لئے دونوں ہاتھوں سے کمر کو سہارا دیا اور کہا۔

"میری رائے بھی یہی ہے"۔

یہ دونوں اُس کھنڈر کی طرف بڑھیں جو مدائن کے مشرق میں واقع تھا۔

کوئی محل نہیں بنوایا تھا۔ معمولی خس پوش جھونپڑوں میں زندگی کے دن بسر کیے۔ اور اپنے خدا سے جا ملے۔ لیکن آج بھی ان کے نام سے دنیا کانپتی ہے۔ ان کی عظمت اور بڑائی کے آگے سر جھکاتی ہے اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

یہ دونوں اسی طرح باتیں کرتی ہوئی کھنڈر کے مختلف حصّوں سے گذرتی ایک مقام پر پہنچیں تو وہاں کچھ لوگوں کے سرگوشیاں کرنے کی آواز آئی عبادہ نے میمونہ سے کہا۔

"بیٹی یہ کیسی آواز سی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں کہیں لوگ چھپے باتیں تو نہیں کر رہے ہیں؟"

میمونہ نے کان کھڑے کئے ذرا دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

نہ کسی کی آواز آ رہی اور نہ کوئی اس طرف ہے لیکن مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہم یہاں کا کونہ کونہ چپّہ چپّہ تلاش کریں گے۔

عبادہ کے لئے میمونہ کی رائے مان لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ پھر بھی اس نے کہا۔

لیکن ملّاح جو ہماری جان کو رو رہے ہوں گے۔"

میمونہ نے بے پروائی سے جواب دیا روتے رہنے دو۔ ہمیں اپنا کام بہر حال کرنا ہے۔ عبادہ میمونہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ یہ دونوں گرتی پڑتی پتھروں کی ٹھوکر کھاتی خاردار درختوں سے الجھتی نشیب و فراز طے کرتی ایوان کے دروازہ پر پہنچیں۔ میمونہ کو یہاں آنے کے بعد جھرجھری سی محسوس ہوئی وہ آگے بڑھتے بڑھتے دہشت زدہ ہو کر پچھلے قدم واپس ہوئی۔ عبادہ نے پوچھا کیا بات ہے بیٹی؟ ڈر گئیں۔

ذرا دیر میں وہاں پہنچ گئیں۔ یہ کسی بہت بڑے اور شاندار محل کا کھنڈر تھا۔ اور اس تاریکی میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھیانک دیو کھڑا ہو۔ فضا کی خاموشی اور ویرانی نے ایک عجیب وحشت انگیز سماں پیدا کر دیا۔ تاریکی برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ میمونہ نے اپنی دادی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

وہ بھی کیا زمانہ ہوگا جب یہ محل آباد ہوگا غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت سے تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی ہوگی۔ شہزادیاں اپنی جلوہ آرائیوں سے جنّت کا سماں پیدا کر رہی ہوں گی۔ بزم طرب جمتی ہوگی کہیں رقاصائیں اپنے رقص بے محابا کا جلوہ دکھاتی ہوں گی۔ کہیں گانے والیوں کی نغمہ طرازی سے ایک عجیب کیف کا عالم طاری ہو جاتا ہوگا۔ کہیں بادشاہ کا دربار جمتا ہوگا کہیں ملکہ کی محفل برپا ہوتی ہوگی۔ سکھیوں اور سہیلیوں کے جھنڈ ادھر سے اُدھر رقص کناں محو خرام ہوتے ہوں گے۔ امرأ، رؤسا، حکام، اور وزراء کے پرے کے پرے جمے رہتے ہوں گے۔ مجرموں کو سزا ملتی ہوگی۔ مظلوموں کی داد رسی کی جاتی ہوگی۔ وفا داروں کو انعام ملتا ہوگا۔ یہ محل اپنے اندر ایک دنیا آباد رکھتا ہوگا۔ لیکن اب یہ کھنڈر ہے نہ کوئی بادشاہ ہے نہ ملکہ نہ شہزادیاں نہ شہزادے نہ فوج نہ سپاہ نہ رونق نہ گھما گھمی کیسی وحشت برس رہی ہے اس مقام پر۔

عبادہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔

ہاں بیٹی دنیا کی ریت رسم یہی ہے۔ اقبال اور اقتدار ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج کہیں ہے کل کہیں۔ یہ کھنڈر کبھی محل تھے اور آج جو فلک بوس اور فلک فرسا محلات نظر آتے ہیں کسی دن یہ بھی کھنڈر ہو جائیں گے۔ باقی رہنے والی چیز صرف نیک اور اچھے اعمال ہیں۔ ہمارے رسولؐ کے صحابیوں نے

(۳۳)

بہزاد کا نیا رُوپ !!

نوشیروان عادل کے زمانے میں اس محل کے بیچ میں ایک بارہ دری تھی۔ اس پر سونے کا ایک تخت تھا جس میں جواہرات کی پچی کاری کی ہوئی تھی۔ تخت پر زربفت کا ایک چتر تھا۔ نوشیروان اسی تخت پر بیٹھ کر مظلوموں کی فریاد سنتا اور ان کی دادرسی کرتا تھا۔ عبادہ نے بارہ دری میں پہنچ کر میمونہ سے کہا۔ بیٹی یہی جگہ ایرانیوں کے دبدبہ اور ٹھنٹھے کا مرکز تھی، لیکن آج یہاں کیسا سناٹا ہے؟

اندھیرا کافی بڑھ چکا تھا۔ میمونہ کو سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس پر سراسیمگی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ اب بہزاد کے ملنے سے مایوس ہو چکی تھی۔ عبادہ نے کہا۔

"بیٹی کب تک اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی اور مجھے کھلاتی رہو گی۔ بہزاد یہاں کہاں سے آیا بہت دیر ہو گئی۔ اب واپس چلو۔"

عبادہ کی بات میمونہ کی سمجھ میں آ گئی اس نے کہا۔

میمونہ نے جواب دیا۔
کس غضب کی ٹھنڈی ہوا کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ ابھی ہم لوگ باہر تھے تو موسم اچھا خاصا خشک تھا یہ کیا بات ہے؟

عبادہ۔
تم اس سے پہلے کبھی یہاں نہیں آئیں یہی وجہ ہے کہ گھبرا رہی ہو۔

میمونہ۔
یہ تو سچ ہے میں آج ہی یہاں آئی ہوں کیا اس ایوان میں جنون کا بسیرا ہے؟

عبادہ۔
(مسکراتے ہوئے) نہ یہاں انسان بستے ہیں نہ جن رہتے ہیں یہ ہوا کی کارفرمائی ہے۔

میمونہ۔
لیکن باہر تو ہوا نہیں چل رہی تھی۔ یہاں آندھی کیسے چلنے لگی؟

عبادہ۔
یہ محل اپنی تعمیر کے لحاظ سے ایک معمہ ہے ہمارے زمانے کے بڑے بڑے ہندس اور معمار بھی اسے حل نہیں کر سکے۔ یہ کچھ ایسے طرز پر تعمیر کیا گیا ہے کہ باہر ہوا ہو یا نہ ہو لیکن یہاں ضرور محسوس ہوگی بہر حال ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اس ایوان میں تو کوئی نہیں ہے آؤ دوسری طرف چلیں۔

یہ دونوں ایوان سے اتر کر اس جگہ پہنچیں تاریخ میں جسکا نام طاق کسریٰ ہے اس کا طول ۱۰۰ گز اور عرض ۵۰ گز ہے تو نوشیروان عادل کے زمانے میں اس کی زیبائش اور زینت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن اب نوشیروان کی ہڈیاں خاک میں مل چکی تھیں محل مٹی کا ڈھیر بن چکا تھا۔

پرد ہ داری می کند بر قصر کسرا عنکبوت   بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

عبادہ۔
نہیں یہ کوئی اور لوگ ہیں۔ بہرحال خدا کا شکر ہے۔ بہزاد یہاں نہیں ہے۔
میمونہ۔
کہیں یہ لوگ ڈاکو نہ ہوں؟
عبادہ۔
ہو سکتا ہے ڈاکوؤں کے سوا یہاں اِس وقت کون آ سکتا ہے۔
میمونہ۔
لیکن اِن لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تو کہیں مار نہ ڈالیں؟
عبادہ۔
خُدا کے لئے چُپ رہو تمہاری یہ کھسر پھسر اُن کے کانوں تک پہنچ گئی تو ضرور اِس طرف آ جائیں گے اور پھر ہماری خیر نہیں۔
میمونہ۔
تو پھر باہر ہم کس طرح نکلیں؟
عبادہ۔
اِس ستون کے پیچھے چھپی کھڑی رہو۔ جب یہ واپس چلے جائیں گے۔ تب ہی ہم باہر نکل سکتے ہیں۔
میمونہ۔
لیکن کشتی والے جو انتظار کرتے کرتے پریشان ہو رہے ہوں گے۔
عبادہ۔
یہ اب سوچ رہی ہو پہلے جب میں نے کہا تھا باتوں میں اُڑا دیا۔

ہاں واقعی اب بہزاد کی تلاش اور جستجو بیکار ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیئے۔
دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر واپس جانے کے لئے مڑے ہی تھے کہ
بارہ دری سے باہر کچھ لوگوں کے چلنے کی آواز محسوس ہوئی عبادہ اور میمونہ سہم کر
ایک کونے میں کھڑی ہوگئیں میمونہ نے آہستہ سے کہا۔
"اوی کچھ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں"
عبادہ نے اس کے کان میں کہا۔
"خاموش ہو جاؤ نہ جانے یہ کون لوگ ہیں دوست یا دشمن؟"
میمونہ۔
لیکن یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں چلو؟
عبادہ۔
میں نہیں جانتی لیکن بیٹی آہستہ آہستہ بولو ایسا نہ ہو۔ ہماری آواز سن کر
اس طرف آ جائیں۔
میمونہ۔
اتنا آہستہ تو بول رہی ہوں ـــــ میرے خیال میں یہ وہی، شاہی کشتی
کے پیادے ہیں۔
عبادہ۔
تو پگلی ہے اچھے خاصے وہ تو ہمارے سامنے ہی واپس جا چکے تھے
اور نہ بھی گئے ہوتے تو یہاں اس وقت آ کر کیا کر لیتے؟
میمونہ۔
ممکن ہے ہماری طرح وہ بھی بہزاد کو تلاش کرتے یہاں تک
آ گئے ہوں؟

یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ تم لوگوں کے دِل میں خواہ مخواہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ ہماری ٹوہ لینے کے لئے کچھ لوگ یہاں موجود ہیں۔ گیدڑ یا اسی قسم کا کوئی جانور ہو گا جس کی چاپ سن کر تم نے یہ خیال کیا کہ یہاں کوئی آدمی ہے۔ بھلا غور تو کرو ایسا وقت ایسا مقام بھلا یہاں کون آسکتا ہے اِس وقت؟

اِس گفتگو سے عبادہ اور میمونہ کو دلچسپی ہوئی اور وہ بڑے انہماک سے اِن لوگوں کی کارروائی دیکھنے لگیں۔

اُس شخص نے ٹوٹے ہوئے ایک ستون پر چراغ رکھ دیا عبا کے اندر ہاتھ ڈالا اور ایک کالے رنگ کا صندوقچہ نکالا پھر اپنے ساتھیوں سے جن کی تعداد چھ تھی۔ مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

دوستو! اب تو کوئی اندیشہ نہیں محسوس ہوتا؟

ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔

نہیں خطرے کی کوئی بات نہیں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیئے ہم توجہ سے سنیں گے۔"

وہ اِن لوگوں کا رہنما جواب میں گویا ہوا۔

ہاں میں چاہتا ہوں آپ لوگ یکسوئی کے ساتھ میری طرف متوجہ ہو جائیں کیونکہ جو کچھ کہوں گا وہ بے حد اہم ہے"۔

یہ آواز سن کر میمونہ کے دل میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اِس لئے کہ یہ آواز ہو بہو بہزاد کی تھی بالکل جیسے بہزاد بول رہا ہو۔

میمونہ نے دیکھا ہر شخص نے اپنی عبا اتار کر زمین پر بچھائی اور اس پر بیٹھ گیا۔ اِن میں سے ہر آدمی سبز رنگ کا عمامہ باندھے تھا۔ کمر میں تلوار حائل تھی۔

میمونہ۔
اگر وہ لوگ کشتی لے کر واپس چلے گئے تو؟

عبادہ۔
ارے عقل کی دشمن چپ۔

میمونہ چپ ہو گئی اس وقت وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی اس کی یہ حالت دیکھ کر عبادہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا اور تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ بیٹی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ یہ لوگ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔

ذرا دیر کے بعد میمونہ نے دیکھا کہ ایک کشیدہ قامت شخص اندر داخل ہوا اس کا سارا بدن عبا میں چھپا ہوا تھا صرف ہاتھ باہر نکلے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں چراغ تھا۔ اس کے پیچھے چند اور لوگ تھے۔ ان لوگوں کی بھی یہی وضع قطع تھی۔

میمونہ ان لوگوں کو دیکھ کر کانپنے لگی اس نے کہا۔
ضرور یہ لوگ جنّات ہیں میرا دل ڈر کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔

عبادہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا بیٹی تو ایک مسلمان لڑکی ہے اور مسلمان سوا، خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں آیت الکرسی پڑھ کر دم کئے دیتی ہوں۔ ابھی تیرا سارا ڈر نکل جائے گا۔ یہ لوگ یقیناً ڈاکو ہیں اسی لئے اپنا منہ چھپائے ہیں۔ شاید یہاں کسی دفینے کی تلاش میں آئے ہوں۔ عبادہ کی ان باتوں سے میمونہ کا دل ٹھیر گیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ جو آدمی سب سے پہلے چراغ لے کر آیا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا اور بولا۔

اِس مطالبے سے مجھے اتفاق ہے صندوقچے کا راز ابھی منکشف کئے دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر بہزاد نے جیب سے کنجی نکالی صندوقچہ کھولا اور کہا جو دیکھنا چاہتا ہے وہ آئے اور دیکھ لے لیکن کسی کی زبان پر یہ بات نہیں آنی چاہئے کہ اُس نے کیا دیکھا۔ دیوار ہم گوش دارد۔

احتیاط اور عاقبت بینی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

لوگ آگے بڑھے اور ہر ایک نے صندوقچہ کے اندر جو چیز تھی اُسے دیکھا اور گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا کوئی شخص نہ تھا جس کے منہ سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ نہ نکلا ہو۔

بہزاد نے کہا۔

دوستو، اور ساتھیو،

اِس معتوب اور مظلوم سر کا تم سے مطالبہ یہ ہے کہ اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھو جب تک انتقام نہ لے لو۔ اگر تم میں ذرا بھی غیرت اور ہمت ہے تو خدا کو گواہ کر کے تمھیں یہ عہد کرنا ہو گا۔

سب نے بہ آوازِ بلند کہا۔

ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بھی اِس مقصد کے حصول میں بہادیں گے۔

اور دوش پر ترکش اور تیر لیکن جس شخص کی آواز بہزاد سے مشابہ تھی وہ اب تک اسی طرح کھڑا تھا آخر میں اس نے بھی اپنی جبا اتاری اور واقعی وہ بہزاد تھا۔

یہ دیکھ کر میمونہ کا دل رقص کرنے لگا۔ اتنی محنت تلاش اور جستجو کے بعد وہ گوہر گراں مایہ ہاتھ آیا۔ اس کا جی چاہا آگے بڑھے اور بہزاد کا ہاتھ پکڑ کر پوچھے تم کہاں تھے۔ میں تمہیں تلاش کرتے کرتے تھک گئی۔ میرے پاؤں زخمی ہو گئے۔ لیکن کہیں تمہارا پتہ نہ چلا۔ اور اب اس حالت میں نظر آئے ہو۔ جسے دیکھ کر میں سہمی جا رہی ہوں۔ آخر تم کون ہو اور کس مقصد سے یہاں آئے ہو لیکن یہ کچھ بھی وہ نہ کہہ سکی۔ اس نے عبادہ سے کہا۔

دادی دیکھتی ہو بہزاد——

عبادہ نے زور سے ایک چٹکی لی جس کا مطلب یہ تھا کہ خاموش وہ خاموش ہو گئی اور حیرت سے دیکھنے لگی کیا ہو رہا ہے؟

بہزاد نے وہ صندوقچہ زمین پر رکھ لیا اور کہا۔

اس صندوقچہ میں جو مقدس چیز ہے اس کی قسم کھا کر آپ لوگ مجھے اطمینان دیجئے کہ ہماری آج کی ساری کارروائی پوشیدہ رہے گی۔ اور یہاں سے باہر اس کی جھلک نہیں جا سکے گی۔

یہ سن کر ایک تند مزاج شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا۔

ہم سے تو قسم لے رہے ہو کہ ہم اعتماد کریں۔ لیکن تم اتنا بھروسہ بھی نہیں کرتے کہ یہ بتا دو اس صندوقچہ میں کیا ہے؟

یکطرفہ وفاداری کی توقع کم از کم مجھ سے نہ کرو۔

بہزاد مسکرایا اور اس نے کہا۔

کشورکشا تاریخ کی چٹان پر اپنا نام اتنے جلی حروف سے کندہ کر چکے ہیں کہ زمانے کی کوئی گردش انھیں ہٹا نہیں سکتی۔ ہمارے علم و حکمت اور علم عرفاں کی داستانیں دنیا کی قوموں کو ازبر ہیں۔"

بہزاد کی تقریر خطابت کی پوری شان کے ساتھ جاری تھی۔ تمام لوگوں پر سناٹا چھایا تھا۔ سب لوگ عقیدت اور عظمت کی نگاہ سے خطیب کو دیکھ رہے تھے۔ اور وہ جوش و خروش کے ساتھ پیکر جذبات بنا رہا تھا۔

"وہ ہم تھے جنھوں نے عربوں کو فرماں روائی سکھائی ان کی مملکت کو وسعت دی وہ ہمارے وزیر تھے جنھوں نے ان کی سیاست اور حکومت کے مشکل مسائل حل کئے لیکن انھوں نے ہمارے ان کارناموں کا صلہ یہ دیا کہ ہمیں روندا پامال کیا۔ لوٹا۔ برباد کر دیا۔ ہم سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن ہمیں کسی کام کا نہ رکھا۔ ہمارے مشاہیر اور اکابر کو قتل کیا انکی گردنیں اڑا دیں۔ انھیں اور ان کے خاندان کو غارت کر کے رکھ دیا ــــــ ابو مسلم خراسانی وہ شخص تھا جس نے عباسی سلطنت کی داغ بیل ڈالی اگر وہ نہ ہوتا تو یہ سلطنت کبھی عالم وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ مگر اسے بے خطا اور بے قصور منصور نے قتل کر دیا۔ ہارون الرشید کا دبدبہ اور طنطنہ اس کا عروج اور فروغ اُس کا جاہ و جلال اُس کا شکوہ اور تجمل یہ سب کچھ رہین منت تھا۔ خاندان برامکہ کا یحییٰ۔ جعفر۔ فضل۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اِس ڈوبتی ہوئی حکومت کو فروغ جاہ و دال عطا کر دیا۔ لیکن ان کا حشر کیا ہوا۔ بے گناہ جعفر قتل کر دیا گیا۔ مظلوم یحییٰ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا' و یہی حشر اُس کے بیٹے فضل کا ہوا۔

(۳۴)

انقلاب کی دعوت!

بہزاد نے حاضرین پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔
آج جس کھنڈر میں ہم مجتمع ہوئے ہیں یہ شہنشاہ کسریٰ کا محل ہے۔ اسی محل کی بارہ دری میں بیٹھ کر نوشیروان عادل مظلوموں کی فریاد سنا کرتا تھا وہ ایک اولوالعزم اور بہادر فرمان روا بھی تھا۔ اس نے انطاکیہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ ہمارے فتح مند لشکر کا سیل رواں کسی کے روکے نہ رکتا تھا۔ وہ ایرانی فوجیں تھیں جنہوں نے مصر پر قبضہ کیا اور وہاں عدل و انصاف کے ساتھ فرمان روائی کی۔ رستم اور سہراب سام اور نریمان شاہ پور اور بزرجمہر ہمارے قومی لیڈر تھے۔ ہم نے دنیا کو بہت سی چیزیں عطا کیں ہماری تہذیب ہمارا تمدن ہماری معاشرت ہماری ثقافت ان چیزوں کی دوسرے نے نقل کی مال و دولت کی ہمیں کبھی کمی نہ محسوس ہوئی ہمارے وسائل و ذرائع حد شمار سے خارج تھے۔ ہماری مملکت اپنی وسعت میں دنیا کی بڑی بڑی بادشاہتوں کی ہمپایہ تھی۔ ہمارے خاتح اور

ہم مٹی کا ڈھیر نہیں ہیں کہ جو چاہے ہمیں ٹھوکر لگائے ہم مشتِ غبار نہیں ہیں کہ ہوا کے جھونکے ہم کو ادھر سے اُدھر اُڑاتے رہیں۔ ہم انسان ہیں ایک عظیم اور جلیل قوم کے فرزند ہیں۔ ہمارا ماضی نہایت شاندار ہے۔ ہماری قومی تاریخ حیرت انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ ہم پر ظلم ہوا گر ہم خاموش رہے۔ ہمیں تباہ کیا گیا۔ لیکن ہم نے اُف نہیں کی۔ ہمیں مٹایا گیا۔ لیکن ہماری زبان شکایت سے آشنا نہ ہوئی۔ ہمیں لوٹا اور برباد کیا گیا مگر ہم ضبط کرتے رہے۔ ہمارے مشاہیر اور اکابر کی گردنیں کاٹیں گئیں۔ مگر ہم نے ضبط سے کام لیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم بیدار ہوں۔ اگر ذرا بھی قومی غیرت اور حمیت ہم میں موجود ہے تو کفن سر سے باندھ کر میدان میں اُتر آئیں۔ ہمیں یہ طے کرلینا چاہیئے کہ اگر زندہ رہیں گے تو وقار اور عزت کی زندگی بسر کریں گے ورنہ جہاں ہمارے آثار و نقوش مٹے ہیں ہمیں بھی مٹ جانا چاہیئے۔ جو زندگی ہم بسر کر رہے ہیں۔ وہ قطعاً ہمارے شایانِ شان نہیں ہے۔ یہ زندگی ایک غیرت مند قوم کے لئے باعث ننگ ہے۔"

بہزاد کی یہ تقریر نہ تھی ایک جادو تھا۔ جس سے تمام لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ خود میمونہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ گوشہ میں کھڑی ستون سے لگی تقریر سن رہی تھی اور اس کا دل فرطِ مسرت سے رقص کر رہا تھا۔ وہ بہزاد سے محبت کرتی تھی۔ لیکن بہزاد کا یہ روپ جو آج اس وقت نظر آرہا تھا اُس کی نظر سے مخفی تھا وہ بہزاد کے بارے میں صرف یہ جانتی تھی کہ وہ ایک خوبصورت نوجوان بہادر اور شجاع حکیم اور عالم شریف اور دانا ہے۔ لیکن یہ بات تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ ایک بہت بڑا خطیب بھی ہے۔ بہت بڑا باغی بھی ہے۔ اور بہت بڑا انقلابی بھی۔

اور اس کے یہ سارے روپ ایک دوسرے سے زیادہ دلکش اور سحر طراز ہیں۔ وہ فخر کی نظروں سے بہزاد کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ قدم آگے بڑھائے بہزاد کے سامنے پہنچ کر سر عقیدت خم کر دے۔ اتنے میں ایک شخص اٹھا اور یوں گویا ہوا۔

"واقعی ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ یہ اقدام اور عمل کا وقت ہے۔ اگر ہم نے غفلت سے کام لیا تو کہیں کے نہیں رہیں گے۔ مٹ جائیں گے۔ ہمارا قومی وجود ختم ہو جائے گا۔"

بہزاد نے کہا۔

ہاں ہم لوگ آج اسی لئے جمع ہوئے ہیں۔ کہ اپنی راہ عمل معین کریں۔ پروگرام بنائیں۔ اور جلد از جلد اس پر عمل شروع کر دیں۔ اس لئے کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا۔

میری رائے یہ ہے کہ ہمیں حزمی جماعت میں شریک ہو جانا چاہیئے۔

ایک دوسرا آدمی بولا۔

وہ ایک منظم جماعت ہے جو ایک عرصے سے ایرانی نہضت و ارتقاء کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس کے پاس سرفروشوں کی جماعت ہے کار آزمودہ اور جنگجو آدمی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایرانیت کے فروغ و بقاء کی علمبردار ہے۔ صرف یہی ایک جماعت ایسی ہے جس سے تعاون کر کے ہم اپنا مقصد جلد از جلد حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر بہزاد کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے برہمی کے عالم میں کہا اے شخص کیا تجھے معلوم ہے کہ حزمی جماعت کا عقیدہ کیا ہے۔ وہ اسلام کے

نیا ولولہ پیدا کیا۔ اسلام ہی کی بدولت ہماری ذہنی اور دماغی ترقیوں کے دروازے کھلے ہم کسی ایسی کارروائی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ جو اسلام کے خلاف ہو۔ ہم ہر اُس تحریک کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے جس کا مقصد اسلام کو زک پہنچانا ہو۔ لہذا جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں ایک مرتبہ اپنا جائزہ لے لینا چاہیئے اور طے کر لینا چاہیئے کہ وہ کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آگے بڑھنے سے پہلے ہمارا فکری اختلاف ہمارے قوائے عمل شل کر دے۔

بہزاد کے اِن الفاظ کے جواب میں حاضرین نے جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید کی اور ہر شخص نے عہد کیا کہ ہم پہلے مسلمان ہیں۔ پھر ایرانی یا خراسانی یا کچھ اور ہم عربوں سے اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کے ظلم و جور کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم کوئی ایسی بات کریں جس سے اسلام کو کسی طرح کا زک پہنچے۔

من و تو گرفتار شدیم چہ باک
غرض اندرمیان سلامت اوست

سب لوگوں نے اُس شخص کی طرف حقارت کی نظروں سے دیکھا بہزاد نے اور دوسرے لوگوں نے جب زیادہ پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ یہ مجوسی شخص تھا جو خرمی جماعت کا نمایندہ بن کر ایک عرصے سے بغداد میں پوشیدہ طور پر اپنی تحریک چلا رہا تھا۔ یہ معلوم ہونے کے بعد اُس شخص کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور بہزاد نے اس سے کہا۔ تم اس وقت تک گرفتار رہو گے جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اب خرمی تحریک کا کوئی اثر بغداد میں موجود نہیں۔ پھر بہزاد کے حکم سے اُس شخص کو ایک تہہ خانہ

مذہب پر عامل ہیں؟
اس شخص نے جواب دیا۔
یہ ایسا کھلا ہوا سوال ہے جس کا جواب ہر شخص کو معلوم ہے۔

بہزاد۔
مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حرمتی جماعت درحقیقت ایک مجوسی جماعت ہے۔ اور اس کا مقصد حیات صرف یہ ہے کہ ـــــ
وہی شخص بیچ میں بول پڑا۔
ایرانی ثقافت اور روایات کو پھر سے زندگی اور تابندگی بخشی جائے۔

بہزاد۔
یہ غلط ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کو فنا کر دیا جائے بیشک ہم ایرانی ہیں اور ہمیں اپنی ایرانیت پر فخر ہے۔ لیکن سب سے پہلے ہم مسلمان ہیں اور اپنے فرائض سے کسی حالت میں دست بردار نہیں ہو سکتے اسلام پر ایرانیت قربان کی جا سکتی ہے لیکن ایرانیت پر اسلام قربان نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں عربوں سے شکایت ان کی عصبیت تنگ نظری احسان فراموشی ظلم سفاکی سے ہے۔ ان سب چیزوں سے ہم بیزار ہیں ان کا مقابلہ کرنے کا ہم تہیّہ کر چکے ہیں۔ اور زندگی کی آخری سانس تک ان لغویتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ لیکن اسلام کے خلاف ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ اسلام نے ہمیں گمراہی سے نکالا۔ اور ہدایت کے راستہ پر کھڑا کر دیا۔ اگر ہم نے اسلام قبول نہ کیا ہوتا تو فکر و عقیدہ کی گمراہیاں ہم پر آج بھی مسلط ہوتیں۔ اور ہم زمین کی پیٹھ پر ایک بوجھ ہوتے وہ اسلام ہی ہے جس نے ہمارے اندر نئی روح پیدا کی۔ نیا جذبہ پیدا کیا۔

پروازی کا موقع نہیں ملے گا۔ اور کاروبار مملکت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتا رہے گا۔

حاضرین نے پُر زور تائید کی اور سب نے اُس کے ہاتھ پر مامون کے لئے بیعت کر لی۔

میں لے جاکر قید کر دیا گیا اِس کارروائی کے بعد وہ لوگ پھر جمع ہوئے۔ اور بہزاد نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

حالات تیزی کے ساتھ پلٹا کھا رہے ہیں۔ ہارون الرشید کا انتقال ہو چکا امین تخت خلافت پر قابض ہے۔ اور پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ مامون کی بیعت فسخ کر دی۔ ہمارے مقاصد کا تقاضہ تو یہ ہے کہ خلافت مامون کے ہاتھ آئے اور امین کو اس کی بدعہدی کی سزا ملے۔ لہٰذا آؤ ہم سب مکمل طور پر مامون کی خلافت پر بیعت کریں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اُسے اُس کا حق نہ مل جائے۔ یہی نہیں کہ وہ ایک ایرانی خاتون کی بطن سے ہے۔ بلکہ اپنی شجاعت۔ تدبر۔ معاملہ فہمی اور صلاحیت کے اعتبار سے خلافت کے اعتبار سے خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں شخص ہے۔ امین کے ہاتھوں میں اگر خلافت رہی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بازیچۂ اطفال بن جائے گی۔ اُسے نہ حکومت سے دلچسپی ہے نہ مذہب سے صرف راگ رنگ عیش و عشرت ہاؤ ہو بزم رقص و سرود محفل شعر و نغمہ اور شراب و کباب سے دلچسپی ہے۔ اُس کے خلیفہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی بے تدبیری سے دنیا کی یہ سب سے بڑی اسلامی حکومت متزلزل ہو جائے۔ دشمنوں کو موقع ملے گا کہ اُسے کمزور کرنے کے جتن کریں۔ دراندازوں کو سہولت ہو گی کہ وہ سازشوں سے اس پر اپنا حق جمائیں۔ لیکن اگر مامون جیسا صاحب عظمت شخص منصب خلافت پر فائز ہوا تو یہ حکومت اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گی۔ دشمنوں کو کسی طرح کی دراندازی اور فتنہ

(۳۵)

مقتل کی طرف!

اس وقت بہزاد کی عجیب کیفیت تھی۔ پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ جوش اور جذبات کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس کی تقریر اور گفتگو نے حاضرین میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور سب لوگ ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے وہ ایک بلند مقصد کے حصول کا عہد کر کے اپنی زندگی کو سنوارنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ یہ لوگ ان مختلف جماعتوں کے نمایندے تھے۔ جو در پردہ اور زیر زمین رہ کر انقلاب خلافت کی کوششیں کر رہے تھے۔ بہزاد کے بارے میں انھیں معلوم تھا کہ اس کا مقصد بھی یہی ہے۔ لیکن وہ اس کے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ ایک ایرانی نژاد شخص ہے۔ جس کا پیشہ طبابت ہے۔ اور جو نجوم اور رمل کے علم سے واقف ہے۔ لیکن آج اس سے ملنے اور اس کی تقریر سننے کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ وہ صرف ایک ایرانی اور منجم اور حکیم ہی نہیں ہے۔ بلکہ بہت بڑا مقرر اور خطیب بھی ہے اور

یک انقلابی تحریک کو چلانے اور اس کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت اُس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان در پردہ اور زیر زمین جماعتوں میں ایک جماعت فاطمہ کی بھی تھی۔ فاطمہ ابومسلم خراسانی کی لڑکی تھی۔ اور اب کافی بوڑھی ہو چکی تھی۔ وہ اپنے باپ کے خون ناحق کا انتقام لینے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی تھی۔ اہلِ ایران کی نظر میں وہ غیر معمولی عزت اور احترام کی مالک تھی۔ درحقیقت اِن لوگوں نے بہزاد کی قیادت صرف فاطمہ ہی کی وجہ سے تسلیم کی تھی۔ کیوں کہ وہ بہزاد کی ماں تھی۔ فاطمہ کے خلوص، دردمندی، جوش و خروش اور جذبۂ عمل سے ایرانی قوم پورے طور پر واقف تھی۔ بہزاد وقتاً فوقتاً اپنے مقاصد اور عزائم سے متعلق اس سے صلاح و مشورہ کیا کرتا تھا۔ فاطمہ نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ بہزاد ہی وہ تنہا شخص ہے جو اپنی قابلیت اور ہمت سے اِس خطرناک تحریک کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ اُسی کے مشورے پر مختلف نمایندوں کی یہ مختصر جماعت بغداد آئی تھی۔ تاکہ بہزاد سے مل کر اپنا پروگرام اور لائحۂ عمل طے کرے۔

بیعت کے بعد بہزاد نے اِن لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارا فیصلہ کن اجتماع ہے۔ آج سے یہ تحریک ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ ہمیں بار بار ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہئیے۔ تبلیغ اور پروپگنڈے کا کام نہایت احتیاط لیکن سرگرمی کے ساتھ جاری رکھنا چاہئیے۔ اگر ہم میں یہ طاقت تھی کہ بنو امیہ کا خاتمہ کر دیں اور بنو عباس کو مسندِ اقتدار پر بٹھا دیں تو ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ بنو عباس کے اُس شخص کو مسندِ خلافت سے ڈھکیل دیں۔ جو اِس منصب کی اہلیت

یعنی منصور اور ہارون کے ظلم کو اسلام کا ظلم ثابت کرنا چاہتا تھا۔ ایسے لوگوں کو ساتھ لے کر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ لوگ اگر اس رائے سے متفق ہیں تو ٹھیک ورنہ بیعت فسخ کر دیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

یہ سنتے ہی حاضرین نے بہت پرجوش انداز میں جواب دیا کہ ہم نے آپ کے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے یہ کبھی اور کسی حالت میں نہیں ٹوٹ سکتی۔ زندگی کے آخری سانس تک ہم اپنے عہد اور بیعت پر قائم رہیں گے۔

بہزاد نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

اب یہ جلسہ برخاست کیا جاتا ہے۔

ذرا دیر میں نوشیروان کا ایوان تمام لوگوں سے خارج ہو گیا۔ صرف بہزاد رہ گیا لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس نے احتیاط سے اپنا صندوقچہ بند کیا اور باہر نکلا عبادہ اور میمونہ بھی پیچھے پیچھے باہر آئیں اس نے اپنے پیچھے دو پرچھائیوں کو آتے دیکھا تو حیرت سے بڑھا اور ڈپٹ کر پوچھا۔

تم کون لوگ ہو؟

میمونہ۔

میں ہوں میمونہ اور میری دادی جان عبادہ۔

بہزاد۔

(نہایت متحیر ہو کر) میمونہ؟

تم لوگ یہاں کہاں؟

نہیں رکھتا اور اس شخص کو لا بٹھائیں جس میں اس اہم ذمہ داری کو سنبھالنے کی پوری استعداد موجود ہے۔ آخر میں ایک مرتبہ اور نہایت وضاحت کے ساتھ میں یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے۔ ایران اور عرب کی جنگ نہیں۔ بدقسمتی سے مظلومیت ایرانیوں کے حصہ میں آئی اور ظلم عربوں کے ہاتھ سے سرزد ہوا۔ لہٰذا ہم ایرانیوں کی حمایت و نصرت اور عربوں کی مخالفت اور بغاوت پر مجبور ہیں۔ لیکن اگر ایرانی ظالم ہوتے اور عرب مظلوم تو ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض تھا کہ ایرانیوں کے خلاف بغاوت کرتے اور عربوں کی نصرت و حمایت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔ اسلام ہماری ایسی پونجی ہے جس سے کسی حالت میں ہم بے تعلق اور روگرداں نہیں ہو سکتے۔ ہم ایک انقلابی تحریک کو کامیاب بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ اور انقلاب کے دنوں میں خون کی ندیاں ہمیشہ بہتی ہیں اور یقیناً ہمیں اس تحریک کے مختلف مراحل پر خون کے سمندروں سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن کبھی اور کسی مرحلے پر بھی ہمارے منہ سے ایسی بات نہیں نکلنا چاہیئے۔ جو اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کی حوصلہ افزائی کا سبب ہو نہ کوئی ایسا قدم اُٹھنا چاہیئے۔ جو حق کے بجائے باطل کی تائید میں ہو بیشک ہمیں ساتھیوں اور مددگاروں کی ضرورت ہے۔ اتنا بڑا اور اہم مسئلہ بغیر مخلص اور سرفروش ساتھیوں اور مددگاروں کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن ایسے لوگ نہیں چاہئیں۔ جو صرف تخریب یا اسلام دشمنی کے باعث ساتھ دینے پر تیار ہوں۔ وہ خرمی ایسا ہی بدنفس انسان تھا وہ ایران کے نام پر فتنہ کو ہوا دینا چاہتا تھا وہ منوعیاں

آ گئے، بس اس سے آگے نہ پوچھئے۔

بہزاد۔

تمھیں کیا معلوم کہ میں یہاں مل سکتا ہوں؟

میمونہ۔

ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔

بہزاد۔

تعجب ہے۔ لیکن ——

میمونہ۔

یہاں کھڑے کھڑے کب تک باتیں کریں گے۔ صبح سے ہم آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں میں تو تھک کر چور چور ہو چکی ہوں۔ دادی کی حالت تو اور زیادہ ابتر ہو گی۔

بہزاد۔

یہ مجھے نہیں معلوم تھا میں ابھی آیا۔

یہ کہہ کر بہزاد کھنڈر کے ایک گوشہ کی طرف گیا اور وہاں سے ذرا دیر میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے واپس آیا اور عبادہ سے کہا۔

اس پر بیٹھ جائیے۔ ابھی ذرا دیر میں ہم گھر پہنچ جائیں گے۔"

عبادہ۔

کیا تم اپنے گھر چل رہے ہو؟

بہزاد۔

جی ہاں آپ تھک بھی تو بہت گئی ہیں۔

عبادہ۔

میمونہ۔
آپ کی تلاش میں۔

بہزاد۔
کیوں خیریت؟

عبادہ۔
بیٹا تم تو ایسے گئے کہ لوٹ کر بھی خبر نہ لی۔

بہزاد۔
خالہ میں ایک بہت ضروری کام سے گیا تھا ۔۔۔ ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ آپ لوگوں کو ایسے ناوقت یہاں آنے کی زحمت اٹھانا پڑی، بتایئے؟

میمونہ۔
شہزادی زینب بیمار ہیں۔ بڑا سخت بخار آگیا تھا انھیں۔

عبادہ۔
اور وہ اس پر مصر ہوئی تھیں کہ بہزاد کے علاوہ کسی اور کا علاج نہیں کریں گی۔

میمونہ۔
آخر ہمیں یہاں آنا پڑا۔ اور ہم نے آپ کو تلاش کر لیا۔ داد دیجئے ہماری سراغ رسانی کی۔

بہزاد۔
لیکن تم یہاں تک کس طرح آگئیں؟

میمونہ۔

عبادہ۔

میری بچی کا دل ہولنے لگا۔ ان لوگوں کی باتیں سن کر اور کارروائیاں دیکھ کر اسی لئے وہ مجھے لئے لئے یہاں کے ایک ایک گوشہ کونے میں گھومتی رہی کہ جہاں کہیں بھی مل جاؤ اس خطرے سے آگاہ کر دے۔

بہزاد۔

آپ کی اس تکلیف اور میمونہ کے اس خلوص کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عبادہ۔

لیکن کیا تم ہمارے ساتھ مامون کے محل کی طرف نہیں چلو گے۔

بہزاد۔

نہیں ـــــ پہلے اپنے گھر جاؤں گا۔

عبادہ۔

تم مجھے خالہ کہتے ہو میرا ادب اور احترام کرتے ہو لیکن کہنا نہیں مانتے مجھ سے ضد کرتے ہو، یہ تمھیں زیب نہیں دیتا ہے؟ یہ تمھیں نہیں کرنا چاہئے؟

بہزاد۔

آپ خفا نہ ہوں میں دل و جان سے آپ کی عزت کرتا ہوں آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جان بھی قربان کر سکتا ہوں لیکن انسان کی زندگی میں کچھ مقاصد ایسے ہوتے ہیں جن کے راستے میں وہ کسی عزیز سے عزیز اور محترم سے محترم ہستی کی بھی رکاوٹ نہیں برداشت کر سکتا۔

میمونہ۔

مقاصد ـــــ؟

لیکن تمہارا وہاں جانا اِس وقت خلافِ مصلحت ہے۔

بہزاد۔
میں ضرورت دیکھتا ہوں مصلحت کی پروا نہیں کرتا۔

میمونہ۔
لیکن ضرورت کا تقاضہ بھی تو یہ ہے کہ پہلے آپ قصرِ مامون تشریف لے چلیں۔ اور شہزادہ زینب کی دیکھ بھال کریں۔

عبادہ۔
کشتی تیار کھڑی ہے۔

بہزاد۔
سب سے پہلے مجھے گھر جانا ہے۔ آپ بھی وہاں چلئے جتنی دیر آپ ستائیں گی اتنی دیر میں کام ختم ہو جائے گا۔ پھر ہم ساتھ ساتھ قصرِ ماموں چلیں گے۔

میمونہ۔
کچھ بسنت کی بھی خبر ہے آپ کو؟

بہزاد۔
کیا ہوا کوئی خاص بات؟

میمونہ۔
آپ کی تلاش میں شاہی پیادے گھوم رہے ہیں۔ ان کی کشتی ہماری کشتی کے ساتھ ہی ساتھ آئی تھی۔ انھوں نے آپ کے گھر کا قفل توڑ دیا۔ آپ کو بہت تلاش کیا پھر کسی اور طرف ڈھونڈنے چلے گئے۔

میمونہ خالہ کے سامنے زیادہ شرمندہ نہ کرو میں مجبور ہوں تم لوگ قصر مامون روانہ ہو جاؤ۔ میں گھر جاتا ہوں اور وہاں اپنے کام سے فارغ ہو کر جلد از جلد پہنچ جاؤں گا۔

میمونہ۔

شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو وہاں جانے سے اس لئے روک رہی ہوں کہ مجھے اپنی جان عزیز ہے اگر آپ وہاں جانے پر بضد ہیں تو چلئے ہم بھی چلتے ہیں۔ جو کچھ گذرے گی سب پر ایک ساتھ گزرے گی۔

بہزاد۔

نہیں میمونہ تم جاؤ۔

عبادہ۔

بیٹے ہر معاملہ میں ضد نہ کرو۔ اگر خدانخواستہ تمہاری جان کو کچھ گذند پہنچا تو ہم جی کر کیا کریں گے۔ میمونہ سچ کہتی ہے سب پر ایک ساتھ گذر جائے گی جو کچھ گذرنا ہو گی۔

اتنے میں پیچھے سے کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ بہزاد نے فوراً میان سے تلوار نکالی۔ میمونہ نے کہا۔

شاید شاہی پیادے اس طرف آ گئے!"

تلوار لہراتے ہوئے بہزاد نے کہا ـــــــ!

آنے دو! جو بھی ہو گا اس کا سر سلامت نہیں رہ سکتا۔ دفعتاً فضا میں آواز گونجی۔

تلوار میان میں رکھ لیجئے۔ میں دشمن نہیں۔ آپ کا غلام سلمان (سعدون) ہوں۔ اتنے میں سعدون قریب آ گیا۔ بہزاد نے اس سے کہا۔

بہزاد۔
شاید تم مجھ پر طنز کر رہی ہو۔

میمونہ۔
میں نے آپ کی تقریر کا ایک ایک حرف سنا ہے۔ اور اگر میں ایک مجبور اور بے بس لڑکی نہ ہوتی ایک توانا اور تنومند مرد ہوتی تو آپ میرے اس تاثر کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ جو مجھ پر طاری ہوا۔ جانتی ہوں آپ کے مقاصد نہایت بلند ہیں۔ اور ان کے حصول میں جان کی بازی بھی لگا دینی چاہیئے لیکن وہ مقاصد کس طرح حاصل ہو سکیں گے۔ اگر خدانخواستہ آپ سلامت نہ رہے گھر جانا اگر ضروری ہے تو یہ ضرورت کسی اور وقت بھی پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی جان سلامت نہ رہی تو وہ ضرورت کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔

بہزاد۔
تقریر تمہاری خفیہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے۔ اور میں یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اور خوبیوں کے علاوہ تم میں یہ خوبی بھی موجود ہے۔

میمونہ۔
تعریفیں بعد میں کر لیجئے گا۔ اس وقت تو کام کی بات کیجئے۔

بہزاد۔
وہ کیا؟

میمونہ۔
گھر نہ جائیے۔ ہمارے ساتھ قصر ماموں چلئے۔

بہزاد۔

ہونے دو، میں پروا نہیں کرتا۔

سعدون۔

تو کیا آپ تن تنہا اتنے مسلح آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟

بہزاد۔

کیا تم مجھے بھی اپنی طرح بزدل سمجھتے ہو؟

سعدون۔

لیکن میرے آقا یہ بہادری نہیں خودکشی ہے۔

بہزاد۔

میں نے کبھی بھی تمہیں اپنا مشیر اور ناصح نہیں بنایا۔ حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔

سعدون۔

تو چلئے میں بھی آپ کے ساتھ مقتل کی طرف چلتا ہوں۔ آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کروں گا؟

بہزاد نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

خدا پر بھروسہ رکھو اگر وہ ہمارا حامی اور نگہبان ہے تو دشمنوں کی بڑی سے بڑی تعداد بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی ——— آؤ!

تم اِس وقت یہاں کہاں ؟

سعدون۔
جوڑ جوڑ درد کر رہا ہے۔ تلاش کرتے کرتے آپ کو تھک گیا۔

بہزاد۔
بیکار باتیں نہ کرو۔ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ بغداد میں رہو یہاں کیوں چلے آئے۔ میرے حکم سے سرتابی کی جراءت تم میں کیسے پیدا ہو گئی؟

سعدون۔
میرے آقا میں کس طرح بغداد میں بیٹھ سکتا تھا۔ جب میرے سامنے آپ کی گرفتاری کا حکم جاری ہوا۔ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے شاہی پیادوں کا ایک دستہ روانہ ہوا۔ پھر بھیس بدل کر جب میں مدائن پہنچا تو میں نے دیکھا آپ کے گھر کا محاصرہ کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ میرا فرض نہیں تھا کہ آپ کو اِس خطرناک صورت حالات کی اطلاع دیتا۔

بہزاد۔
تم نے اطلاع دی ہم نے سن لی اب واپس جاؤ فوراً۔

سعدون۔
ابھی واپس جاتا ہوں لیکن آپ کا پروگرام کیا ہے۔

بہزاد۔
میں اپنے گھر جاؤں گا۔

سعدون۔
وہاں تو محاصرہ جاری ہے۔

بہزاد۔

جان قربان کر دینا ایک کھیل سمجھتی تھی اور سوچ رہی تھی بہزاد نے جو تحریک چلائی ہے۔ خود اس کی ذات کو بھی اُس سے گہرا تعلق ہے۔ بہزاد اُس کے حسب نسب سے اب تک واقف نہیں تھا۔ لیکن اس تحریک کا مقصد اُس کے مظلوم اور مقتول باپ کا انتقام تھا جو شخص یہ مقصد لے کر اٹھا ہو اُس کا ساتھ دینے پر ہر اعتبار سے وہ اپنے تئیں مجبور پاتی تھی۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا کہ اگر بہزاد کامیاب ہو گیا تو حالات کیسا عجیب پلٹا کھائیں گے۔ اور پست و بلند کا معیار کتنی جلدی بدل جائے گا۔ سب لوگ آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لیکن اپنے اپنے حال میں گُم، یہ لوگ جب آبادی کے قریب پہنچے تو سعدون چونکنا ہو گیا اس نے کہا اگر اجازت ہو تو آگے بڑھ کر دیکھ لوں آپ کے گھر کا محاصرہ جاری ہے یا ختم ہو گیا؟

بہزاد نے جواب دیا۔

نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ محاصرہ جاری ہو یا ختم ہو چکا ہو۔ ہمیں بہر حال وہاں جانا ہے۔

سعدون کے لئے اب خاموشی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جلد ہی یہ لوگ بہزاد کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں کی حالت قابل دید تھی۔ دروازہ ٹوٹا ہوا گھر کی چیزیں بکھری ہوئی قیمتی مال و سامان غائب تھا کوڑے کرکٹ کی طرح جگہ بہ جگہ کتابوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ جلدیں ٹوٹی ہوئی اوراق پھٹے ہوئے۔ بہزاد نے گھر کا یہ منظر دیکھا اور مسکرانے لگا۔ سعدون نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

کمبختوں کو شرم نہ آئی آخر کتابوں نے کیا خطا کی تھی —— میرے آقا

(۳۶)

میں آپ سے محبّت کرتی ہُوں!

سب لوگ خاموشی کے ساتھ بہزاد کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے خیالات اور تاثرات جدا جدا تھے۔ بہزاد یہ سوچ رہا تھا اب تحریک کو آگے بڑھانے اور کامیاب بنانے میں پوری کوشش صرف کر دینا چاہیئے کہ اسی پر عربی عصبیت کے خاتمے کا انحصار ہے۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے۔ اور اس منزل کو سر کرنے کے لئے بڑے بڑے خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لیکن اگر نیت خالص اور جذبہ کھرا ہے تو کوئی بڑی سے بڑی مشکل بھی سنگ راہ بن کر حائل نہیں ہو سکتی اور یہ سوچ کر دل مطمئن ہو جاتا تھا۔ سلمان اور عبادہ کے دل میں صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا وہ یہ کہ بہزاد کے گھر میں کس قیامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن ان میں سے دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور تھے۔ عبادہ کے لئے میمونہ کی وجہ سے اور سعدون کے لئے بہزاد کے سبب آگے بڑھنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔ میمونہ اپنی فکر میں کھوئی ہوئی تھی وہ بہزاد پر

ساتھ گھر کا دروازہ اندر سے بند کرنے چلا گیا۔ میمونہ نے بہزاد کے جانے کے بعد اپنی دادی عبادہ سے کہا۔

"دادی تم بہت تھک گئی ہو۔ اب ذرا دیر لیٹ رہو جب تک بہزاد اپنے کام سے فارغ نہ ہولے ایک نیند لے لو تاکہ تھکان دور ہو جائے اور پھر تازہ دم ہو کر یہاں سے واپس چلو۔"

عبادہ نے کہا۔

ہاں بیٹی بہت تھک گئی ہوں۔ نیند تو کیا آئے گی۔ مگر ذرا کے ذرا جھپکی لے لیتی ہوں۔

یہ کہہ کر عبادہ ایک مسند پر لیٹ گئی۔ اور لیٹتے ہی خراٹے لینے لگی۔ میمونہ کے لئے لیٹنے اور سونے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ کبھی مقتول باپ جعفر یاد آ جاتا تھا۔ کبھی بہزاد کی پرجوش اور پرخلوص تقریر کان میں گونجنے لگتی کبھی وہ اپنے ماضی پر غور کرتی کبھی حال پر کبھی مستقبل پر اور خیالات کے اسی ہجوم میں وہ یہ بھی سوچنے لگتی کہ اس نے بہزاد سے محبت کی ہے دیکھا چاہیئے۔

یہ محبت کیا گل کھلاتی ہے۔ اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ کبھی وہ اپنے آپ کو بہزاد سے قریب محسوس کرنے لگتی اور کبھی بہت دور اسی کش مکش کے عالم میں کمرے کے سامنے اُسے دو پرچھائیاں نظر آئیں۔ غور سے دیکھا تو یہ بہزاد اور سعدون تھے۔ سعدون کے ہاتھ میں کدال تھی۔ اور بہزاد ایک چادر اوڑھے اس کے پاس کھڑا کچھ ہدایتیں دے رہا تھا۔ ذرا دیر کے بعد سعدون ہدایتیں حاصل کرکے مکان کے کسی دوسرے گوشے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور بہزاد کمرے کے اندر آیا اس نے میمونہ سے کہا۔

آپ دیکھتے ہیں ذرا سی دیر میں گھر کا کیا نقشہ ہو گیا؟

بہزاد نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

ہاں دیکھ رہا ہوں اور مجھے توقع بھی اسی کی تھی ــــ بیشک یہ میرا ساز و سامان اور مال و اسباب لوٹ لئے گئے۔ لیکن میرا عزم اور میرا جذبہ لوٹنے سے قاصر رہے۔ انھوں نے دروزاہ توڑ ڈالا لیکن میرے مقاصد کا دروازہ اِن کے توڑے نہیں ٹوٹ سکتا۔ انھوں نے کتابیں نوچ ڈالیں پھاڑ ڈالیں لیکن یہ اُس ولولے کو غارت نہیں کر سکے جس نے مجھے ایک امن پسند شہری سے ایک انقلابی بنا دیا ــــ میرے دوست ذرا بھی پروا نہ کرو۔ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا ہم اپنا فرض ادا کریں گے۔ اور اِس طرح کا فیصلہ مستقبل کرے گا کہ کس کا کام باقی رہتا ہے۔ اور کس کے کارنامے فنا ہو جاتے ہیں؟

ذرا دیر کے بعد یہ لوگ مکان کے ہال میں پہنچے۔ اور وہاں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ بہزاد زمین کو دیکھتا ہوا چل رہا تھا جیسے کوئی چیز یہاں دفن ہے۔ سعدون۔ عبادہ۔ میمونہ سب کو حیرت تھی کہ یہ شخص انسان ہے یا پتھر گھر کے لٹنے جانے کا ذرا بھی صدمہ نہیں۔ اِس کمرے میں بہزاد نے ایک کدال رکھی دیکھی۔ جسے دیکھ کر وہ خوش ہوا۔ جیسے اِسی کی جستجو کر رہا تھا۔ اس نے کدال اٹھالی۔ الٹ پلٹ کر دیکھا اور سلمان کو حوالے کرتے ہوئے کہا۔

اِسے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو۔

پھر ایک دوسرے کمرے میں یہ لوگ پہنچے۔ یہ ایک آراستہ پیراستہ کمرہ تھا۔ یہاں اس نے میمونہ اور عبادہ کو بٹھایا اور خود سعدون کے

بہزاد۔
کتنے دنوں سے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن کچھ بھی پلے نہیں پڑتا۔
میمونہ۔
نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں آپ۔
بہزاد۔
سچ کہتی ہوں میمونہ واقعی نہ جانے کس عالم میں ہوں اور نہ جانے کیا کہہ رہا ہوں۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

میمونہ۔
آپ شاعری پر اُتر آئے۔ اور یہ چیز واقعی میری فہم سے باہر ہے۔ میں تو صاف اور سیدھی سادھی باتیں کرنے اور سمجھنے کی عادی ہوں۔
بہزاد۔
تم شعر نہیں سمجھتیں لیکن خود ایک شعر کے سوا کیا ہو ——— مرصع غزل اور لطیف شعر۔
میمونہ۔
آج نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔
بہزاد۔
میری باتوں پر نہ جاؤ میرا حال دیکھو کیا یہ بجھی بجھی آنکھیں تم سے کچھ نہیں کہتیں۔ کیا یہ اترا ہوا چہرہ کسی راز کی غمازی نہیں کرتا؟

ایسا معلوم ہوتا ہے خالہ سو گئیں؟

وہ بولی۔

ہاں بیچاری بہت تھک گئی تھیں۔

بہزاد۔

انھیں سونے دو آؤ کمرے سے باہر برآمدے میں ذرا دیر ہم لوگ بیٹھیں کچھ باتیں کریں گے۔

میمونہ۔

(اُٹھتے ہوئے) آئیے یہاں بیٹھے بیٹھے جی بھی گھبرانے لگا تھا۔

بہزاد۔

(برامدے میں آکر) دیکھتی ہو اس وقت کا منظر چاندنی چھٹکی ہوئی ہے رات بہت بھیگ چکی ہے۔ سناٹا چھایا ہوا ہے۔ لیکن خدا کے دو بندے پاس پاس جذبات کی ایک دنیا لئے کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک خاموش ہے اور دوسرا بولتا چلا جا رہا ہے جو خاموش ہے اس کی دلی کیفیت کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن جو بول رہا ہے اس کی قلبی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے۔

میمونہ۔

شاید آپ خاموشی کی گفتگو نہیں سمجھتے۔

بہزاد۔

یہ کیا کہہ رہی ہو میمونہ کیا خاموشی بھی ایک طرح کی گفتگو ہوتی ہے؟

میمونہ۔

ہاں اگر اسے کوئی سمجھ سکے۔

میمونہ۔

کیا میں غلط کہہ رہی ہوں کچھ؟

بہزاد۔

ہاں غلط کہہ رہی ہو، تمہاری ذات بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ تمہارے خاندان کے غلام صرف اِس لئے شرف واحترام کے مستحق ہیں کہ وہ آلِ برمک کے غلام رہ چکے ہیں۔

میمونہ۔

لیکن یہ باتیں گذشتہ دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ پرانی داستانیں دہرانے سے کیا حاصل۔ اب تو اسی آلِ برمک کی ایک لڑکی غربت فقر افلاس اور فلاکت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ فاقہ کرتی ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہے۔ دوسروں کی مصاحبت اور خوشامد کرتی ہے۔ اِس پر گستاخ نگاہیں پڑتی ہیں۔ اور اُس میں اتنا دم نہیں کہ وہ ان آنکھوں کو پھوڑ دے ——

بہزاد۔

زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ آج کسی کے ساتھ ہے تو کل کسی کے ساتھ۔

میمونہ۔

ٹھیک کہتے ہو۔ جب میرے ساتھ تھا تو میں بغداد کے وزیر اقلیم کی لڑکی تھی۔ اور جب ساتھ چھوڑ دیا تو ایک بھکارن ہوں۔ پہلے آپ ملتے تو بیشک آپ کی محبت کا جواب محبت سے دیتی۔ اب کسی سے محبت طلب کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اگر کسی سے کچھ مانگ سکتی ہوں تو صرف رقم اور میں سچے دل سے اِس کا اقرار کرتی ہوں کہ میری جھولی میں رقم کی

میمونہ۔
وہی تو پوچھ رہی ہوں مگر آپ کچھ نہیں بتاتے۔

بہزاد۔
بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن زبان ساتھ نہیں دیتی۔ جی چاہتا ہے سینہ چیر کر دل تمہارے سامنے رکھ دوں۔ پھر بھی اگر تم ایسی ہی انجان بنی رہیں تو کیا ہو گا؟

میمونہ۔
سب کچھ سمجھتی ہوں۔ میرے سینہ میں بھی دل ہے اور اُس دل میں آرزوئیں اور تمنائیں بھی ہیں۔ وہ محبت سے بیگانہ نہیں۔ محبت کا جواب محبت سے دینا اور محبت کرنا جانتا ہے لیکن ——

بہزاد
کیا کہنا چاہتی ہو کہو' لیکن ؟

میمونہ۔
لیکن اپنی حقیقت سے بھی واقف ہوں میری حیثیت کیا ہے یہ میں جانتی ہوں ؟

بہزاد۔
کیا جانتی ہو؟

میمونہ۔
یہ کہ میں ایسی لڑکی ہوں جو اس دنیا میں عزت کی زندگی بسر کرنیکا حق نہیں رکھتی۔

بہزاد۔
خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو۔

میمونہ۔

ایسا نہ کہیئے میری عزت افزائی دوسرے طریقوں سے بھی آپ کر سکتے ہیں۔ اور کرتے رہتے ہیں لیکن ایسے الفاظ نہ استعمال کیجئے۔ کہ مجھے اپنے وجود سے شرم آنے لگے۔

بہزاد۔

میمونہ خدا کے لئے یہ باتیں چھوڑو۔ میری ایک بات کا صاف صاف جواب دو۔

میمونہ۔

فرمایئے۔ آپ کچھ پوچھیں اور میں جواب نہ دوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

بہزاد۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کیا تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو؟

میمونہ۔

(شرماتے ہوئے) میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے پھر کسی اور کو نہ دیکھ سکی۔ میری نظر میں دنیا صرف ایک شخص سے عبادت ہے اور وہ بہزاد ہے۔

بہزاد۔

میمونہ مجھے یقین نہیں آتا کہ واقعی یہ تمہارے الفاظ ہیں۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو دنیا میں مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں۔ کش مکش اور جہاد زندگی کے میدان میں اب میں پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ قدم رکھ سکوں گا۔ تمہاری محبت نے میرے دل میں ایک نیا ولولہ میرے سر میں ایک نیا سودا میرے سینہ میں ایک جذبہ پیدا کر دیا ہے۔

کی سوغات آپ نے ہمیشہ بے مانگے اور توقع سے زیادہ ڈالی ہے۔ جب تک زندہ ہوں آپ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لیکن برابری کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکوں۔ یہ کیونکر ممکن ہے اگر ایسا کروں تو کیا یہ ڈھٹائی کی انتہا نہ ہوگی؟

بہزاد۔
خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو۔

میمونہ۔
اچھا چپ ہوی جاتی ہوں۔

بہزاد۔
نہیں یہ بھی نہ کرو۔

میمونہ۔
تو اور کیا کروں؟

بہزاد۔
میری باتوں کا جواب دو۔

میمونہ۔
کاش میں اس قابل ہوتی۔

بہزاد۔
آخر تم احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہو۔ یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتی۔ تم جعفر برمکی کی بیٹی ہو۔ تمہاری عزت تمہارے وقار اور تمہارے شرف میں ہمسری کا دعوا کون کر سکتا ہے۔ میرا جہاں تک تعلق ہے میرے لئے تو تمہاری غلامی باعث فخر ہے۔

(۳۷)

میں اِنتقام لوں گا!

تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہے۔ نہ بہزاد میں تاب تکلم تھی۔ نہ میمونہ میں یارائے گفتگو دونوں خاموش تھے۔ لیکن دونوں کے دل کی دنیا میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ میمونہ کے لئے اِس سے بڑھ کر مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ بہزاد جان و دل سے اُسے چاہتا ہے۔ اور بہزاد نے یہ معلوم کرکے کہ میمونہ بھی اِس سے محبت کرتی ہے کچھ ایسا محسوس کیا جیسے وہ اِس دنیا سے اونچا ہو کر کسی ایسی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔ جہاں نشاط کے کران کے سوا اور کچھ نہیں۔

کچھ عرصے کے بعد بہزاد نے میمونہ سے کہا۔

میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اگر میں زندہ رہا تو واقعی میری زندگی دنیا کے لئے باعث رشک ہو گی"!

میمونہ نے پوچھا۔

پھر میں سمندر کی تند موجوں سے لڑ سکوں گا۔ پہاڑوں سے ٹکرے سکوں گا تلوار اور نیزہ میرا کھیل بن جائے گا — بتاؤ میں غلط تو نہیں سمجھا؟ کیا مجھے تمہاری محبت حاصل ہے۔ کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو میمونہ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے شرم و حجاب میں وقت نہ ضایع کرو۔ بتاؤ جواب دو۔ تمہارے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ میری زندگی کا رخ بدل دے گا میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے ٹکر لینے کو میدان میں اترا ہوں اگر تمہاری رفاقت اور محبت میرے ساتھ ہو تو میں کبھی ناکامیاب نہیں ہو سکتا۔

میمونہ۔
(شرم سے گردن جھکا کر) میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔

بہزاد۔
اِس کارِ اہم سے فارغ ہونے کے بعد انشاءاللہ ہماری زندگی کا نیا اور شاندار دور شروع ہوگا۔

میمونہ۔
(مسکراتے ہوئے) انشاءاللہ۔

بہزاد۔
کافی رات آگئی ہے اب آرام کرو۔ چلو تمہیں کمرے میں پہنچا آؤں۔ آج کی رات تم دونوں یہیں رہو کل قصرِ امون چلیں گے۔

میمونہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آج وہ بے انتہا مسرور تھی، کچھ اِس لئے کہ اُس کے مظلوم باپ کا انتقام لینے کی گھڑی قریب آرہی تھی کچھ اس لئے کہ دل کا بوجھ اتر گیا تھا۔ یہ معلوم ہوگیا تھا کہ

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

بہزاد میمونہ کو کمرے میں پہنچا کر باہر آگیا۔ میمونہ جب اپنے کمرے میں پہنچی تو صرف عبادہ کے خراٹے خاموشی کا طلسم توڑ رہے تھے۔!

وہ دادی کے پہلو میں لیٹ کر اپنے ماضی — حال — اور مستقبل پر غور کرنے لگی۔ بہزاد کی تصویر بار بار اُس کے نہاں خانۂ تصویر میں آموجود ہوتی تھی۔ اور پھر وہ اُس سے نہ جانے کیا کیا باتیں کرنے لگتی تھی۔

بڑی دیر تک وہ کروٹیں بدلتی رہی۔ لیکن نیند کی دیوی کچھ ایسی روٹھی تھی کہ کسی طرح راضی نہ ہوئی۔ بڑی دیر تک عبادہ کے پاس لیٹی نیند کا انتظار کرتی رہی لیکن کامیابی نہ ہوئی یکایک قریب کے کمرے سے کچھ آواز سنائی دی۔ غور کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص کدال سے زمین

آپ کو اپنی زندگی کے بارے میں اگر گر کہنے کی ضرورت کیا پیش آگئی ہے؟
آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ آپ کی زندگی کو کسی طرح کا خطرہ ہے؟

بہزاد نے جواب دیا۔
میری زندگی خطرات سے بھری ہوئی ہے۔ جس کام کا میں نے بیڑا اُٹھایا ہے۔ وہ خطرات سے بھرپور ہے۔ لیکن الحمدللہ دل میں کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں لیکن جس مقصد عظیم کو لے کر اُٹھا ہوں وہ مجھے تم سے بھی زیادہ عزیز ہے۔
میمونہ نے بہزاد پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور کہا۔
میں آپ کے جذبہ کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن دل تھوڑا نہ کیجئے۔ حوصلے کام لیجئے۔ انشاء اللہ سارے خطرات دور ہو جائیں گے۔ اور صبح امید بہت جلد طلوع ہوگی۔
بہزاد نے میمونہ پر ایک محبت بھری نظر ڈالی اور کہا۔
میں بہت جلد سفر پر جا رہا ہوں دعا کرو۔ کامیاب اور کامران جلد واپس آؤں۔
میمونہ۔
میرا رواں رواں آپ کے لئے دعا گو ہے۔

بہزاد۔
دعا کرو کہ میں مظلوموں کے خون کا بدلہ لوں، ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاؤں۔
میمونہ۔
میری دلی دعا ہے کہ ایسا ہو۔

جگہ باقی ہے۔ لہذا یہیں ملے گی۔ تم اطمینان سے اپنی کدال چلاتے رہو۔

سعدون۔

کاش وہ پیر مرد یہاں موجود ہوتا اور ٹھیک ٹھیک اس جگہ کی نشان دہی کر دیتا۔

بہزاد۔

عجب احمق آدمی ہو بتا چکا ہوں کہ وہ پیر مرد مر چکا۔ تمہارے لئے اُسے کہاں سے زندہ کر دوں؟ بہر حال اُس نے ٹھیک جگہ بتائی ہے تم اپنا کام کرتے رہو۔ اور اگر تھک گئے ہو تو کدال مجھے دو میں کھود دوں گا۔

سعدون۔

نہیں آپ زحمت نہ کیجئے۔ میں بالکل نہیں تھکا ہوں۔ سعدون نے پھر مستعدی کے ساتھ زمین کھودنا شروع کر دی۔ لیکن تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتا جاتا تھا یہاں کوئی علامت نظر نہیں آتی زمین کے اندر سے جو مٹی نکل رہی تھی۔ بہزاد بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں مٹی میں ملا ہوا ایک چیتھڑا نظر آیا اس نے جلدی سے اٹھا لیا۔ اور سعدون سے کہا۔

دیکھتے ہو؟ کیا یہ اُسی کپڑے کا ایک ٹکڑا نہیں؟

سعدون۔

(غور سے دیکھتے ہوئے) ہاں یہ وہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر سلمان (سعدون) اور زیادہ مستعدی سے زمین کھودنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد سعدون ہانپنے لگا۔ اس نے کدال الگ رکھ دی اور زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا ذرا دم لے لوں۔

کھود رہا ہے۔ یہ آواز سن کر وہ گھبرا گئی۔ دل میں طرح طرح کے اندیشے آنے لگے۔ آخر قرار نہ آیا۔ چپکے سے اٹھی کھڑکی کھولی جھانک کر دیکھا تو فرش پر ایک چراغ رکھا تھا جس کے پاس بہزاد کھڑا تھا اور سلمان بڑی مستعدی سے زمین کھود رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میمونہ پر دہشت کی کیفیت طاری ہوئی۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ کھڑکی کی اوٹ میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ بہزاد، سلمان (سعدون) سے کہہ رہا تھا۔

"اور کھودو۔ تھوڑا اور وہ یہیں ہے۔"

سعدون۔

میرے آقا آپ کو دھوکا تو نہیں ہوا۔ میں بڑی دیر سے کھودے جا رہا ہوں۔ دیکھئے اتنی ساری زمین کھود ڈالی لیکن ابھی تک لاش کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔

بہزاد۔

نہیں مجھے کوئی دھوکا نہیں ہوا۔ اگر یہ قصر شاپور ہے تو وہ لاش قطعاً نہیں ہے۔

سعدون۔

قصر شاہ پور تو بہر حال ہی ہے۔

بہزاد۔

تو وہ جگہ بھی یہی ہے — مجھے ایک پیر مرد نے بتایا تھا۔ خلیفہ منصور اسی مقام پر دربار کیا تھا۔ اور دربار کے سامنے جو پائیں باغ تھا اسی میں وہ لاش دفن کی گئی تھی۔ اور جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ باغ ہی کی جگہ ہے۔ یہاں کا چپّہ چپّہ تلاش کر چکے کہیں نہیں ملی۔ بس صرف اتنی

بہزاد۔
واقعی بہت تھک گئے ہو۔ تھوڑی دیر ستالو۔ لاؤ کدال مجھے دو۔

سعدون۔
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

بہزاد۔
کیوں نہیں ہو سکتا۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے ہمیں کام ختم کرنا ہے۔ تم تھک گئے ہو۔ میں تازہ دم ہوں۔ ذرا دیر مجھے کام کر لینے دو۔ پھر اگر مجھ پر تھکن کے آثار دیکھنا تو پھر شروع کر دینا۔

سعدون خاموش ہو گیا۔ بہزاد نے کدال اٹھائی اور زمین کھودنا شروع کی۔ یکایک کدال کی نوک ایک سخت چیز پر پڑی۔ بہزاد نے کدال الگ کر کے ہاتھ سے وہاں کی مٹی دیکھنا شروع کی تو ایک ہڈی نکلی اس نے سعدون سے کہا۔
دیکھو سلمان یہ پنڈلی کی ہڈی ہے!

سعدون نے کہا۔
ہاں میرے آقا آپ کا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ میری تھکن دور ہو چکی ہے لائیے کدال مجھے دیجئے۔!

سعدون نے کدال لے کر پھر کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں ایک انگوٹھی نظر آئی۔ اس نے وہ انگوٹھی بہزاد کے حوالے کی۔ اور کہا دیکھئے کیسی قیمتی انگوٹھی ہے۔ بہزاد نے چراغ کی روشنی میں انگوٹھی کو دیکھا اور کہا۔
یہ وہی انگوٹھی ہے۔

سعدون۔
آپ نے یہ کیسے جانا یہ اُسی کی انگشتری ہے۔
بہزاد۔
تمہارا حافظہ جواب دے چکا ہے۔
سعدون۔
(سر جھکاتے ہوئے) ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔
بہزاد۔
کیا تم بھول گئے جب منصور نے اُسے بلایا تھا تو اپنے سررشتہ دار کو تاکید کر دی تھی کہ اگر میرے خط پر پوری مہر ہو تو تعمیل نہ کرنا اور اگر آدھی ہو تو فوراً تعمیل کرنا — یاد آیا۔
سعدون۔
جی ہاں یاد آ گیا۔
بہزاد۔
اب اِس انگشتری کو دیکھو یہ نگینہ پورا نہیں آدھا ہے۔
سعدون۔
بیشک، واقعی نصف ہے۔ !
بہزاد۔
لہٰذا یہ ہڈی اُسی کی ہے بس اب کھوپڑی تلاش کرو۔
سعدون نے اپنا کام جاری رکھا۔ ذرا دیر میں کچھ ہڈیاں اور نکلیں اور کھوپڑی بھی برآمد ہوئی۔ بہزاد نے اس پر سے مٹی صاف کرتے ہوئے کہا۔
آہ یہ اُسی شہید جفا کا سر ہے!

(۳۸)

سفر

میمونہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور جمائی لیتے ہوئے کہا۔

رات بہت دیر میں سوئی تھی ــــ کیا آپ چل رہی ہیں؟

عبادہ نے جواب دیا۔

اں بیٹی چلنا چاہئیے۔ آخر محل والوں کو بھی تو منہ دکھانا ہے۔ زینب اور دنانیر کیا سوچ رہی ہوں گی؟ بہت زیادہ دیر لگ گئی یہاں۔

میمونہ نے جلدی سے دوپٹہ اوڑھا اور تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں باہر آئیں تو سامنے بہزاد ایک گھوڑے پر سوار موجود تھا۔ بہزاد نے کہا۔

آپ دونوں سلمان (سعدون) کے ساتھ بغداد چلی جائیے۔"

عبادہ۔

اور تم؟ تمہیں بھی تو چلنا چاہیئے۔ کتنے دن سے وہاں ہر شخص تمہارے انتظار میں چشم براہ ہے؟

بہزاد

یہ کہتے کہتے اُس کی آواز بھرآئی اُس نے کھوپڑی کو بوسہ دیا۔ دفعتاً اُس کا چہرہ تمتما اُٹھا اور چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اُس نے کہا یہ خون ناحق رائیگاں نہیں جاسکتا۔ اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ انتقام لیا جائے گا۔ خدا نے مجھے اسی لئے پیدا کیا ہے کہ مظلوم کا انتقام لوں اور ظالم کو سزا دوں۔

سعدون۔

بیشک آپ صحیح فرماتے ہیں ــــ اب صبح ہونے والی ہے۔ بہت زیادہ آپ بھی تھک چکے ہیں۔ خدا کا شکر ہے ہماری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ آیئے اپنے کمرے میں چلئے تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔

بہزاد نے سعدون کے بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ سعدون پیچھے پیچھے تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا بہزاد کی برہمی نے اُسے لرزہ براندام کر دیا ہے۔

میمونہ نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو لپک کر عبادہ کے پہلو میں لیٹ گئی اور سوچنے لگی یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔ یہی سوچتے سوچتے نیند آگئی۔ صبح اُس وقت آنکھ کھولی جب عبادہ نے جھنجھوڑا۔ اور کہا۔ بیٹی ایسا معلوم ہوتا ہے گھوڑے بیچ کر سوئی ہو دن نکل آیا اُٹھو۔!

امین کے وزیر اعظم فضل بن ربیع کی ہے۔ سعدون نے عبادہ اور میمونہ کولے کر کشتی کے ایک ایسے رُخ میں پناہ لی جہاں کسی باہر والے کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ عبادہ اور میمونہ کی سمجھ میں یہ ماجرا نہیں آیا لیکن سعدون کی گھبراہٹ اور پناہ لینے کے طریقے نے اِن دونوں پر سراسیمگی اور اضطراب کی کیفیت طاری کر دی۔ سعدون نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

خدا کا شکر ہے خطرہ ٹل گیا۔

عبادہ۔

کیا اِس کشتی سے ہم لوگوں کو کوئی خطرہ لاحق تھا؟

سعدون۔

جی ہاں آپ کو بھی اور میمونہ کو بھی۔

میمونہ۔

آخر اس کشتی میں کون تھا؟

سعدون۔

حماد، فضل بن ربیع کا چہیتا اور لاڈلا بیٹا۔

یہ نام سن کر عبادہ اور میمونہ کا خون خشک ہوگیا۔ عبادہ نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

یہ کہاں جارہا ہے اس وقت؟

سعدون۔

مدائن ۔۔۔ تاکہ میمونہ کو گرفتار کرے۔

عبادہ۔

خدا اس نامراد کو غارت کرے اب تک اپنے ارادے پر قایم ہے؟

میں تو اس وقت ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ آپ چلئے میری فکر نہ کیجئے میں اپنا فرض پہچانتا ہوں۔ اور انشاءاللہ اُس کی بجاآوری میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا۔!"

عبادہ۔

لیکن بیٹے اِس وقت کہاں جا رہے ہو۔

بہزاد۔

سفر پر۔

یہ کہہ کر بہزاد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا ہو گیا۔ میمونہ رات ہی کو اس راز سے واقف ہو چکی تھی۔ بہزاد کی جدائی سے اس کا دل کڑھ رہا تھا۔ لیکن امید بھی تھی کہ یہ دورِ فراق ختم ہو گا۔ اور انشاءاللہ وہ دن جلد آئے گا۔ جب ہم دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہونے کے لئے ملیں گے۔ عبادہ نے میمونہ کے ٹھوکا لگایا اور کہا۔

"بیٹے چلو وہ لاکھ سفر پر جا رہا ہو لیکن زینب کو دیکھے اور اُس کے لئے نسخہ تجویز کئے بغیر ہرگز نہیں جائے گا۔ ملّاح ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ خشکی کے راستہ گیا ہے ہم دریا دریا اُس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔"

عبادہ، میمونہ، سعدون دریا کے کنارے پہنچے۔ یہاں ملّاح منتظر ہی تھے۔ یہ لوگ جلدی سے کشتی میں بیٹھ گئے۔ عبادہ نے ملّاحوں کو تاکید کی کہ کشتی تیزی سے چلائیں اور جلد از جلد محل تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ یہ لوگ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ بڑی تیزی کے ساتھ پانی کو کاٹتی اور اچھالتی مقابل سمت سے ایک اور کشتی چلی آ رہی تھی۔ کشتی بہت شاندار اور آراستہ پیراستہ تھی۔ اسے دیکھتے ہی سعدون نے پہچان لیا۔

سعدون۔
تو وہ شخص حمّاد ہی کیوں نہ ہو آخر وہ بھی معمولی آدمی تو نہیں سلطنت عباسیہ کے وزیر اعظم کا لاڈلا اور چہیتا بیٹا ہے۔ مال و دولت کی کمی ہے۔ نہ شان و عظمت کی وہ کونسی چیز ہے جو حمّاد اور فضل کے پاس نہیں؟ میرا خیال تو یہ ہے حمّاد سے اچھا داماد چراغ لے کر ڈھونڈیئے تو بھی نہ ملے گا۔
میمونہ اب تک خاموشی سے بیٹھی عبادہ اور سعدون کی باتیں سن رہی تھی، لیکن اب اُس کے لئے خاموش رہنا ناممکن ہوگیا۔ اس نے کڑے تیور سے سعدون کو دیکھا اور کہا ــــــ!
"نمک حرام کتے ہوش میں رہ۔ اگر تیری بکواس جاری رہی تو ابھی دھکا دے کر دریا میں گرا دوں گی۔ اپنی حقیقت بھول گیا۔ آیندہ سے اگر تو نے کبھی مجھ سے یا دادی ماں سے بات کہنے کی کوشش کی تو منہ توڑ دوں گی۔ اور یاد رکھ تیرے آقا اور مولا بہزاد کو بھی۔ اب یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہم سے میل جول پسند کرتے ہیں یا تجھ سے ربط و تعلق؟ بد تمیزی اور گستاخی کی کوئی حد ہی نہیں ہے"!
میمونہ کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ سعدون تو سعدون، عبادہ اُس کا یہ رنگ دیکھ کر گھبرا گئی۔ سعدون نے تو دیکھا نہ تاؤ جلدی سے اٹھا اور میمونہ کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا اس نے کہا۔
مجھ سے غلطی ہوئی میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ جب تک آپ معاف نہ کردیں گی یہ سر اسی طرح آپ کے قدموں پر پڑا رہے گا۔ جیسی چاہئے سزا دے لیجئے۔ لیکن معاف کر دیجئے۔
عبادہ نے اُس کا سر اُٹھایا اور کہا۔

سعدون۔

جی ہاں—— لیکن خوشی کا مقام ہے۔ کسی کی نظر ہم لوگوں پر نہیں پڑی۔ اور اگر پڑ بھی جاتی تو یہ لوگ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ کیوں کہ ولی عہد مامون کی کشتی پر ہاتھ ڈالنا کچھ آسان تو نہیں۔

عبادہ۔

لیکن اُسے یہ کیسے معلوم کہ میمونہ مدائن میں ہے؟

سعدون۔

ضعیف الاعتقاد آدمی ہے نجومیوں سے پوچھ گچھ کرتا رہتا ہے۔ کسی نجومی نے کہہ دیا کہ میمونہ مدائن میں نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اُس کے معلومات اور مشاہدے کے خلاف تھی کیوں کہ وہ جانتا تھا۔ میمونہ مدائن کے سوا اور کہیں نہیں جا سکتی۔ لہٰذا اس امر کی تصدیق کرنے جا رہا ہے کہ میمونہ وہاں ہے یا نہیں۔

عبادہ۔

وہ کسی سے بھی پوچھ گچھ کرے اور کیسے ہی نجومی اور رمّال سے مدد کا طالب ہو۔ میمونہ کے دامن تک اس کا ہاتھ کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتا۔ کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک میں زندہ ہوں۔!

سعدون۔

اگر آپ خفا نہ ہوں تو ایک بات پوچھنے کا جی چاہتا ہے۔ آخر میمونہ کی شادی آپ کو کرنا ہی ہے۔

عبادہ۔

ہاں خدا اُسے زندہ رکھے ضرور کرنا ہے۔

میں نہیں جانتا صرف اتنا معلوم ہے کہ کسی ضروری کام سے کہیں باہر جارہے ہیں۔ کہاں جارہے ہیں؟ کیوں جارہے ہیں؟ کب واپس آئیں گے؟ اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں کسی سے صلاح ومشورہ نہیں کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یکایک کوئی فیصلہ کر لیتے ہیں۔

عبادہ۔

جھوٹ بولتے ہو۔

سعدون۔

بخدا سچ کہتا ہوں۔ مجھ سے تو صرف اتنا کہا کہ سفر پر جارہے ہیں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ جب آپ سے کچھ نہیں کہا تو میری حیثیت تو صرف ایک غلام ہی کی ہے۔!

عبادہ ہنسنے لگی۔

سلمان (سعدون) نے عبادہ سے کہا۔

اب قصر مامون بہت قریب آگیا ہے۔ ایک بات کا لحاظ رکھیئے۔ وہاں کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ آپ سے مدائن میں بہزاد سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک راز ہے۔ اور اسے راز ہی رہنا چاہیئے۔

عبادہ۔

اگر وثانیر نے پوچھا تو کیا جواب دیں؟

سعدون۔

کہہ دیجئے گا سارا مدائن چھان مارا لیکن بہزاد کا کہیں سراغ نہ ملا۔

میمونہ کی طرف سے میں معاف کرتی ہوں۔ لیکن آیندہ کبھی ایسی باتیں نہ کرنا تم نہیں جانتے۔ حمّاد اور فضل بن ربیع اگر ہیرے جواہر کے بن کر آجائیں تو بھی ہمارے غریب گھرانے میں وہ بار نہیں پا سکتے۔ یہ لوگ انسان نہیں درندے ہیں۔

سعدون۔

وہ انسان نہیں فرشتے ہوں تو بھی میرے لئے شیطان سے بدتر ہیں جب کہ آپ کو اور میمونہ کو ان سے نفرت ہے۔

عبادہ۔

ہاں واقعی ہم اس خاندان سے نفرت کرتے ہیں۔ اور زندگی بھر نفرت کرتے رہیں گے۔ ہمیں بھیک مانگنا منظور ہے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانا منظور ہے۔ لیکن اس خاندان سے دوستی اور اپنایت کا رشتہ نہیں قایم کر سکتے۔

سعدون۔

بیشک بیشک ــــ اب میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں آپ اور میمونہ مجھے اپنا غلام سمجھیں میری وفاداری پر شک نہ کریں مجھے خدمت کا موقع دیجئے۔ مجھے میرے آقا بہزاد کی عدم موجودگی میں ان کا قایم مقام تصور کیجئے۔ اور جو کام بھی درپیش ہو بے تامل اور بے تکلف فرمایئے۔ دل و جان سے اُسے بجا لاؤں گا۔

عبادہ۔

سادہ لوحی ہے تم نے ایک بے تکی بات کہی۔ میمونہ نے اس کی سزا دے لی۔ بات ختم ہو گئی ــــ یہ تو بتاؤ بہزاد کہاں جا رہا ہے؟

سعدون۔

تم بہت فکر مند ہو گئے ہو۔ ذرا نہیں سوچتے ہم لوگوں پر کیا گذری ہوگی ؟ زیب کی علالت نے سارے محل میں ہلچل برپا کر دی اور وہ اتنی ضدی ہے کہ بہزاد کے سوا کسی اور کا علاج کرنے پر رضا مند نہیں ہوتی لیکن نہ تمہیں کوئی پرواہ ہے اور نہ تمہارے آقائے نامدار بہزاد صاحب کو کوئی فکر۔ بھلا یہ بھی کوئی شرافت ہے ؟ نمک حرام کہیں کے۔ !

سلمان نے ادب سے سر جھکا کر عرض کیا۔

آپ بجا فرماتی ہیں۔ لیکن میرا کام اپنے آقا کی تلاش و جستجو تھا۔ سو میں نے یقین فرمائیے انہیں ڈھونڈھنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن پتہ نہ چلنا تھا نہ چلا۔

دنانیر۔

حیرت ہے۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ کہاں مر گیا ہے جا کر یہ کمبخت آخر اب اسے کہاں تلاش کیا جائے ؟

سلمان۔

کیا عرض کروں۔ میری عقل خود حیران ہے۔

دنانیر۔

بہر حال کہیں نہ کہیں وہ موجود ہوگا۔ تمہارا فرض ہے کہ اسے ڈھونڈ نکالو۔

سلمان۔

بہت بہتر — میرا خیال تو یہ تھا کہ وہ یہاں پہونچ چکے ہوں گے۔

دنانیر۔

وہ ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ نہ جانے کہاں چھپا بیٹھا ہے۔

(۳۹)

قاصد!

دنانیر بڑی بے کلی اور اضطراب کے ساتھ عبادہ اور میمونہ کا انتظار کرتی رہی کہ شاید یہ لوگ اپنے ساتھ بہزاد کو لے کر واپس ہوں۔ کیوں کہ زینب کی علالت نے اسے بہت فکرمند کر رکھا تھا۔ لیکن شام ہوتے ہوتے زینب کا بخار اُتر گیا اور وہ حسب معمول ہشاش بشاش نظر آنے لگی۔ زینب کی صحت سے دنانیر کو خوشی ہوئی۔ لیکن جب دوسرے دن بھی عبادہ اور میمونہ کا کوئی حال نہ معلوم ہوا تو اس کا اضطراب ناقابل برداشت حد تک پہونچ گیا۔ وہ سخت فکرمند تھی۔ کہ آخر اس طویل غیر حاضری کا راز کیا ہے۔ اسی اثنا میں ایک کنیز آئی اور اس نے اطلاع دی کہ کشتی محل کے ساحل سے لگ گئی ہے۔ دنانیر نے کھڑکی سے جھانکا تو دیکھا کشتی میں عبادہ میمونہ اور سلمان (سعدون) تو موجود ہیں۔ لیکن طبیب یعنی بہزاد موجود نہیں ہے۔ یہ لوگ کشتی سے اتر کر جب دنانیر کے پاس پہنچے تو وہ سلمان پر برس پڑی اور اس سے کہا۔

اس کی تلاش میں بھیج رہی ہوں۔

زینب نے ان لوگوں کو یہیں چھوڑا اور میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ایوان کی طرف روانہ ہوگئی۔ راستے میں اس نے کہا۔

آخر کس نے کہا تھا کہ تم بھی بہزاد کی تلاش میں چلی جاؤ؟ تمہارے بغیر میری طبیعت اتنی گھبراتی رہی کہ کہہ نہیں سکتی"۔

میمونہ نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور عرض کیا۔

آپ کی بیماری نے مجھے بہت پریشان کر دیا تھا۔ خدا کا شکر ہے اب آپ اچھی ہیں۔

سارا دن اسی طرح گذر گیا۔ دنانیر اور عبادہ اپنے کمرہ میں زینب اور میمونہ اپنے ایوان میں دنیا جہاں کی باتیں کرتی رہیں۔ دوسرے روز صبح صبح سلمان محل میں پہنچا اور تیر کی طرح سید عادہ دنانیر کے کمرہ میں داخل ہوگیا۔ دنانیر نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کیوں خیر تو ہے؟"

"خدا کا شکر ہے، لاکھ لاکھ شکر ہے، ہر طرح خیریت ہے۔

دنانیر۔

بہزاد کا کچھ پتہ چلا؟

سلمان۔

جی ہاں کل شام کو وہ مجھے بغداد کے پل پر نظر آئے تھے۔

دنانیر۔

پھر کیا ہوئے۔ تمہارے پہنچتے پہنچتے غائب ہوگئے؟

سلمان۔
جی ہاں یہ تو ان کی دیرینہ عادت ہے بغیر کچھ کہے سُنے یکایک غائب ہو جاتے ہیں مصیبت میرے سر پڑتی ہے۔ بہرحال اب تک تو بغداد کے مضافات میں انہیں تلاش کرتا رہا تھا۔ اب بغداد کی ایک ایک گلی اور ایک ایک کوچے میں ان کی جستجو کروں گا۔

دنانیر:
جلد جاؤ اور جلد تر واپس آنے کی کوشش کرو۔ ورنہ یاد رکھو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔

سلمان۔
ابھی چلا، اگرچہ مجھے یقین ہے کہ اگر میں ناکام لوٹا تو بھی کوئی بُرا سلوک کرنے کی بجائے آپ مجھ سے ہمدردی ہی کریں گی۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ نسیم بہار کی طرح اٹھکیلیاں کرتی زینب نمودار ہوئی۔ اس کا چہرہ گلِ تر کی طرح شاداب نظر آرہا تھا۔ علالت اور کمزوری کا کوئی نشان اس کے چہرہ سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ عبادہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

بیٹی اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

زینب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

خدا کا شکر ہے بالکل اچھی ہوں ـــــ کیوں سلمان طبیب صاحب کا کوئی سراغ لگا؟

سلمان بے بسی کے ساتھ دنانیر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔

نہیں بیٹی وہ کمبخت نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ اب سلمان کو پھر

میں کیا عرض کر سکتا ہوں ممکن ہے چند روز میں آجائیں ہو سکتا ہے چند ہفتے لگ جائیں، اور یہ بھی بعید نہیں کہ معاملہ مہینوں تک پہنچ جائے۔ یہ تو حالات پر منحصر ہے۔

دنانیر

تم جھوٹے ہو، لپاڑیئے ہو، جعلساز ہو۔

سلمان۔

کیا فرمایا؟ میں جھوٹا ہوں، لپاڑیا ہوں، جعلساز ہوں؟

دنانیر۔

ہاں — تم بھی جھوٹے ہو، اور تمہارا آقا، بہزاد بھی جھوٹا۔

سلمان۔

خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں میں نے کوئی غلط بات آپ سے نہیں کہی وہ واقعی مرو گئے ہیں۔ اور ولی عہد بہادر نے انہیں یاد فرمایا ہے۔

دنانیر۔

وہ اپنے کسی ذاتی کام سے گیا ہوگا۔ نام اس نے شہزادہ مامون کا لے لیا۔ وہ جانتا ہے اس کے جھوٹ کی چھان بین یہاں کرنے کون بیٹھا ہے۔

سلمان۔

اس کی تصدیق تو اب ان کے آنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

دنانیر۔

"جب تک بہزاد نہیں آتا تمہارا فرض ہے کہ محل میں ہر وقت موجود رہو۔

سلمان۔

ہر ضرورت کے وقت آپ مجھے موجود پائیں گی۔ البتہ میرے حالات

سلمان۔

پوری بات تو سن لیجئے۔ میں نے جیسے ہی انہیں دیکھا لپک کر قریب پہنچا۔ ارادہ ہوا کہ انہیں سخت ملامت کروں، لیکن انہوں نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اور شہزادی زینب کی خیریت دریافت کی۔ میں نے کل یہاں جو کچھ گذرا تھا سب کچھ بتا دیا۔ خوش ہوئے مسکرائے ہنسے، کہنے لگے بس تو پھر مجھے محل جانے کی اب ضرورت نہیں میں ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔

دنانیر۔

پھر کہیں رفو چکر ہو گئے؟

سلمان۔

جی ہاں، ہوا کی طرح، برق و شرر کی طرح۔

دنانیر۔

لیکن آخر کہاں غارت ہوا یہ تو بتاؤ۔

سلمان۔

انہیں ولی عہد مملکت شاہزادہ مامون نے مرو میں طلب کیا ہے۔ چنانچہ وہیں چلے گئے۔ اور مجھے تاکید کر گئے کہ ان کے قائم مقام کی حیثیت سے محل میں آتا جاتا رہوں اور جو خدمات میرے سپرد کئے جائیں انہیں انجام دیتا رہوں۔

دنانیر۔

بے کار باتیں چھوڑو یہ بتاؤ بہزاد کب واپس آئے گا؟

سلمان۔

مامون قیام فرما ہیں۔

میمونہ۔

کوئی بہت ضروری کام تھا؟

سلمان۔

جی ہاں، وہ خود نہیں گئے۔ بلکہ طلب کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ کہہ گئے ہیں کہ جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔

میمونہ۔

کچھ اور بھی کہہ گئے تھے؟

سلمان۔

شاید آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو انھوں نے کوئی پیغام بھیجا ہے یا نہیں؟

میمونہ۔

میں جانتی ہوں اپنے مقاصد کے سلسلے میں وہ ساری دنیا کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ پھر کسی کو پیغام بھیجنے کا وقت کہاں سے لا سکتے ہیں؟

سلمان۔

یہ تو آپ نے بجا فرمایا۔ واقعی اپنے مقاصد کے سلسلے میں وہ اتنے مصروف اور ڈوبے ہیں کہ ساری دنیا کیا اپنے آپ تک کو بھولے بیٹھے ہیں لیکن ایک ہستی ایسی ہے جسے وہ کبھی اور کسی حال میں ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اور مجھے شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ہستی آپ ہی کی ہے۔

سلمان کے یہ الفاظ سن کر میمونہ کے چہرہ پر سرخی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

اور مشاغل ایسے ہیں کہ شب و روز یہاں موجود نہیں رہ سکتا۔ البتہ دن رات میں دو تین مرتبہ ضرور حاضر ہوا کروں گا۔

دانیر سے رخصت ہو کر سلمان میمونہ کے کمرہ میں پہونچا وہ بہزاد کے خیال میں ملول و افسردہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سلمان کو دیکھ کر وہ چونک پڑی اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔

اس وقت تم کیسے آئے سلمان؟

سلمان۔

آپ ہی کے پاس حاضر ہوا ہوں۔

میمونہ۔

وہ تو میں سمجھی لیکن اتنے نا وقت آنے کا مقصد بھی تو کچھ ہوگا؟

سلمان۔

جی ہاں اپنے آقا کے بارے میں آپ کو بتانے حاضر ہوا تھا۔ وہ تشریف لے گئے۔

میمونہ۔

کیا واقعی وہ چلے گئے؟

سلمان۔

جی ہاں، میں ان سے مل کر حاضر ہو رہا ہوں۔

میمونہ۔

پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا۔ وہ کہاں گئے ہیں؟

سلمان۔

وہ مرو تشریف لے گئے ہیں۔ جہاں ولی عہد سلطنت شہزادہ

(۳۰)

نامۂ شوق!

سلمان کے جانے کے بعد میمونہ نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور خط پڑھنے بیٹھ گئی۔ بہزاد نے اسے لکھا تھا۔

میمونہ۔]

میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں کہتے ہیں کہ خط کو نصف ملاقات کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن میرے لئے تو یہ پوری ملاقات ہے۔ ایسا محسوس کر رہا ہوں تم سامنے بیٹھی ہو۔ اور میں تم سے اپنے دل کی کہانی بیان کر رہا ہوں تم سامنے ہو۔ میں تو شاید اتنی آزادی اور بے باکی سے گفتگو نہ کر سکتا جتنی عالم تصور میں تمہیں سامنے بٹھا کر دل کی باتیں زبان تک لا رہا ہوں۔ شاید تم نے یہ محسوس کر لیا ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ واقعی مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے۔ لیکن یہ لفظ اتنا پامال ہو چکا ہے کہ میری صحیح کیفیت کا اظہار کرنے سے قاصر ہے۔ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے جو میرے جذبات اور تاثرات کی صحیح طور پر ترجمانی کر سکیں۔ میں نے

اس نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں اور خاموش ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن یارا نہیں پڑتا۔

سلمان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا اور میمونہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میرے آقا نے جاتے وقت یہ خط مجھے دیا تھا کہ آپ تک پہنچا دوں۔ الحمد للہ کہ میں نے تعمیل حکم کر دی۔

میمونہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے وہ خط لے لیا لیکن اس کی ہمت نہ پڑی کہ سلمان کے سامنے کھولے اور پڑھے۔ سلمان نے اس سے کہا۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ برابر حاضر خدمت ہوتا رہوں گا۔ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو بے تامل مجھے حکم دیجئے۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔ میرے آقا نے مجھے تاکید کی ہے کہ آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

میمونہ چپ چاپ سلمان کی یہ باتیں سنتی رہی اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہ وہاں سے چلا آیا۔

بے یار و مددگار پھٹے پرانے لباس میں مدائن کی گلیوں میں پھرتے دیکھا تو میرے دل کی کیا حالت ہوئی۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ انتقام لوں گا اور جب تک انتقام نہیں لے لیتا دنیا کی ہر لذت و نعمت کو اپنے لئے حرام سمجھونگا

میمونہ، میری میمونہ!

میری وہ ہمدردی رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو گئی۔ اس لئے کہ اللہ نے تم میں وہ خوبیاں بھر دیں ہیں کہ تم محبت کئے جانے کے لئے نہیں بلکہ پرستش کے قابل بن گئی ہو۔ تمہاری آن، تمہاری خودداری تمہاری شرافت، تمہارا وقار، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ اس پر قربان ہونے اور فدا ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے اتنے کھلے الفاظ میں کبھی تم سے گفتگو نہیں کی جس طرح آج کر رہا ہوں۔ جانتی ہو کیوں اس لئے کہ میں سفر پر جا رہا ہوں۔ ایک ایسے سفر پر ایک ایسی منزل کی طرف جس کے بارے میں خود مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میرے دل میں ایک جذبہ ہے۔ اور وہ یہ کہ تمہارا انتقام لوں۔ یہ جذبہ مجھے کشاں کشاں نہ جانے کہاں لئے جا رہا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ ناکامی ہو گی یا کامیابی لیکن ذرا میرے حوصلہ کو تو دیکھو۔ ایک ایسا انسان جس کے پاس نہ وسائل ہیں نہ ذرائع نہ دولت نہ زر و مال نہ فوج نہ سامانِ جنگ وہ دنیا کی سب سے بڑی حکومت سے ٹکر لینے کے لئے میدان میں اترا ہے۔ میں اگر ناکام ہوا تو یقیناً ساری دنیا مجھے احمق کہے گی۔ اور اگر کامیاب ہوا تو تاریخ میں میرا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید ہو جائے گا۔ لیکن کامیابی اور ناکامی ہر حالت میں کم از کم تم یہ محسوس کرو گی کہ میں نے جو کچھ کیا وہ صرف تمہارے لئے کیوں میمونہ

تم سے پہلے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ میں اس لفظ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ لیکن اب جب میں خود دامِ محبت میں اسیر ہوں تو محسوس کرتا ہوں زندگی کا حاصل محبت کے سوا کچھ نہیں۔ میری محبت کی داستان بھی عجیب و غریب ہے۔ پہلے مجھے تم سے ہمدردی پیدا ہوئی۔ اس لئے کہ تم ایک بڑے انسان اور بہت بڑے باپ کی بیٹی تھیں جسے گردشِ فلک نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور جس کے اہل و عیال کو جور و ستم کا نشانہ بنایا۔ تمہیں دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے جعفر برمکی کا وہ عہدِ اقتدار پھر گیا۔ جب وہ ہارون الرشید کا وزیرِ اعظم تھا۔ سلطنتِ عباسیہ کا انمول ہیرا تھا۔ عالمِ اسلام کا ایک درخشاں موتی تھا لیکن جب حالات بدلے قسمت پلٹی۔ ستارہ گردش میں آیا۔ تو وہی جعفر اس طرح ذبح کر دیا گیا جس طرح بھیڑ اور بکری کو ذبح کرتے ہیں۔ جس کی دولت و ثروت کی انتہا نہ تھی۔ جس کی سخاوت اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں آدمی اس کے آستانہ سے شاد کام اور بامراد ہو کر واپس جاتے تھے۔ فقیروں کو دولت ملتی تھی۔ بھوکوں کو کھانا ملتا تھا۔ مظلوموں کی داد رسی کی جاتی تھی۔ آج اس کا محل مٹی کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا۔ اس کی لاش اس حالت میں کہ اسے کفن تک میسّر تھا۔ چوراہے پر لٹکی ہوئی تھی۔ تاکہ لوگ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اس کے باغات چھین لئے گئے۔ اس کے زر و جواہر پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ اس کی دولت و ثروت افسانۂ ماضی بن گئی۔ اور اس کی چہیتی اور اکلوتی بیٹی میمونہ زمانہ کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اِدھر اُدھر پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ آہ! تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ پہلی مرتبہ جب میں نے تمہیں

دے سکتی ہو۔ وہ دل وجان سے اس کی تعمیل کرے گا ــــــ اچھا اب
مجھے اجازت دو۔میں جارہا ہوں۔بظاہر تنہا لیکن میرا دل مطمئن اور
مسرور ہے۔کیوں کہ تم میرے ساتھ ہو تمہاری یاد میرے ساتھ ہے اور
جب مجھے یہ نعمت حاصل تو پھر اور کیا چاہیئے ــــــ؟ رخصت

تمہارا پرستار

بہزاد

میں غلط تو نہیں کہتا اگر میرا خیال صحیح ہے تو یقین کرو موت بھی اس ارادے سے مجھے متزلزل نہیں کر سکتی۔

میں جا رہا ہوں نہیں کہہ سکتا کب تک واپس آؤں گا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ واپس آ بھی سکوں گا۔ یا نہیں؟ جس مقصد کو لے کر تمہیں تنہا چھوڑ کر گھر سے باہر نکلا ہوں، جب تک وہ حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک واپس نہیں آ سکتا۔ سلمان نے تم سے کہا ہو گا کہ مجھے شہزادہ مامون نے مرو میں طلب کیا ہے۔ اور میں وہاں جا رہا ہوں۔ تمہارے کان میں ایک راز کی بات کہتا ہوں۔ یہ غلط ہے مجھے کسی نے طلب نہیں کیا۔ میں کسی کے بلاوے پر نہیں جا رہا ہوں۔ میں صرف اپنے دل کی پکار پر آگے بڑھ رہا ہوں۔ اور اس وقت تک آگے بڑھتا چلا جاؤں گا۔ جب تک گوہر مقصود نہ حاصل کر لوں۔

ایک راز کی بات تمہیں اور بتاتا ہوں۔ مامون کے محل میں لوگ مجھے اس حیثیت سے جانتے ہیں۔ اور تم بھی یہی سمجھتی ہو کہ میرا نام بہزاد ہے۔ میں طبیب ہوں۔ ستارہ شناس ہوں۔ منجم ہوں۔ لیکن یہ سب غلط ہے۔ میرا نام بہزاد نہیں۔ میں پیشہ ور طبیب نہیں ہوں۔ منجم اور ستارہ شناس ہونے کی بھی مجھ پر تہمت صرف تہمت ہی ہے۔ میں کیا ہوں یہ معلوم ہو جائے گا لیکن ابھی نہیں کچھ عرصے تک انتظار کرنا پڑے گا۔

اب میں رخصت ہوتا ہوں دعا کرو کہ سرخرو ہو کر تم سے ملوں۔ سلمان کو میں نے تاکید کر دی ہے کہ وہ تمہاری راحت و آسائش کا پورا پورا خیال رکھے۔ تم بے تامل اور بے تکلف اسے جو حکم چاہو

کے دکھوں، اور غموں میں شرکت کا جذبہ کسی طرح نہیں ان سکتی۔ یہ خصلتیں کسی معمولی آدمی کی ہو سکتی ہیں۔

بہزاد آشنا: سچا آدمی ہے کہ وہ کسی خاندان کے لئے نہیں بلکہ اپنی پوری قوم اور پورے ملک کے لئے باعثِ فخر ہے۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور شریف کیا ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے اس نے مجھ سے محبت کر کے میرے اندر ایک عجیب قسم کا فخر اور غرور پیدا کر دیا ہے۔

وہ انہیں خیالات میں مستغرق بیٹھی تھی کہ دروازہ پر دستک کی آواز آئی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دنانیر سامنے کھڑی تھی۔ اس نے کہا۔

بیٹی اکیلی کمرہ میں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟

میمونہ نے جواب دیا۔

کچھ نہیں یونہی طبیعت ذرا کسلمند تھی۔ اس لئے لیٹ گئی تھی۔

دنانیر۔

طبیعت کسلمند تھی یا کسی کی یاد آ رہی تھی؟

میمونہ۔

یہ آپ کیا کہتی ہیں میں کسے یاد کروں گی؟

دنانیر۔

(مسکراکر) دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اگر تم سے کوئی محبت کرتا ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ تم اس سے نفرت کرو؟

میمونہ۔

(۴۱)

دنانیر!

میمونہ نے بہزاد کا خط کئی بار پڑھا۔ وہ بار بار یہ سوچنے لگتی کہ بہزاد کیا ہے؟ کون ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ اس نے یہ لکھ کر کہ نہ میرا نام بہزاد ہے۔ نہ میں پیشہ ور طبیب ہوں۔ نہ ستارہ شناس و نجومی ہوں۔ میمونہ کو عجیب پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ حیران ہو ہو کر سوچتی تھی۔ آخر یہ کون شخص ہے۔ اگر کسی کمتر خاندان سے اس کا تعلق ہوا تو کیا ہوگا۔ ہماری محبت پھر کس طرح پروان چڑھ سکے گی۔ لیکن یہ سوچتے سوچتے اس کی چشم تصور کے سامنے بہزاد آ کر کھڑا ہو جاتا۔ ایک تنومند، قد آور، اور خوبصورت، نوجوان جس کی آنکھوں سے، جس کی باتوں سے، جس کے چہرے سے، شرافت، بہادری اور وقار کا رنگ جھلکتا تھا۔ وہ سوچنے لگتی نہیں بہزاد کسی کمتر خاندان کا فرد نہیں ہو سکتا۔ وہ یقیناً اعلیٰ نسب اور والا حسب ہے۔ یہ کردار یہ سیرت، یہ شخصیت، یہ ایثار کا مادہ، یہ بہادری کی آن، یہ دوسروں

دنانیر۔
کیا تم بہزاد سے محبت نہیں کرتیں؟
بہزاد کا نام سن کر میمونہ کے حواس جاتے رہے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟
دنانیر۔
بیٹی! محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں اس ذکر سے تو اتنی خائف اور پریشان کیوں ہے؟ اور بہزاد کوئی معمولی آدمی تو نہیں ہے صورت اور سیرت، کردار اور شخصیت، قابلیت، اور شہرت ہر اعتبار سے ایک بہت اونچا انسان ہے۔ اس سے محبت کرنا۔ یا اس کی محبت قبول کرنا کسی کے لئے باعث فخر تو ہو سکتا ہے۔ باعث شرم نہیں۔
میمونہ۔
یہ تو آپ سچ کہتی ہیں۔
دنانیر۔
(مسکراتے ہوئے) تو پھر یہ بھی مان لو کہ بہزاد سے محبت کرتی ہو۔
میمونہ۔
(زیر لب تبسم کے ساتھ) آپ کے اصرار سے مجبور ہو کر اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔
دنانیر۔
حیرت ہے۔ اس محبت کے باوجود بہزاد تم سے ملے بغیر یوں یکایک کیسے چلا گیا؟

میں نہیں جانتی محبت کسے کہتے ہیں۔ اور نفرت کیا چیز ہوتی ہے مجھ جیسا برگشتہ بخت انسان ان باتوں کے سوچنے کا وقت ہی کہاں سے لا سکتا ہے۔ جسے سر چھپانے کو ایک جھونپڑی بھی میسر نہ ہو، اگر محلوں کے خواب دیکھنے لگے تو اس سے بڑھ کر بے وقوفی کیا ہو سکتی۔

دنانیر:
بیٹی! تیرے متعلق تو میری رائے یہ تھی کہ بڑی بھولی بھالی فرشتہ صفت اور معصوم لڑکی ہو۔ گو میں اب بھی تمہیں ایسا ہی سمجھتی ہوں لیکن یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ماشاءاللہ بڑی ذہین اور سمجھدار ہو۔

میمونہ۔
میرے بارے میں اتنی ساری باتیں آپ نے کس طرح جان لیں؟

دنانیر:
میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔ اڑتی چڑیا کے پر پہچانتی ہوں۔ دنیا دیکھی ہے دنیا والوں کو برتا ہے۔ بھلا مجھ سے کوئی کیا اڑے گا؟

میمونہ۔
سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں۔ آخر اس مہربانی کی وجہ کیا ہے؟ آپ کیوں مجھے برابر چھیڑے جا رہی ہیں۔

دنانیر:
نہیں بیٹی میں تجھے چھیڑتی نہیں تیری رازدار بننا چاہتی ہوں۔

میمونہ۔
کاش میرا کوئی راز ہوتا جو میں آپ کو بتا سکتی۔

(۴۲)

میمونہ کو ہمارے پاس بھیجدو!

نہ جانے میمونہ نے کیا سوچا کہ دنانیر کے پیچھے پیچھے وہ بھی چل کھڑی ہوئی چند قدم چلنے کے بعد جب اس نے اپنے پیچھے چاپ کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے میمونہ سے کہا۔

تم کہاں جا رہی ہو؟

میمونہ نے جواب دیا۔

کہیں نہیں میں نے سوچا ذرا دیکھوں خلیفہ کا قاصد کیا پیام لے کر آیا ہے؟

دنانیر نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ کنیز ایک سربمہر لفافہ لے کر حاضر ہوئی دنانیر نے پوچھا یہ کیا لفافہ ہے۔

کنیز نے جواب دیا۔

قصر خلافت سے جو سپاہی آیا ہے اس نے یہ نامہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

میمونہ۔
مردوں کی ذمہ داریاں عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں وہ ایک فرض شناس انسان ہے۔ یقیناً کسی بڑے اور اہم مقصد کے ماتحت اس جلدی اور روا روی کے عالم میں جانے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔

ونانیر۔
ہاں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ـــــ بہرحال انشاء اللہ وہ جلد آئیگا۔ اور مجھے اُمید ہے تمہیں دلہن بنانے کی خوشی میرے حصہ میں آئے گی۔
میمونہ نے شرماکر سر جھکا لیا۔ ان باتوں کا وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اتنے میں ایک کنیز ہانپتی کانپتی آئی۔ اور اس نے کہا ایک سوار محل کے حدود میں گھس آیا وہ اپنے آپ کو امیرالمومنین امین کا سپاہی اور فرستادہ بتاتا ہے کوئی خط اپنے ساتھ لایا ہے۔ اور دار و غہ محل یعنی آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔ اگر کہئیے تو اسے یہاں حاضر کر دیا جائے اور اگر مرضی ہو تو وہیں تشریف لے چلیئے جہاں اسے ٹھہرایا گیا ہے۔
یہ سن کر ونانیر پر ایک عجیب قسم کی تشویش کے آثار طاری ہوئے لیکن زبان سے کچھ کہے بغیر خاموشی کے ساتھ اُٹھی اور کنیز کے ساتھ چلی گئی۔

دنانیر۔

یہ امین کے وزیر فضل بن ربیع کا خط ہے۔ اس نے خلیفہ کی طرف سے لکھا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے قصرِ مامون میں ایک نووارد لڑکی میمونہ آئی ہوئی ہے۔ امیرالمومنین اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اس خط کے دیکھتے ہی فوراً اسے دیوانِ خلافت میں بھیج دو ——— بھلا بتاؤ تو اس خط کی تعمیل کیسے ہو سکتی ہے؟ اول تو مجھے اس میں شبہ ہے کہ یہ خط امیرالمومنین امین کے حکم سے لکھا گیا ہو گا۔ یہ فضل کی شرارت ہے۔ اور اس نے خلیفہ کا نام لے کر تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ ہم ڈر جائیں۔ اور تمہیں بھیج دیں اور وہ ہماری دہشت سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لڑکے حماد سے تمہاری شادی کر دے۔ لیکن ایسا اندھیر اس محل میں نہیں ہو سکتا۔ امیرالمومنین امین اپنے بھائی مامون کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے جس سے اس کے وقار پر حرف آئے۔ بہر حال میں نے ٹکا سا جواب دے دیا ہے۔ اور غالباً اب فضل خاموش ہو جائے گا۔

میمونہ۔

آپ کی اس مہربانی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

دنانیر۔

بیٹی ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو شکرگذاری کے قابل ہو۔ ہم نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور فرض شکر و سپاس سے بے نیاز ہوتا ہے۔

دنانیر کی تیوریاں چڑھ گئیں اس نے لفافہ کنیز کے ہاتھ سے لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ جیسے جیسے پڑھتی جاتی تھی چہرے کا رنگ بدلتا جاتا تھا۔ جب وہ پڑھ چکی تو اس نے کنیز سے پوچھا کیا وہ قاصد جواب کے انتظار میں کھڑا ہے۔

کنیز نے منہ سے کچھ نہ کہا اقرار میں گردن ہلا دی۔ دنانیر نے غصہ اور برہمی کے عالم میں کہا۔

"اس سے جا کر کہہ دو کہ اس خط کا جواب دینا یا جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی تعمیل کرنا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ وہ سوچ سمجھ کر آئندہ سے اس محل میں قدم رکھے۔ ورنہ اسے اپنی جرات بے جا کی سزا بھگتنا پڑے گی!"

کنیز یہ سن کر گردن جھکائے ہوئے چلی گئی اس کے جانے بعد میمونہ نے دنانیر سے پوچھا۔

کیا یہ خط میرے متعلق تو نہیں تھا؟

دنانیر نے حیرت سے میمونہ کی طرف دیکھا اور بولی "تم نے یہ اندازہ کیسے کیا کہ یہ خط تمہارے متعلق ہو سکتا ہے؟

میمونہ۔

اسے چھوڑ یئے یہ بتایئے میں غلط تو نہیں کہتی؟

دنانیر۔

سچ کہتی ہو واقعی یہ خط تمہارے ہی متعلق ہے۔

میمونہ۔

کیا میں پوچھ سکتی ہوں۔ میرے بارے میں اس خط میں کیا لکھا ہے؟

اقتدار و اختیار کی کوئی انتہا نہیں۔ سارا بغداد اس کے نام سے لرزتا اور کانپتا ہے۔ اس کی مکاری چالاکی اور فریب کی داستانیں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ لیکن میری بیٹی مامون کے محل میں اس کا کوئی داؤ نہیں چل سکتا۔ یہاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ تمہاری طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے۔ تم اطمینان سے رہو اور کوئی فکر نہ کرو۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ اب جانے کا لفظ زبان پر نہ لاؤ گی۔ جب تک یہ وعدہ نہیں کرتیں میرا دل مطمئن نہیں ہو گا۔ اور یہ بھی سوچو شہزادی زینب تمہارا کتنا خیال کرتی ہے۔ اسے یہ جب معلوم ہو گا کہ تم یہاں سے جانا چاہتی ہو تو کتنا صدمہ ہو گا غریب کو۔

میمونہ۔

آپ بجا فرماتی ہیں۔ آپ کے اور شہزادی زینب کے مجھ ناچیز پر اتنے احسانات ہیں کہ میرا رواں رواں دل سے دعائیں دیتا ہے۔ لیکن بار بار یہ خیال آتا ہے کہ مفضل کا یہ مطالبہ رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو یا شہزادی زینب کو کسی زحمت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑے۔

ونانیر۔

یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ لیکن ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں۔ تم قطعاً کوئی فکر و پرواہ نہ کرو اطمینان سے رہو۔ میں ابھی شہزادی زینب کے پاس جاتی ہوں۔ اور انھیں بھی ان تمام حالات سے آگاہ کر دوں گی۔ تم نہیں جانتیں۔ امیر المومنین امین اپنی بھتیجی یعنی زینب کو کتنا چاہتے اور مانتے ہیں۔ اور اس نے مفضل

میمونہ۔
لیکن میری ایک التجا ہے۔
دنانیر
ضرور کہو کیا چاہتی ہو بتاؤ۔ انشاءاللہ تمہاری بات پوری کی جائے گی۔
میمونہ۔
میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے رخصت کردیں۔
دنانیر۔
کہاں جانا چاہتی ہو؟
میمونہ۔
یہ میں بھی نہیں جانتی۔
دنانیر۔
لیکن آخر کیوں۔ وجہ؟
میمونہ۔
اس لئے کہ میرا ستارہ گردش میں ہے۔ میں اپنی نحوست کا سایہ اس محل پر نہیں ڈالنا چاہتی۔
دنانیر
کیا تمہارا خیال ہے یفضل ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے؟
میمونہ
وہ امیرالمومنین کی ناک کا بال ہے سب کچھ کرسکتا ہے۔
دنانیر۔
یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ بیشک وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس کے

(۴۳)

کٹھن گھڑی!

یہاں قصر مامون میں اس طرح کی باتیں ہو رہی تھیں ادھر سلمان اپنی وضع اور لباس میں تبدیلی کرکے علامہ سعدون کی حیثیت سے قصر منصور میں داخل ہوا۔ اور سیدھا اُس گھر کی طرف بڑھا جو خلیفہ امین کے حکم سے خاص طور پر اس کے لئے سجایا اور آراستہ کیا گیا تھا وہ ایک خاص وضع میں چل رہا تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ شخص کوئی معمولی آدمی نہیں۔ علمی اور ذہنی اعتبار سے بہت بڑا آدمی ہے۔ ہر چیز پر حقارت کی نظر ڈالتا وہ اپنے گھر میں پہنچ گیا اور اس کمرہ میں جا بیٹھا۔ جسے اس نے اپنے مطالعہ کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ بڑی دیر تک اس کمرہ میں بیٹھا مختلف قسم کی کتابیں الٹتا پلٹتا رہا۔ اسی اثناء میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص سیدھا اس کی طرف چلا آرہا ہے۔ لباس عطر میں بسا ہوا اور نہایت بیش قیمت اُسے دیکھتے ہی سلمان (سعدون) نے پہچان لیا کہ یہ آنے والا شخص فضل

کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ دیا تو پھر یہ ساری شیخی دھری رہ جائے گی۔ اور حضرت کو بھاگتے راستہ نہ ملے گا ـــــ اچھا بیٹی اب جا کر آرام کرو۔ اور یہ خیال اپنے دل سے بالکل نکال دو کہ فضل کا کوئی خط آیا تھا اور اس میں تمہارا کچھ ذکر تھا۔

حماد۔

اچھا یہی سہی بتایئے آپ سے کیا قصور سرزد ہوا۔

سعدون۔

اِس سے بڑا قصور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ دنیا مکر و فریب اور دروغ کی باتوں کو پسند کرتی ہے۔ مجھے یہ باتیں نہیں آتیں۔ جو کچھ کہتا ہوں سچ کہتا ہوں لیکن میرے سچ کو جھوٹ سمجھا جاتا ہے۔ اگر جھوٹ بولتا تو یقیناً سچا مانا جاتا۔

حماد۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ آپ میری کس غلطی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو بلا تامل معافی مانگ لیتا۔ لیکن اپنی غلطی جانے بغیر بھی میں معافی مانگتا ہوں۔ تاکہ آپ کسی طرح خوش تو ہوں۔

سعدون۔

خوشی اور ناخوشی کا کیا سوال ہے۔ آپ مالک و مختار ہیں۔ میں لازم اور خادم ہوں آپ کو حق ہے کہ مجھے جھوٹا سمجھیں اور میرا فرض ہے کہ سچا ہونے کے باوجود مان لوں کہ واقعی جھوٹا، فریبی، مکار، اور دغاباز ہوں۔

حماد۔

نہیں علامہ صاحب یہ خیال اپنے دل سے نکال دیجئے۔ میرے دل میں آپ کا احترام ہے۔ میں آپ کو انسان نہیں مافوق الانسان مانتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ آپ دل کی بات جان لیتے ہیں۔ جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے آپ اس کے وقوع سے بہت پہلے واقف

بن ربیع کا چہیتا اور لاڈلا بیٹا حماد ہے۔ سعدون نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا حماد نے بڑے تپاک اور گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد پوچھا۔

کہئے علامہ صاحب مزاج کیسا ہے۔

سعدون۔

خدا کا شکر ہے۔

حماد۔

میں کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھ سے کچھ کھنچے کھنچے اور برہم سے نظر آتے ہیں؟

سعدون۔

آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ وزیر ابن وزیر ہیں فقیر ابن فقیر دولت، اقتدار، اختیار، آپ کے خادم بے بسی، غربت اور مسکنت میری رفیق بھلا میرا اور آپ کا کیا جوڑ آپ مجھ سے خفا ہوں تو آن کی آن میں میری گردن جسم سے الگ کر دی جائے۔ اور میں اگر آپ سے خفا ہوں تو آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکوں۔

حماد۔

علامہ صاحب آپ تو بہت زیادہ خفا ہیں ایسی کانٹے کی طرح چبھتی ہوئی باتیں اس نیاز مند سے آپ نے کبھی نہیں کیں۔ آخر معلوم تو ہو میرا قصور کیا ہے؟

سعدون۔

بھلا قصور کہیں آپ سے سرزد ہو سکتا ہے۔ تصور وار تو میں ہوں۔

حماد۔

نہیں یہ بات تو نہیں ہے۔

سعدون۔

دیکھئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا گفتگو صاف صاف ہونی چاہئے اگر آپ مجھے وہی سمجھتے ہیں جو ابھی فرما چکے ہیں تو پھر آپ مدائن کیوں تشریف لے گئے؟ وہاں آپ نے میمونہ کو کیوں تلاش کیا؟

حماد۔

مانتا ہوں یہ میری غلطی تھی۔

سعدون۔

بتائیے۔ کیا آپ کو میمونہ وہاں ملی؟

حماد۔

نہیں میں اشتیاق کے ساتھ گیا۔ مایوس ہو کر واپس آیا لیکن میری یہ غلطی قابل معافی ہے۔

سعدون۔

کیوں کس لئے؟

حماد۔

اس لئے کہ عاشق کا دل اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔ میں میمونہ سے بے پناہ محبت کرتا ہوں۔ وہ میرے دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ سوتا ہوں تو عالم خواب میں وہی نظر آتی ہے۔ جاگتا ہوں تو چشم تصور میں اُسی کا جلوہ دیکھتا رہتا ہوں۔ دنیا کی ہر رنگینی اور رعنائی میرے لئے اس وقت تک بے کار ہے جب تک میمونہ میری

ہو جاتے ہیں۔ کہیں مشورے ہو رہے ہوں کسی جگہ سازشیں ہو رہی ہوں۔ کسی مقام پر باتیں کی جا رہی ہوں آپ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں مشورے چاہے جتنی تنہائی میں کئے جا رہے ہوں آپ کو ان کا علم ہو جاتا ہے۔ سازشیں کیسے ہی بڑے تہہ خانے میں کی جا رہی ہوں مگر آپ کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتیں۔ باتیں کسی نوعیت کی کیوں نہ ہوں آپ کا علم انھیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ آپ جیسی شخصیت قسمت سے کسی کے ہاتھ آتی ہے۔ مجھے تو آپ پر فخر ہے اور آپ ایسی دل شکن باتیں کر کے خواہ مخواہ مجھے صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ آپ کی ذات سے یہ توقع نہ تھی۔

سعدون۔

میرا خیال ہے کہ آج ہمیں رو در رو صاف صاف باتیں کر لینی چاہئیں۔ تاکہ پھر کسی طرح کی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے۔

حماد۔

بسر و چشم ـــــ فرمایئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

سعدون۔

میں نے آپ سے میمونہ کے بارے میں کیا کہا تھا۔ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مدائن میں نہیں ہے؟

حماد۔

ہاں آپ نے یہ کہا تھا۔

سعدون۔

مگر آپ نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔

آپ کی باتوں پر اگر یقین نہ کروں تو خودکشی کے سوا میرے لئے کوئی اور چارہ کار نہ رہ جائے گا۔

سعدون۔

یہ کم ہمتی کی باتیں مجھے ناپسند ہیں ـــــ اچھا یہ تو بتاؤ اس وقت تم کیوں آئے تھے۔کوئی خاص کام تھا؟

حماد۔

جی ہاں، والد نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔

سعدون۔

تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہارے والد اور امیر المومنین امین کے ندیم و وزیر فضل بن ربیع نے مجھے یاد کیا ہے؟

حماد۔

جی ہاں انھوں نے آپ کو ابھی اور فوراً طلب فرمایا ہے۔

سعدون۔

حکم کی تعمیل کروں گا۔لیکن یہ تو بتاؤ انھوں نے کیوں یاد کیا ہے اس خاکسار کو؟

حماد۔

یہ میں نہیں جانتا لیکن چلنے میں دیر نہ کیجئے۔ وہ بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

سعدون یعنی سلمان حماد کی اس اطلاع سے بہت پریشان ہوا کہ فضل بن ربیع نے اسے یاد کیا ہے۔کیونکہ اگرچہ اس نے امیر المومنین تک کو اپنا گرویدہ اور معتقد بنالیا تھا۔لیکن فضل بن ربیع کے

نہ بن جائے۔ آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا مجھے یقین تھا۔ لیکن اس کے باوجود دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے عقیدہ کے خلاف میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ آپ نہیں جانتے میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اگر آپ کو یہ اندازہ ہوتا تو آپ مجھ سے خفا نہ ہوتے میرے ساتھ ہمدردی کرتے۔

یہ کہتے کہتے حماد کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگا۔ سعدون نے اٹھ کر اس کے آنسو پونچھے اسے گلے سے لگایا اور بڑے مربیانہ لہجے میں کہا۔

"مرد ہو کر روتے ہو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اطمینان رکھو جو کچھ تم چاہتے ہو وہ تمہیں حاصل ہو گا"۔!

حماد۔

کیا میمونہ مجھے مل جائے گی؟

سعدون۔

ضرور ملے گی۔ میں یقین دلاتا ہوں۔ اور تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بولتا۔

حماد۔

تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ مبارک دن کب آئے گا۔

سعدون۔

(مسکراتے ہوئے) وہی جلد بازی خدا کے بندے صبر سے کام لو۔ اور اطمینان رکھو میمونہ تمہاری ہے۔ اور تم ہی کو ملے گی۔

حماد۔

جو مجھ سے کیا جاتا ہے میں اپنے علمی اصول پر جانچتا ہوں اور جو جواب نکلتا ہے بتا دیتا ہوں۔ ورنہ ذاتی طور پر تو میں ایک نہایت ہی معمولی آدمی ہوں۔

نضل۔

خیر یہ رسمی اور تکلف کی باتیں چھوڑو۔ میں تمہارا امتحان لینا نہیں چاہتا ہوں۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟

سعدون۔

مجھے غیب دانی کا دعویٰ نہیں اور سچ پوچھئے تو عالم الغیب صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ آپ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھئے۔ میرا علم جو کچھ بتائے گا وہ میں عرض کروں گا۔ خواہ وہ آپ کو سچ نظر آئے یا جھوٹ۔

نضل۔

ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ میں تم سے ایک بہت اہم سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس سوال کا تعلق مسئلہ خلافت سے ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے کوئی ایسی بات دریافت کر رہا ہوں جس سے میں ناواقف ہوں۔ میں تم سے وہ سوال کر رہا ہوں جس کا جواب مجھے معلوم ہے۔ اور اسی سوال کے جواب پر تمہارے سچے اور جھوٹے ہونے کا فیصلہ ہے۔ اگر تم سچے ثابت ہوئے تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تمہارے منصب میں اضافہ ہوگا جاگیر ملے گی۔ انعام عطا ہوگا۔ خلعت سے سرفراز کئے جاؤ گے۔ تمہاری سربلندی دیکھ کر تمہارے ساتھی رشک کریں گے۔ لیکن اگر تم نے غلط جواب دیا تو پھر تمہاری خیریت نہیں۔ تم ذلیل کئے جاؤ گے۔ تمہیں سزا ملے گی۔ اور اتنی عبرتناک کہ دوسرے اسے دیکھ کر تھرا اٹھیں گے۔

بارے میں وہ برابر محسوس کرتا تھا کہ وہ اسے مشکوک نظر سے دیکھتا ہے بہر حال دل ہی دل میں اپنے آپ کو سنبھالتا اور تسلی دیتا وہ اٹھا اور حماد کے ساتھ فضل کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ واقعی فضل اس کے انتظار میں سراپا اشتیاق میں بیٹھا تھا۔ جیسے ہی وہ پہنچا فضل نے اسے گھور کر دیکھا اور کہا۔

قصر خلافت کے نجومیوں کے سردار شاید تم ہی ہو۔ تمہارا ہی نام علامہ سعدون ہے؟

سعدون۔

غلام کا نام بیشک سعدون ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ اسے نجومیوں کا سردار کہا جائے۔

فضل۔

حماد اور کوتوال شہر سے تمہاری جو حیرت انگیز باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ اگر سچ ہیں تو تم ہر اعزاز کے مستحق ہو۔

سعدون۔

میں نہیں جانتا ان حضرات نے میرے بارے میں آپ سے کیا عرض کیا ہے؟

فضل۔

یہی کہ تم غیب کی باتیں جانتے ہو۔ دل کے راز سے واقف ہو جاتے ہو۔ ہونے والی بات وقت سے پہلے تمہارے علم میں آ جاتی ہے۔

سعدون۔

اگر یہ سچ بھی ہے تو یہ خوبی میری نہیں میرے علم کی ہے۔ ہر سوال کو

(۴۴)

جو سبقت کرتا ہے کامیاب رہتا ہے!

کچھ دیر تک فضل خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے کہا بتاؤ اس وقت میں کس فکر میں ہوں؟

سعدون۔

آپ ایک دشمن کی فکر میں ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ اسے گرفتار کریں۔ لیکن وہ بہت زیرک اور ہوشیار ہے۔ آپ کی گرفت سے بہت دور نکل گیا ہے۔ آپ نے اسے مدائن میں تلاش کیا۔ قصرِ شاپور کا چپّہ چپّہ چھان مارا۔ آپ کے سپاہیوں نے جاسوسوں نے اور آوردوں نے اسے پکڑنے میں جان کی بازی لگا دی لیکن وہ اس طرح نکل بھاگا جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔ آپ کچھ نہ کر سکے آپ کے آدمی منہ تکتے رہ گئے۔

فضل بن ربیع۔

(بے انتہا حیرت سے) اے شخص واقعی تو بہت عجیب و غریب انسان ہے۔ تیرے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ سب سچ ہے واقعی میں

فضل کی یہ باتیں سُن کر سعدون کا عالم یہ تھا کہ نیچے کی سانس نیچے اور اوپر کی اوپر اتنی سخت آزمائش سے گزرنے کے لئے وہ قطعاً تیار نہ تھا۔ لیکن پھنسا اس بری طرح تھا کہ نہ بھاگنے کا موقع تھا نہ انکار کا اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

آپ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھئے میں اپنے علم کی رُو سے سچّا جواب دوں گا۔ اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ جواب آپ کے نزدیک صحیح ہوتا ہے یا غلط؟

سعدون۔
سلطنتِ عباسیہ کا ولی عہد، امیرالمومنین امین کا بھائی شہزادہ مامون۔
فضل بن ربیع۔
اوہ، واقعی میرا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ۔
سعدون۔
فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟
فضل بن ربیع۔
بہزاد کے ساتھ سائے کی طرح ایک آدمی اور بھی رہتا ہے جو اس کا بڑا معتمد، رفیق، اور ہمدم ساز ہے کیا تم بتا سکتے ہو وہ کون ہے؟
سعدون۔
جی ہاں، اس کا نام سلمان ہے۔
فضل بن ربیع۔
کیا وہ بہزاد کے ساتھ سرگرم سفر نہیں ہے۔
سعدون۔
نہیں، میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ بہزاد اکیلا جا رہا ہے۔ سلمان اس کے ساتھ نہیں۔
فضل بن ربیع۔
تو یہ بھی دیکھ کر بتاؤ وہ کہاں ہے۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی بہتر۔ اگر بہزاد دستیاب نہیں ہو سکتا تو ہم سلمان کو گرفتار کر لیں گے۔ اسے قرار واقعی سزائیں دیں گے اور بہت ممکن ہے کچھ کام کی باتیں اس سے

اسی دشمن کی تاک میں ہوں، جو میری گرفت سے دور نکل گیا ہے۔

سعدون۔

مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔

فضل بن ربیع۔

کیا تو اس شخص کا نام جانتا ہے؟

سعدون۔

بہت اچھی طرح، وہ بہزاد خراسانی ہے۔ وہ طبابت کا پیشہ کرتا ہے لیکن یہ صرف ڈھونگ ہے۔ وہ درحقیقت حکومت کا تختہ اُلٹ دینا چاہتا ہے وہ امیرالمومنین کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہمارے وزیر باتدبیر فضل بن ربیع کی جان کا گاہک ہے۔

فضل بن ربیع۔

لیکن اس وقت وہ کہاں ہے؟

سعدون۔

دور بہت دور ایک صحرا میں مسافر کا بھیس بدلے ایک قافلے کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلا جا رہا ہے۔

فضل بن ربیع۔

لیکن کہاں؟ کدھر؟ کس طرف؟

سعدون۔

اپنے سب سے بڑے دوست کے پاس۔

فضل بن ربیع۔

وہ اس کا دوست کون ہے؟

نہیں آتا۔ صرف قرینہ اور قیاس سے اتنا اندازہ لگا سکا ہوں کہ وہ بغداد میں موجود ہے۔ سردست میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو کچھ عرصہ کے بعد میں یہ بتا سکوں گا کہ وہ کس مقام پر ہے۔ بہرحال یہ سن رکھئے کہ اس کا گرفتار کرنا بہزاد کے گرفتار کرنے سے بھی مشکل ہے۔ بہزاد اگر ایک مرتبہ آپ کے پنجہ میں آجائے تو اس کا رہائی پانا دشوار ہے۔ لیکن سلمان کو اگر آپ گرفتار بھی کرلیں تو وہ بڑی آسانی سے آنکھوں میں دھول جھونک کر غائب ہوجائے گا۔

فضل بن ربیع۔

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ سلمان بہزاد سے کہیں زیادہ خطرناک شخص ہے۔

سعدون۔

آپ بالکل صحیح سمجھے۔ میرے عرض کرنے کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے لیکن ایک بات میں عرض کرتا ہوں اسے غور سے سنئے۔

فضل بن ربیع

کہو، کہو، تمہاری ہر بات ہم پورے غور و توجہ سے سنتے ہیں۔ واقعی تم عجیب و غریب انسان ہو۔

سعدون۔

اس وقت آپ کا ستارہ زوروں پر ہے لیکن اگر جلد از جلد حالات نے پلٹا نہ کھایا تو وہ گردش میں آجائے گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ بات آپ کے لئے مہلک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

فضل بن ربیع۔

معلوم ہو جائیں۔

سعدون۔

میرا علم یہ کہتا ہے کہ سلمان بغداد میں موجود ہے۔

فضل بن ربیع۔

سلمان بغداد میں موجود ہے۔ لیکن کہاں؟ بتاؤ تاکہ ہمارے سپاہی ابھی اسے گرفتار کر لائیں۔

سعدون۔

لیکن یہ نہیں بتا سکتا اس کے لئے مجھے ریاضت کرنا پڑے گی۔ تب بتا سکوں گا۔

فضل بن ربیع۔

یہ کیوں؟

سعدون۔

اس لئے کہ سلمان اگرچہ بظاہر میں بہزاد کا خادم ہے لیکن درحقیقت اس کا مرشدِ کامل ہے۔ ستارہ شناس اور نجوم کے فن میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔ عملیات کے فن میں بھی اسے غیر معمولی دستِ گاہ حاصل ہے، اگر وہ کوئی معمولی شخص ہوتا تو ایک معمولی سا عمل پڑھ کر میں اسے یہاں موجود کر دیتا لیکن وہ بہت بڑا فن کار ہے۔ وہ تو کہئے میرا علم خود اتنا مکمل ہے کہ میں نے اس کا پتہ چلا لیا۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بہت بڑا پردہ اس کے اور میرے درمیان حائل ہے۔ اس کا چہرہ مجھے دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا ہے۔ جس مقام پر وہ موجود ہے اس کا جغرافیہ میری سمجھ میں

گویا تمہارا مطلب یہ ہے کہ مامون معزول کر دیا جائے۔ اس کے حقوق چھین لئے جائیں۔؟

سعدون۔

میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ آپ خود سمجھ لیجئے۔ میرا مقصد کیا ہے؟

فضل بن ربیع۔

ہاں میں نے سمجھ لیا اور واقعی تمہارا خیال صحیح ہے۔ قصرِ مامون میں بغاوت اور سرکشی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس کا تدارک جلد ہونا چاہیئے۔ ورنہ واقعی معاملہ پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔

سعدون۔

کیا آپ کسی خاص اور تازہ واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟

فضل بن ربیع۔

ہاں، وہ واقعہ خاص اور تازہ بھی ہے۔ اور بہت زیادہ اہم بھی اور شاید جیسا کہ تم نے اشارہ کیا ہے۔ حالات یہیں سے پلٹا کھائیں گے۔

سعدون۔

کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں واقعہ کیا ہے؟

فضل بن ربیع۔

تم تو بڑے غیب داں ہو تمہیں بتلانے کی کیا ضرورت ہے۔ خود سمجھ لو۔ اور جان جاؤ۔

سعدون۔

ہاں، آپ اگر نہ بتائیں گے تو میں اپنے علم سے معلوم کروں گا۔ لیکن

(گھبراکر) تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

سعدون۔

ہوشیاری کے ساتھ کام کرکے گذریئے۔ ماموں اور امین کے ستاروں میں ٹکر ہو رہی ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کررہے ہیں، لیکن اس وقت قسمت جس کے ساتھ ہے آئندہ بھی اسی کے ساتھ رہے گی۔

فضل بن ربیع۔

کیا مطلب؟

سعدون۔

ماموں صرف ولی عہد ہے۔ دارالخلافہ سے بہت دور ایک شہر میں بے یار و مددگار پڑا ہے۔ وہ حکومت کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے۔ امین کو قتل کردینا چاہتا ہے۔ مسندِ خلافت پر قبضہ کرلینا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس امین مسندِ خلافت پر متمکن ہے۔ فوج اس کے ساتھ ہے دولت اس کے پاس ہے خلقت اس کی دعاگو ہے۔ حالات اس کے لئے سازگار ہیں۔ وہ اپنے حریف اور دشمن کو بڑی آسانی سے کچل سکتا ہے۔ پامال کرسکتا ہے۔ ختم کرسکتا ہے۔ تباہ و برباد کرسکتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ جو سبقت کرتا ہے وہ کامیاب رہتا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو حالات کا رخ آپ کی تائید میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر ایک مرتبہ آپ کے خلاف ہوگیا تو پھر کبھی آپکے موافق نہ ہوسکے گا۔ میری یہ بات یاد رکھیئے۔

فضل بن ربیع۔

(۴۵)

میمونہ اور زینب کی گرفتاری!!

نفیس نے سعدون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بات تو کچھ بھی نہ تھی میمونہ کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ مامون کے محل میں پناہ گزیں ہے۔ یہ تو تم نے بتا ہی دیا تھا کہ وہ مدائن میں نہیں ہے۔ لیکن آخر ہمارے بھی جاسوس اور کارندے موجود ہیں۔ انھوں نے اطلاع دی کہ وہ مامون کے محل میں بڑے سکھ اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ حماد کو اگر اس سے محبت نہ ہوتی تو بھی ہماری سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ وہ وہاں نہ رہنے پائے۔ لیکن اس احمق لڑکی کو دیکھو کہ ہم تو اسے عزت سربلندی کی زندگی عطا کرنا چاہتے ہیں۔ غربت کی زندگی کو امارت کے ٹھاٹ سے تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ہمارے سے بھاگتی ہے۔ اور اِدھر اُدھر بھاگی بھاگی پھرتی ہے۔

سعدون۔

واقعی یہ اس لڑکی کی انتہائی بدنصیبی ہے۔ آپ کا کوئی برا مقصد تو ہے

ہر ہر بات اور ہر ہر واقعہ پر اگر میں اپنی روح اور ذہن و دماغ کی قوت صرف کرتا رہوں تو میرے لئے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ لہذا علم سے کام اسی وقت لینا چاہتا ہوں جب واقعی شدید ضرورت ہو اور کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رہ جائے۔

میرے اس حکم سے کس طرح ٹکر لیتی ہے؟ اور اگر اس نے ایسی جسارت کی تو قصر مامون کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔

سعدون یہ باتیں سُن کر گھبرا گیا وہ اگر بہت زیادہ اپنے اوپر قابو نہ رکھتا تو شاید اس وقت پکڑا جاتا۔ سارا بھرم کھل جاتا اور فضل محسوس کر لیتا کہ سعدون اور سلمان ایک ہی وجود کے دو نام ہیں لیکن اپنی اندرونی کیفیت سعدون نے چھپائی اور اپنے اضطراب کا ذرا بھی اظہار نہیں ہونے دیا۔ اس نے بہت پرسکون لہجے میں کہا۔

یہ آپ نے بہت اچھا کیا اگر آپ ایسا نہ کرتے تو نہ جانے میمونہ کہاں نکل جاتی۔ اور پھر اس کی تلاش میں بہت زیادہ دشواری پیش آتی۔

فضل بن ربیع نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اتنے میں ایک افسر سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ فضل نے اس سے پوچھا۔

کیا بات ہے کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟

افسر۔

جی ہاں آپ نے جو دستہ قصر مامون کی طرف روانہ کیا تھا وہ واپس آ گیا ہے۔

فضل بن ربیع۔

کامیاب یا ناکام؟

افسر۔

رئیس الوزراء کا بھیجا ہوا دستہ ناکام واپس نہیں آ سکتا۔

فضل بن ربیع۔

(خوش ہو کر) تو میمونہ آ گئی؟

نہیں۔ آپ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس کے دورِ افلاس کا خاتمہ ہو جائے
اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے
اپنے لختِ جگر حماد کے ساتھ اس کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ بہر حال کوئی
لوگ اپنی بد قسمتی پر قانع ہے تو کیا کیا جائے؟ لیکن یہ تو ارشاد فرمائیے۔
جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے کیا کیا۔

فضل بن ربیع۔

میں نے ایک سوار بھیجا کہ جا کر اسے لے آئے (لنگا ہیں جو ہے بادن گزکا"
قصرِ مامون کی قہرمانہ (داروغہ محل) ونانیر نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر نہایت
ذلت کے ساتھ خالی ہاتھ واپس کر دیا۔

سعدون۔

نہایت ذلیل حرکت کی۔

فضل بن ربیع۔

لیکن خود بھی اسے ذلیل ہونا پڑے گا۔

سعدون۔

یقیناً بیشک جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ
قہرمانہ نے اس طرح کا بے تکا جواب دے کر اپنے حدود اور اختیارات
سے تجاوز کیا ہے۔

فضل بن ربیع۔

چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔ پہلے میں نے
ایک سپاہی بھیجا تھا۔ اب میں نے سپاہیوں کا ایک پورا دستہ بھیجا ہے
اور حکم دیا ہے کہ ہر قیمت پر میمونہ گرفتار کر لائی جائے۔ دیکھوں گا قہرمانہ

فضل بن ربیع۔
تم احمق ہو۔ نالائق ہو۔ گدھے ہو۔ اتنی بڑی حماقت کرنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ مجھے منہ دکھانے آ گئے؟

افسر۔
لیکن میرے آقا بڑی نازک صورت حال پیدا ہو گئی تھی شہزادی زینب بہرحال امیرالمومنین کی بھتیجی اور ولی عہد سلطنت کی بیٹی ہیں۔ ان کے ساتھ کسی طرح کی گستاخی ممکن ہی نہ تھی۔ ہاں صرف دنانیر کا معاملہ اگر ہوتا تو بیشک ہم اس پر سختی کر سکتے تھے۔

فضل بن ربیع۔
کیا دنانیر نے بھی کچھ غل مچایا تھا؟

افسر۔
جی بہت زیادہ سب سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اسی نے اچھل کود شروع کی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ میمونہ ہماری پناہ میں ہے ہماری مہمان ہے۔ ہم اسے کسی کے حوالے نہیں کر سکتے اور اگر تم بضد ہو کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ تو ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

فضل بن ربیع۔
اسے بھی لے آئے ہوتے۔

افسر۔
جی وہ بھی آئی ہے۔

فضل بن ربیع۔

افسر۔

جی ۔۔۔ لیکن تنہا نہیں۔

فضل بن ربیع۔

کیا کہنا چاہتے ہو تم اس کے ساتھ اور کون آیا ہے؟ ہم نے کسی اور کی گرفتاری کا حکم تو نہیں دیا تھا۔

افسر۔

لیکن جو خود گرفتار ہونا چاہے اسے رُوکا بھی تو نہیں جا سکتا۔

فضل بن ربیع۔

(برہمی کے ساتھ) کون ہے وہ بدبخت؟

افسر۔

شہزادی زینب۔

فضل بن ربیع۔

(بہت زیادہ سراسیمہ اور پریشان ہو کر) کیا کہا۔ شہزادی زینب؟

افسر۔

جی ہاں، وہ میمونہ کا دامن پکڑ کر اس سے لپٹ گئیں۔ انہوں نے کہا اگر میمونہ گرفتار ہوئی تو مجھے بھی گرفتار کرنا پڑے گا۔ وہ یہاں سے تنہا نہیں جا سکتی۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گی وہ میری سہیلی ہے دوست ہے۔ معتمد ہے۔ میں اسے دشمن کے ہاتھ میں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ جو اس کا حشر ہوگا وہی میرا حشر ہوگا ۔۔۔ آپ ہی ارشاد فرمایئے۔ شہزادی زینب کی ان باتوں کا جواب کیا دیا جا سکتا تھا؟ یہ تو ممکن نہ تھا کہ ان پر سختی کی جاتی لہٰذا مجبوراً ساتھ لانا پڑا۔

افسر:
واقعی بہت بڑی غلطی ہوئی۔ معافی چاہتا ہوں۔
نضل بن ربیع:
یہ فیصلہ ہم بعد میں کریں گے کہ تمہیں معاف کیا جائے یا سزا دی جائے۔
اس وقت تم ہماری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ نتیجہ بہت برا ہوگا۔
افسر خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد
فضل نے سعدون سے کہا۔
سوچتا کچھ ہوں ہوتا کچھ ہے۔ اب یہ ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی۔
سعدون۔ افسر اور فضل کی گفتگو بڑی دلچسپی کے ساتھ سن رہا تھا میمونہ
کے بارے میں جو اضطراب اس کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ یہ سن کر اطمینان
سے بدل گیا تھا کہ وہ تنہا نہیں آئی۔ زینب اور دانیر بھی اس کے ساتھ ہیں۔
اسے یقین تھا اب میمونہ کو کسی طرح کا گزند نہیں پہنچ سکتا لیکن اپنی اس
کیفیت کو چھپاتے ہوئے اس نے فضل سے کہا۔
آپ اتنے پریشان کیوں ہیں زینب اگر میمونہ کے ساتھ آئی ہے تو
کیا کرے گی ۔۔۔!؟
فضل نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔
میرے دوست تم نہیں جانتے امین اپنی بھتیجی زینب کو بہت چاہتا ہے اسے
چاہے ماموں سے جتنی کدورت ہو لیکن زینب کا جہاں تک تعلق ہے واقعی وہ اسے اپنا لختِ جگر
اور نورِ بصر سمجھتا ہے۔ یہ چھوکری نہ جانے اب کیا آفت ڈھائے گی مجھے ڈر
ہے۔ کہیں امیرالمومنین مجھ سے برہم نہ ہو جائیں۔
سعدون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

(بگڑ کر) کمبخت کیا بکتا ہے۔ اس اپنی خالہ کو بھی ساتھ لیتا آیا؟

افسر:
میرے آقا آپ ہی غور فرمائیے۔ آخر ہم کیا کرتے؟ میمونہ کا دامن شہزادی زینب کے ہاتھ میں تھا۔ اور شہزادی زینب کا دامن دنانیر کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایسی خوفناک اور نازک صورت پیدا ہوگئی تھی کہ سوا اس کے کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا کہ جو بھی ساتھ آنا چاہتا ہے اسے اپنے ساتھ آنے دیتے۔

فضل بن ربیع۔
سچ کہتے ہو۔ تمہارے باپ کی طرف سے یہاں لنگر خانہ کھلا ہوا ہے اِدھر اُدھر سے لوگوں کو پکڑ کر لاؤ اور طرح طرح کے کھانے انھیں کھلاؤ ـــ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے ـــ لیکن کمبخت یہ تو بتا یہ لوگ کہاں ہیں؟

افسر:
انھیں محل کے زنان خانہ میں پہونچا دیا گیا ہے۔

فضل بن ربیع۔
تیری مراد قصرِ خلافت کے زنان خانے سے ہے؟

افسر:
جی، یہی آپ کا فرمان تھا۔
عقل کے دشمن میرا یہ فرمان اس وقت تھا جب میمونہ تنہا ہوتی لیکن زینب اور دنانیر کے ساتھ اسے وہاں پہونچا دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ میرے منہ میں کالک لگے۔

سعدون کی ان باتوں سے فضل کا دِل سنبھل گیا۔ اور زینب کی آمد کے ذکر سے دہشت اور سراسیمگی کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ دُور ہو گئی۔

اُس نے سعدون سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ تم انسان نہیں جادوگر ہو۔۔۔ اچھا بہت جلد ہم پھر ملیں گے؟

نہیں میرے آقا ایسا نہیں ہو سکتا۔ زینب لاکھ امیر المومنین کی چہیتی ہو لیکن ابھی وہ بچہ ہے۔ اس کی باتیں آپ کے اثر و رسوخ کو زائل نہیں کر سکتیں اور فرض کیجئے اس کی لگائی بجھائی سے امیر المومنین کی طبع صافی پر آپ کے خلاف کچھ غبار بھی آ جائے تو جیسے ہی آپ سے آنکھیں ملیں گی۔ وہ صاف ہو جائیگا۔ اور امیر المومنین آپ کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

فضل بن ربیع۔

یہ تم نے کیسے جانا؟

سعدون۔

میں جانتا ہوں امیر المومنین کے دل میں آپ کی کتنی قدر و منزلت ہے۔ آپ کے وجود پر انہیں فخر ہے۔ آپ نہ ہوتے تو امیر المومنین کے راستہ میں کانٹے ہی کانٹے ہوتے وہ آپ ہی ہیں جس نے اپنے ہاتھوں کو لہولہان کر کے یہ کانٹے راستہ سے ہٹانے اور پھولوں کی سیج تیار کر دی۔ اگر کہیں خدانخواستہ وہ ناعاقبت اندیشی سے کام لیں اور ایک لڑکی کے بہکا دے میں آ کر آپ سے بدظن ہو جائیں تو یہ آپ کی نہیں ان کی بدقسمتی ہوگی۔ اس لئے کہ میں نے اپنے علم کے زور سے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ جب تک آپ ان کے ساتھ ہیں ان کا ستارہ اوج پر ہے۔ اگر آپ نے ساتھ چھوڑ دیا یا انہوں نے آپ سے قطع تعلق کر لیا تو اسی دن سے زوال اور ادبار کا دور شروع ہو جائے گا۔ اور پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں تباہ و برباد ہونے سے نہیں بچا سکے گی —— اطمینان رکھیئے ذرا بھی پریشان نہ ہوئیے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ زینب کی باتیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہی ہوگا جو آپ چاہیں گے۔ جو آپ کہیں گے ——!

زینب کا نام سن کر امین چونک پڑا۔ اس نے حیرت سے قہرمانہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"زینب آئی ہے؟ اس وقت!"

قہرمانہ نے دست بستہ عرض کیا۔

جی ہاں"۔ اور وہ بہت بضد ہیں کہ ابھی اور اسی وقت چچا جان سے ملوں گی!

یہ باتیں سن کر امین کو بڑی حیرت ہوئی وہ اٹھ کھڑا ہوا ایک دوسرے کمرہ میں پہنچا وہاں اس نے قہرمانہ سے کہا۔

"جاؤ زینب کو بلا لاؤ"۔

ذرا دیر میں زینب ایک ریشمی چادر میں لپٹی اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرہ پر ماندگی اور افسردگی برس رہی تھی۔ وہ امین کے پاس پہنچی اور اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ امین نے شفقت اور محبت کے ساتھ اسے اپنے سینے سے لگایا اور کہا۔

"بیٹی" روکیوں رہی ہو کیا بات ہے؟

زینب۔

اس لئے رو رہی ہوں کہ میری توہین کی گئی مجھے ذلیل کیا گیا"۔

امین۔

دربر بچی کے ساتھ تمہیں ذلیل کرنے والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمہاری توہین کرنے والا سزا سے نہیں بچ سکتا۔ بتاؤ وہ کون شخص ہے۔ جس نے تمہاری توہین کی خواہ وہ کوئی ہو میں اسے ضرور سزا دوں گا۔

زینب۔

(۴۶)

خلیفہ کی بارگاہ میں زینب کے آنسو

زینب قصر خلافت میں پہونچی۔ چہرے سے جلال برس رہا تھا۔ محل کی قہرمانہ سے اس نے کہا۔

"میں اسی وقت اپنے چچا امیرالمومنین امین سے ملنا چاہتی ہوں۔"

امین زینب اور میمونہ کے حالات سے بالکل بے خبر اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے گروہ میں بیٹھا رقص و نغمہ سے دلچسپی لے رہا تھا۔ سارا ایوان روشنی سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ مشک اور عنبر کی خوشبو سے چپہ چپہ مہک رہا تھا۔ اتنے میں قہرمانہ حاضر ہوئی اور ادب سے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ امین نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور ترش روئی کے ساتھ دریافت کیا۔

"اس وقت تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

امین کے تیور اور لب و لہجہ سے قہرمانہ کانپ اٹھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا

"ولیعہد سلطنت شہزادہ مامون کی صاحبزادی زینب تشریف لائی ہیں اور آپ سے ملنے کے لئے ضد کر رہی ہیں!"

دنانیر۔

بات صرف اتنی ہے کہ ہمارے محل میں ایک یتیم، بیکس اور بے سہارا لڑکی جس کا نام میمونہ ہے کسی طرح پہونچ گئی۔ شہزادی نے اس کے طور طریقے پسند کئے اور وہ اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئیں۔

امین۔

ٹھیک ہے ایسا ہوا ہوگا۔ لیکن میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ زبیدہ کی توہین کس طرح کی گئی اور تم میمونہ کی داستان لے بیٹھیں۔

دنانیر۔

میمونہ ہی تو اس قصہ کی اصل رُوح ہے۔ فضل نے ایک سپاہی بھیجکر کہدیا کہ امیرالمومنین نے میمونہ کو طلب فرمایا ہے۔ فوراً بھیج دو۔

امین۔

(حیرت سے) فضل نے ہمارے نام سے میمونہ کو طلب کیا؟

دنانیر۔

جی لیکن میں سمجھ گئی کہ وہ جھوٹا ہے۔ بھلا امیرالمومنین کو میمونہ سے ملنے کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔ شہزادی کی ہدایت کے مطابق میں نے انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ وہ ہماری مہمان ہے اور میزبان پر مہمان کا حق ہوتا ہے۔ لہذا اس کی حفاظت و نگہداشت ہمارا فرض ہے۔

امین۔

تم نے بہت ٹھیک جواب دیا ـــــ پھر اس کے بعد؟

دنانیر۔

اس کے بعد فضل نے سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا کہ وہ میمونہ کو زبردستی

اس شخص کا نام فضل بن ربیع ہے۔

امین۔

(بے انتہا حیران ہو کر) فضل بن ربیع نے تمہاری توہین کی؟ اس نے تمہیں ذلیل کیا؟ کس طرح یقین کروں کہ تم سچ کہہ رہی ہو؟ لیکن تمہیں جھوٹ بولنے کی وجہ بھی کیا ہو سکتی ہے؟ حیرت ہے کہ فضل اتنا گستاخ ہو جائے کہ وہ تمہاری توہین کرنے پر اتر آئے۔ بہرحال پورا واقعہ بیان کرو تاکہ میں کوئی رائے قائم کر سکوں۔

زینب نے دنانیر کی طرف دیکھا اور کہا

چچا جان سے پورا واقعہ تم بیان کرو۔

امین۔

اں دنانیر جو کچھ تمہیں معلوم ہے ـــ کہہ دو لیکن خبردار نہ مبالغے کام لینا نہ جھوٹ سے اگر سچ سچ کہو گی تو امن میں رہو گی۔ غلط بیانی اور مبالغے کام لو گی تو کسی طرح سزا سے نہ بچ سکو گی۔

دنانیر۔

میرے آقا میں غلط بیانی کی جرأت کیسے کر سکتی ہوں۔ میں نے تو شہزادی زینب کو منع کیا تھا کہ وہ قصرِ خلافت میں اتنے ناوقت تشریف لے جا کر آپ کے تکدرِ طبع کا باعث نہ ہوں۔ لیکن انہیں تو باپ سے زیادہ آپ پر واعیہ ہے۔ جب میری ایک نہ سنی اور چلی آئیں، مجھے بھی ساتھ ساتھ آنا پڑا۔

امین۔

خیر۔ زینب اپنے گھر آئی ہے۔ جب چاہے آ سکتی ہے۔ لیکن واقعہ کیا ہے یہ تو بتاؤ؟

لے آئے۔

امین۔

اچھا تو میمونہ کو لینے کے لئے سپاہی پہونچے تھے؟

دنانیر۔

جی۔ میں نے جب بات بڑھتی دیکھی تو شہزادی سے کہا۔ اب میمونہ کا رُوکنا مناسب نہیں۔ اسے جانے دو۔ لیکن وہ مچل گئیں۔ اُنھوں نے کہا میں بھی میمونہ کے ساتھ جاؤں گی۔ چنانچہ وہ بھی اس کے ساتھ چل کھڑی ہوئیں۔ مجبوراً مجھے بھی ساتھ ساتھ حاضر ہونا پڑا۔

امین یہ باتیں سُن رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر برہمی اور غضب کے آثار اُبھر رہے تھے۔ لیکن اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے دنانیر سے پوچھا۔

یہ میمونہ ہے کون؟

دنانیر۔

ابھی امیرالمومنین کی خدمت میں عرض کر چکی ہوں کہ ایک یتیم اور بے سہارا لیکن خوش وضع اور خوش اطوار لڑکی ہے۔ اس دنیا میں خدا کے سوا اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ شہزادی کو وہ اتنی بھائی کہ انہوں نے اسے اپنی سہیلی بنالیا۔

امین۔

اچھا — میمونہ اس وقت کہاں ہے؟

دنانیر۔

ہم لوگوں کے ساتھ وہ بھی قصرِ خلافت میں لائی گئی ہے۔

امین۔

"اسے ہماری خدمت میں پیش کرو۔ ہم اسے دیکھیں اور اس سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں!"

دنانیر اسے بلانے کے لئے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد امین نے زینب کو پھر ایک مرتبہ پیار سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹی اتنی معمولی سی بات کیلئے تمہیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف تمہارا پیام کافی تھا۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ تم ہم سے کسی بات کی فرمائش کرتیں۔ ہم اسے رد کر دیتے؟

زینب۔

چچا جان میمونہ بڑی اچھی اور پیاری لڑکی ہے۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اسے گرفتار ہوتا کسی طرح نہ دیکھ سکی۔ اسی لئے ساتھ ساتھ چلی آئی۔ آپ کے محل میں کنیزوں اور باندیوں کی کمی تو ہے نہیں آپ اسے لے کر کیا کریں گے؟ مجھے واپس کر دیجئے۔ وہ میرا جی بہلاتی اور مجھے خوش رکھتی ہے۔

امین نے محبت بھری نظروں سے زینب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹی تو جو کچھ چاہتی ہے وہی ہوگا۔ تیری فرمائش پوری ہوگی۔"

اسی اثناء میں دنانیر میمونہ کو لے کر حاضر ہوئی۔ میمونہ کا عالم اس وقت یہ تھا کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں تھیں۔ چہرے پر ایک عجیب قسم کی غم انگیز کیفیت طاری تھی۔ امین جہاں اس کے حسن جمال سے متاثر ہوا وہاں اسکے حالِ زار پر اس کا دل بھی کڑھا۔ میمونہ امین کے قدموں پر گر پڑی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امین نے شفقت کے ساتھ اس کا

بازو پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔

اے لڑکی تو اتنی ہراساں اور پریشان کیوں ہے۔ ہماری بیٹی زینب جب تجھ سے اتنی مانوس ہے تو تجھے کسی طرح کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے۔ تجھے ذرا بھی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ تو بالکل مطمئن رہ۔

پھر امین نے دنانیر سے کہا۔

میمونہ اور زینب کو لے کر آج تم یہیں ٹھہرو۔ صبح اس مسئلہ کا میں فیصلہ کروں گا۔"

پھر زینب کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

کیوں بیٹی کیا آج تو اپنے چچا کے ہاں مہمان نہیں رہے گی؟

زینب نے بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ کہا۔

ضرور رہوں گی۔ لیکن چچا جان ایک بات تو بتایئے۔ ابا جان کب تک تشریف لائیں گے۔ انہیں گئے ہوئے کتنے دن ہو گئے۔ بہت یاد آتے ہیں۔

زینب کے اس معصومانہ سوال نے امین کو پریشان کر دیا۔ وہ کچھ سٹ پٹا سا گیا۔ کچھ دیر تک تو ساکت رہا کہ کیا جواب دے پھر اس نے کہا۔

"انشاءاللہ وہ بہت جلد آئیں گے — اور کیوں بیٹی کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں؟"

زینب مسکرانے لگی۔

امین و شک دی۔ آواز سنتے ہی افسر حاضر ہوا اس سے کہا جاؤ قہرمانہ کو بلا لاؤ۔ وہ فوراً قہرمانہ کو لے کر حاضر ہوا۔ امین نے اس سے کہا۔

دیکھو یہ ہماری بیٹی زینب ہے۔ یہ آج ہماری مہمان رہیں گی۔ خبردار کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچے۔ ورنہ تمہاری گردن سلامت نہ رہے گی اور یہ میمونہ ہے۔ ہماری بیٹی زینب کی سہیلی اسے بھی بہت آرام و آسائش سے رکھنا۔ اور یہ دنانیر ہے اس کی خاطر مدارت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا ــــ خبردار۔"

پھر زینب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

بیٹی اب تم جاؤ کھانا کھاؤ۔ کہانیاں سنو آرام کرو۔ اور بالکل اطمینان رکھو وہی ہوگا جو تم چاہتی ہو۔

امین نے زینب میمونہ اور دنانیر کو محل کے اندر روانہ کردیا۔ اور خود بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آخر یہ راز کیا ہے۔ یہ معمہ کیا ہے؟

---

(۴۵)

جوڑ توڑ

امین بڑی دیر تک غور کرتا رہا۔ آخر فضل نے ایسی جراءت ناروا سے کام کیوں لیا؟ اور میمونہ کو قصرِ خلافت میں غلط طور پر اس کے نام کی آڑ لے کر بلانے کی کوشش کیوں کی؟ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ساری رات اسی خیال میں گذر گئی۔ صبح ہوتے ہی اس نے فضل کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ خود فضل کا بھی یہی حال تھا کہ ساری رات جاگتے گذری تھی۔ اگرچہ اسے اپنے رسوخ پر غیر معمولی اعتماد تھا۔ پھر بھی وہ سہما ہوا تھا۔ اس لئے کہ میمونہ کے ساتھ زینب نے آکر معاملہ کو بہت زیادہ پیچیدہ سنجیدہ اور خطرناک بنا دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ امین اسے ضرور طلب کرے گا۔ اور اس حرکت کی وجہ دریافت کرے گا۔ اور وہ کیا جواب دے گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ جب اس کے پاس امین کی طرف سے طلبی کا فرمان پہنچا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ لیکن حکم حاکم سے گریز کیونکر ممکن تھا۔ آخر بادلِ نخواستہ جانا پڑا۔ امین اس کے

انتظار میں بیٹھا تھا۔ فضل نے درباری آداب کے مطابق جھک کر سلام کیا امین نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دے دیا۔ اس کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں ماتھے پر شکنیں نمودار تھیں۔ چہرے پر برہمی اور غضب کے آثار ہویدا تھے۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر فضل کی اور زیادہ سٹی گم ہوئی۔ کچھ دیر تک امین خاموش رہا۔ پھر اس نے فضل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میمونہ کا قصہ کیا ہے تم نے اسے کیوں طلب کیا؟ میرا نام استعمال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور یہ معاملہ اتنا اہم کیوں ہو گیا کہ سپاہیوں کا دستہ بھیج کر تمہیں میری بھتیجی زینب کی دل شکنی اور توہین کرتے ہوئے بھی جھجک نہ محسوس ہوئی؟ یقیناً تم میرے معتمد وزیر ہو میں تمہیں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ تم میرے اہل خاندان کی توہین و تذلیل پر اتر آؤ ——— بتاؤ صفائی میں کچھ کہہ سکتے ہو؟

فضل بن ربیع نے لرزتی اور کانپتی آواز میں جواب دیا۔

"میرے آقا واقعی میں نے جرات ناروا سے کام لیا۔ بلاشبہ میرے طرز عمل سے شہزادی زینب کو تکلیف ہوئی۔ اور یہ بھی مانتا ہوں کہ غلط طور پر اس معاملے میں امیر المومنین کا نام نامی میں نے استعمال کیا۔ لیکن جس شخص کی زندگی کا مقصد اپنے آقا کی حمایت اور حفاظت میں کٹ مرنا ہو۔ جان دے دینا ہو وہ حصول مقصد کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔ میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔ اور الحمد للہ کہ گو میں کیسا ہی قابل تعزیر مجرم امیر المومنین کی نگاہ میں کیوں نہ ہوں۔ لیکن غداری ناوفاداری اور فرض ناشناسی

کا الزام مجھ پر نہیں عائد کیا جاسکتا۔ یہ فخر میرے لئے بہت ہے۔ اپنی صفائی میں اس سے زیادہ میں کچھ نہیں عرض کرنا چاہتا۔ امیر المومنین کو اختیار ہے کہ اپنے اس غلام کے بارے میں جو حکم چاہیں صادر فرمائیں

فضل کی ان باتوں سے امین بہت متاثر ہوا اس کے چہرہ پر برہمی کے جو آثار تھے وہ سمٹ گئے۔ اس نے بدلے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم پر ہمیں اعتماد ہے۔ تم ہمیں عزیز بہت عزیز ہو۔ تم نے جو کچھ اپنی وفاداری کے بارے میں کہا اسے ہم نے سنا اور اس سے متاثر بھی ہوئے۔ لیکن یہ بات اب تک سمجھ میں نہ آئی کہ میمونہ کو جو ایک غریب اور یتیم چھوکری ہے۔ اور جس سے زینب بہت زیادہ مانوس ہے۔ اتنے قابلِ اعتراض انداز میں طلب کرنے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی؟

فضل بن ربیع۔

میرے آقا۔ کیا آپ جانتے ہیں میمونہ کون ہے؟

امین۔

نہیں۔ لیکن اس کے بارے میں کچھ مزید جاننے کی کچھ خواہش بھی نہیں ہے۔

فضل بن ربیع۔

میرے آقا میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لڑکی میمونہ بہت اہم اور خطرناک ہستی کی مالک ہے۔

امین۔

کیا مطلب کیا کہنا چاہتے ہو تم؟

فضل بن ربیع۔
وہ جعفر برمکی کی لڑکی ہے۔ وہ جعفر جسے امیرالمومنین ہارون الرشید نے قتل کیا تھا۔

امین۔
(بہت زیادہ حیران ہوکر) کیا واقعی میمونہ جعفر کی لڑکی ہے؟

فضل بن ربیع۔
غلام بالکل سچ عرض کر رہا ہے۔

امین۔
اچھا یہی سہی' لیکن ایک نوعمر اور تباہ حال لڑکی سے ہمیں کیا اندیشہ ہوسکتا ہے؟

فضل بن ربیع۔
ذرا حالات کی ترتیب پر غور فرمایئے۔ جعفر کو امیرالمومنین ہارون الرشید نے اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون کے معاملات میں مداخلت کرنے لگا تھا یہی وہ شخص تھا کہ جس نے مامون کے دل میں ولی عہدی کی امنگ اور آرزو پیدا کی حالانکہ آپ بلااختلاف ساری مملکت کے واحد ولی عہد تسلیم کئے جا سکتے تھے۔ اور ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ خلافت کا خواب دیکھنے لگا۔ میرے آقا۔ آپ خود غور فرمایئے۔ کیا جعفر کی لڑکی کا مامون کے محل میں پناہ گزیں ہونا صرف ایک معمولی سی بات ہے۔ کم از کم میں اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

امین۔
واقعی حالات کا یہ رُخ ہماری نظر سے پوشیدہ تھا۔ لیکن پھر بھی ہم

میمونہ سے کوئی اندیشہ محسوس نہیں کر سکتے۔
فضل بن ربیع۔
یہ آپ کی اولوالعزمی ہے کہ آپ بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتے لیکن مامون کے محل میں ایرانیوں کا عمل دخل اور ایک ایرانی نژاد لڑکی میمونہ کی موجودگی اور ایک خراسانی طبیب کا اثر و رسوخ جو عملی لاعلان بغاوت اور انقلاب کا داعی ہے اور جس سے میمونہ کے گہرے روابط ہیں۔ ایسے واقعات نہیں جنہیں نظر انداز کر دیا جائے۔
امین۔
(پریشان ہو کر) یہ خراسانی طبیب کون ہے؟
فضل بن ربیع۔
ایک ایرانی شیطان جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر قیمت پر خلافت اسلامیہ خاندانِ قریش کے ہاتھوں سے نکال کر ایرانی خاندان میں منتقل کر دی جائے۔
امین۔
یہ کون شخص ہے؟
فضل بن ربیع۔
اس کا نام بہزاد ہے اور اگر اس کے بارے میں آپ مفصل اور مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو قصرِ خلافت کے رئیس المنجمین علامہ سعدان کو طلب فرمائیے وہ آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔
امین۔
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایرانی کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ابومسلم خراسانی

کے وقت سے برابر یہ لوگ جوڑتوڑ سازش اور فتنہ طرازی میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے ساتھ ہمارے خاندان کا طرزِ عمل بہت ہی مربیانہ و مشفقانہ رہا۔ ابو مسلم خراسانی کو ہمارے خاندان ہی کی بدولت وہ عروج و اقتدار حاصل ہوا جو دنیا کے بڑے بڑے عظیم المرتبت شہنشاہوں کو بھی نہیں حاصل ہو سکا یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی ہمارے والد کی سرپرستی کی بدولت اپنے وقت کے قارون بن گئے۔ لیکن ان سے بھی غداری اور بے وفائی کے سوا ہمیں کچھ نہ ملا۔ فضل ذرا سوچو تو آخر اس طرزِ عمل کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟

فضل بن ربیع۔

غلام کی سمجھ میں تو صرف ایک ہی بات آئی ہے۔

امین۔

کہو ہم سننا چاہتے ہیں۔

فضل بن ربیع۔

یہ ایرانی لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خلافت ان کا حق ہے۔

امین۔

یہ تو تم نے بڑی عجیب بات کہی۔ خلافت ان لوگوں کا حق کس طرح ہو سکتا ہے؟

فضل بن ربیع۔

ان کا خیال یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کی تاسیس ایرانیوں ہی کی رہینِ منت ہے۔ ابو مسلم خراسانی نہ ہوتا تو کسی طرح بھی عباسی خاندان میں خلافت منتقل نہ ہوتی۔ اسی طرح یحییٰ و جعفر نہ ہوتے تو خلافت عباسیہ کا استحکام اور ارتقاء ممکن نہ تھا۔ لہٰذا خلافت ان کا حق ہے۔

امین۔
تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں لیکن خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل کے ایرانیوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو کیا سارے عالم اسلام میں قیامت نہ برپا ہو جائے گی؟

فضل بن ربیع۔
بیشک ہو جائے گی!

امین۔
پھر اس کا توڑ کیا سوچا ہے انھوں نے؟

فضل بن ربیع۔
بہت آسان اور بہت معمولی۔

امین۔
ہم۔۔۔ معلوم کرنا چاہتے ہیں ان کی اسکیم کیا ہے؟ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

فضل بن ربیع۔
ان کی اسکیم ہے کہ اپنے بھانجے کو تختِ خلافت پر متمکن کر دیں۔

امین۔
بھانجا کون؟ کون ہے وہ بھانجا؟

فضل بن ربیع۔
مامون ۔۔۔ مامون کو یہ لوگ اپنا بھانجا سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کی ماں ایرانی تھی۔ اگر وہ منصب خلافت پر فائز ہو جائے تو عربوں کو اس لئے شکایت نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک عرب اور قریشی باپ ہارون الرشید کا بیٹا ہے۔ اور ایرانی اس لئے خوش ہوں گے کہ وہ ایک ایرانی خاتون کے بیٹے

پیدا ہوا ہے۔ مامون کو خلیفہ بنا کر وہ ایک تیر میں دو شکار کرنا چاہتے ہیں۔

امین۔

(کچھ سوچتے ہوئے) اچھا تو یہ بات ہے؟

فضل بن ربیع۔

جی ہاں، اور اگر اس فتنہ کی ابھی سے روک تھام نہ کی گئی تو حالات نہ جانے کیسی نازک صورت اختیار کر لیں۔

امین۔

تمہاری رائے بہت صائب ہے۔ واقعی اس فتنہ کے استقبال کی طرف ہمیں اپنی پوری توجہ صرف کر دینی چاہیئے۔ لیکن اس لڑکی میمونہ کا جہاں تک تعلق ہے بغیر کسی معقول سبب کے اس پر سختی کرنا یا اسے گرفتار و نظر بند کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ جب کہ زینب اس سے بہت زیادہ مانوس بھی ہے بہر حال تم اسے بلا چکے ہو تو تمہاری بات رکھنے کے لئے ہم یہ بھی مناسب نہیں سمجھتے کہ اسے فوراً زینب کے ساتھ واپس کر دیں۔ دو چار روز یہاں رکھنے کے بعد زینب کے پاس بھیج دیں گے۔ اس طرح تمہاری بات بھی رہ جائے گی۔ اور زینب کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی —— ٹھیک ہے نا۔

فضل بن ربیع۔

امیر المومنین کی رائے عین صواب ہے۔ بہت مناسب اس طرح آپکے اس غلام کی ہوا خیزی نہیں ہوگی۔ اور محل میں رہنے کی وجہ سے خود امیر المومنین کو بھی اس کے بارے میں اندازہ ہو جائے گا۔

اس گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہو گئی۔

فضل بن ربیع خوش خوش اپنے قصر کی طرف روانہ ہوگیا۔ امین محل میں پہونچا تاکہ زینب کو رخصت کر دے۔ وہ سیدھا زینب کی قیام گاہ کی طرف بڑھا۔ میمونہ اور زینب پاس پاس بیٹھی تھیں۔ اور دونوں حد سے زیادہ مغموم اور افسردہ نظر آرہی تھیں۔ خاص طور پر میمونہ کی حالت بہت زیادہ ابتر تھی۔ کیونکہ وہ محسوس کرتی تھی کہ اس محل میں آنے کے بعد خیریت کے ساتھ واپس جانا ممکن نہیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بہزاد امین کو اور اس کی خلافت کو ختم کر دینے کا تہیّہ کر چکا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس کے بارے میں دل خوش کُن رائے قائم کرتی۔ میمونہ، زینب آپس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں دنانیر ایک الگ گوشہ میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اور زینب میمونہ کو تسلی دے رہی تھی کہ تم خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہو۔ چچا جان نے مجھ سے تمہاری رہائی کا وعدہ کر لیا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور ویسے بھی مجھے بہت مانتے اور چاہتے ہیں۔ لہذا تمہیں کسی طرح کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے۔ ان الفاظ سے میمونہ کو تسلی تو ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی دل ہی دل میں وہ محسوس کرتی تھی کہ خطرہ اس کے چاروں طرف منڈلا رہا ہے۔ وہ ایک گرداب میں پھنس چکی ہے۔ اور اس سے رہائی آسان نہیں۔ اسی اثناء میں کہ یہ لوگ باتیں کر رہی تھیں ایک کنیز ہانپتی کانپتی آئی اور اس نے زینب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ امیر المومنین آپ سے ملنے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی زینب امین کے استقبال کو دروازہ کی طرف بڑھی۔ میمونہ و دنانیر ادب سے ایک گوشہ میں سر جھکا کر کھڑی ہوگئیں۔ امین مسکراتا ہوا اندر آیا۔ اس نے شفقت کے ساتھ زینب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اپنے پاس مسند پر بٹھایا اور بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

کیوں بیٹی تمہاری طبیعت تو نہیں گھبرائی؟"

زینب۔

نہیں چچا جان بھلا آپ کی محبت و شفقت کے سائے میں رہ کر طبیعت گھبرا سکتی ہے۔ رات بہت اچھی طرح گذری دنانیر کہانی کہتی رہی، میں اور میمونہ بڑی دیر تک اس کی دلچسپ کہانی سنتے رہے۔

امین نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

تمہیں کہانیوں سے بہت شوق ہے؟

زینب نے جواب دیا۔

جی ہاں مجھے کہانیوں سے بڑی دلچسپی ہے۔

امین۔

آج کیا تم اپنے محل واپس جانا چاہتی ہو؟

زینب۔

اگر امیر المومنین اجازت مرحمت فرمائیں گے تو چلی جاؤں گی۔

امین۔

سواری کا ہم نے بند و بست کر دیا ہے۔ تم اپنی تہرمانہ دنانیر کے ساتھ چلی جاؤ۔

زینب۔

لیکن میمونہ بھی میرے ساتھ جائے گی۔

امین۔

میمونہ سے مل کر ہم بہت خوش ہوئے بڑی نیک اور اچھی لڑکی ہے۔

زینب۔

جی بہت زیادہ۔

امین۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ چند روز اسے اپنا مہمان رکھیں۔ پھر تمہارے پاس خیر و عافیت کے ساتھ واپس بھیج دیں۔

زینب۔

لیکن آپ نے تو وعدہ فرمایا تھا کہ وہ میرے ساتھ جائے گی۔

امین۔

ہاں بیٹی ہم نے وعدہ کیا تھا۔ اور اپنے وعدے پر ہم اب بھی قائم ہیں۔ میمونہ تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس آئے گی۔ لیکن دو چار دن اگر ہماری مہمان رہ جائے تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہونا چاہیئے۔

زینب نے کوئی جواب نہ دیا اور دنانیر کی طرف دیکھنے لگی۔ امین نے دنانیر سے کہا۔

ہماری بیٹی زینب کو سمجھاؤ کہ وہ ہماری بات مان جائے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں چند روز کے بعد پورے احترام و اعزاز کے ساتھ میمونہ قصر مامون واپس پہنچ جائے گی۔

دنانیر نے محسوس کر لیا۔ امین کا یہ فیصلہ اٹل ہے اور اسے بدلنے کی کوشش کرنا حماقت ہے۔ اس نے دست بستہ عرض کیا آپ نے بالکل بجا ارشاد فرمایا۔ بھلا اس عزت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ امیر المومنین اسے مہمان بنائیں۔ اور وہ اس سے انکار کرے۔ یہ میمونہ کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ امیر المومنین اس کے ساتھ اس درجہ شفقت و مرحمت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ میمونہ نے محسوس کر لیا کہ اب اسے فی الحال قصر خلافت میں رہنا ہے اس لئے

جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ لیکن ضبط سے کام لیا۔ اور اپنی کیفیت ظاہر نہیں ہونے دی۔ امین واپس جانے لگا۔ چلتے وقت اُس نے زینب سے کہا۔ اچھا بیٹی اب تم سدھارو۔ پھر وہ میمونہ سے مخاطب ہوا۔ اور اس سے کہا۔

بیٹی تم کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو ہم نے اپنی بچی زینب سے جو وعدہ کیا ہے اسے ضرور پورا کریں گے۔ چند دن یہاں مہمان کی طرح رہنے کے بعد تم قصر مامون میں بھیج دی جاؤ گی۔ یہ کہہ کر امین باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے کے بعد میمونہ کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ دنانیر نے اسے کلیجہ سے لگا لیا اور کہا۔ میں سلمان کو یہاں تمہارے پاس بھیجوں گی۔ وہ تمہاری خبر لیتا رہے گا۔ اور چند روز کے بعد شہزادی زینب اپنے چچا کے پاس پھر تشریف لائیں گی۔ اور تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گی!
اس گفتگو کے بعد زینب اور دنانیر اپنے محل کی طرف واپس چلے گئے۔

(۴۸)

عُبادَہ کااِضطرابْ!

عبادہ میمونہ کے انتظار میں، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ وہ میمونہ کے ساتھ تو قصرِ خلافت خود بھی جانا چاہتی تھی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ ایسا نہ ہو اس کے جانے سے کوئی نئی الجھن پیدا ہو جائے۔ پھر اس کا دل یوں بھی مطمئن تھا کہ شہزادی زینب اور دنانیر بنفس نفیس اس کے ساتھ جا رہی تھیں۔ تاکہ اسے کسی طرح کا گزند نہ پہونچنے دیں۔ اور اپنے ساتھ واپس لے آئیں۔ لیکن جب آج صبح اس نے یہ دیکھا کہ زینب اور دنانیر تنہا واپس آ رہی ہیں۔ میمونہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ تو وہ میمونہ کی طرف سے مایوس ہو گئی۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد زینب، دنانیر کے ساتھ اس کے پاس آئی اور قصرِ خلافت میں جو کچھ گذری تھی اس کا ماجرا کہہ سنایا۔ پھر اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"غادہ تم ذرا بھی دل گرفتہ اور پریشان نہ ہو چچا جان نے مجھ سے میمونہ کو واپس بھیج دینے کا پختہ وعدہ کیا ہے۔ وہ ضرور اپنا وعدہ وفا کریں گے۔

اور اگر کسی وجہ سے ایفاء عدہ میں تاخیر ہوئی تو میں پھر اُن کے پاس پہونچونگی اور میمونہ کو لے آؤں گی!

عبادہ نے زینب کی اس توجہ اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد دنانیر سے وہ یوں گویا ہوئی۔

عبادہ۔

شہزادی زینب چاہے جتنی کوشش کریں۔ میمونہ اب قصرِ خلافت سے واپس نہیں آ سکتی۔

دنانیر۔

بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ امیرالمومنین اسے کیوں روک لیا؟

عبادہ۔

اس کی وجہ میں جانتی ہوں۔ یا تو میمونہ کو جبراً فضل کے بیٹے حماد کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ ورنہ بطور ایک کنیز کے وہ کسی کو انعام میں دیدیگا۔

دنانیر۔

خدا کے لئے اس طرح کی باتیں نہ کیجئے۔ میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔

عبادہ۔

اگر تمہاری رائے ہو تو ایک کوشش میں بھی اپنی سی کر لوں؟

دنانیر۔

جو کوشش بھی کی جا سکتی ہے اس سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ مجھے یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے۔

عبادہ۔

میں امین کی ماں ملکہ زبیدہ سے ملنا چاہتی ہوں، ایک زمانہ وہ تھا کہ ملکہ زبیدہ مجھے سر آنکھوں پر بٹھاتی تھیں۔ میری عزت اور توقیر میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتی تھیں۔ کیا کوئی بہن کسی بہن کا اتنا خیال کرے گی۔ جتنا وہ میرا کرتی تھیں۔ حد یہ ہے کہ انھوں نے اگر کبھی موقع آپڑا تو اپنے شوہر ہارون کے مقابلہ میں بھی میرا ساتھ دیا۔ حالانکہ خود ہارون بھی ماں کی طرح میرا ادب کرتا تھا۔ اور ملکہ زبیدہ تو ہارون الرشید کے سامنے مجھے ام الرشید کہہ کر ہمیشہ پکارا کرتی تھیں، ـــــ دیکھوں گی زبیدہ اب کس طرح میرے ساتھ پیش آتی ہے۔

دنانیر۔

جانے ــــ لیکن زبیدہ آپ سے اچھی طرح پیش آئے گی۔ اس کی مجھے اُمید نہیں۔ میں اس کی رفتار طبع سے واقف ہوں۔ آپ کے خاندان کی تباہی میں، زبیدہ کا حصہ ہارون سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

عبادہ۔

یہ تو سچ کہتی ہو۔ لیکن میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں مجھے قوی یقین ہے کہ اسے دیکھ کر زبیدہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گی میں جانتی ہوں، اسے اپنے شوہر ہارون سے بے پناہ محبت ہے۔

دنانیر۔

آخر وہ ایسی کیا چیز ہے؟

عبادہ۔

یہ زمرد کی ڈبیہ!

دنانیر۔

اس میں کیا ایسا طلسم ہے جسے دیکھ کر زبیدہ کا دل اس کے قابو میں نہ رہے گا؟

عبادہ۔

(ڈبیہ کھول کر) لو دیکھو!

دنانیر۔

یہ تو کسی بچّے کے دانت' اور سر کے بال ہیں۔

عبادہ۔

ہاں ــــ ہارون کے ہارون کا بچپن میرے آغوش میں گذرا ہے' اس کے بچپن کی یہ معصوم یادگار' ایک عرصہ سے میرے پاس محفوظ ہے۔

دنانیر۔

تو اس یادگار سے آپ کیا کام لینا چاہتے ہیں؟

عبادہ۔

اس یادگار کا اسے واسطہ دوں گی۔ شاید اس کا دل پسیج جائے' شاید اسے رحم آجائے۔ اور وہ امین سے سفارش کر کے میری میمونہ مجھے واپس دلادے۔ ــــ کیوں عبادہ' تمہارا کیا خیال ہے؟

دنانیر۔

آپ نے ترکیب تو بڑی اچھی سوچی ہے۔ ضرور جائیے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا کامیاب کرے گا۔

عبادہ' زبیدہ کے محل دارالقرار جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ دنانیر نے سواری وغیرہ کا بندوبست کر دیا۔

محل کے پھاٹک پر بہت سے مسلح سپاہی کھڑے تھے۔ اور ہر آنے جانے والے

سے باقاعدہ پوچھ گچھ کرتے تھے۔ عبادہ بیچارگی کی تصویر بن کر پھاٹک کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کن الفاظ میں اندر جانے کی اجازت طلب کرے۔ یہاں کی شان وشوکت دیکھ کر اسے اپنا عہد بہار یاد آگیا۔ کبھی وہ بھی اسی طرح ٹھاٹھ اور شان کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اور آج ایک بھکارن کی طرح 'صورت سوال بنی کھڑی ہے۔

پھاٹک کے ایک سپاہی کو ترس آگیا اسنے پوچھا۔

تم کون ہو؟ اور کس سے ملنا چاہتی ہو؟

عبادہ نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔

بیٹے، میں ایک تباہ حال خاندان کی مٹی ہوئی نشانی ہوں، اگر تم ملکہ زبیدہ تک مجھے پہونچا دو تو زندگی بھر دعا دوں گی۔

سپاہی کو ترس آگیا اس نے اندر نکل جانے کا اسے موقع دے دیا۔ اور وہ گرتی پڑتی ایوان زبیدہ میں پہونچ گئی۔

---

(۴۹)

ٹکا سا جواب!

عبادہ ایک لاٹھی کا سہارا لیتی پائیں باغ کو طے کرتی محل کے اندرونی دروازہ تک پہونچ گئی۔ یہاں اس نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ اور پیچ در پیچ کمروں کو طے کرتی ایک وسیع اور کشادہ ہال میں پہونچی۔ جہاں طرح طرح کی خوشبوؤں کی مہک سے مشام جان معطر ہو رہا تھا۔ اس ہال کی چھت صندل کی تھی۔ دیواروں پر زرتار اور زرنگار ریشم کی چادریں منڈھی ہوئی تھیں۔ دروازوں پر اعلیٰ درجہ کے ریشمی پردے لٹک رہے تھے۔ عبادہ ان سب چیزوں کو دیکھتی ہال کے اندر پہونچی۔ اس نے دیکھا۔ زبیدہ مسند پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی ہے۔ عبادہ نے نہایت ادب سے زبیدہ کو سلام کیا اور چپ چاپ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ زبیدہ نہایت خوبصورت آسمانی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔ سر پر تاج کی طرح سے ایک خوشنما رومال بندھا تھا جس پر نہایت قیمتی جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں ہاتھی دانت کی ایک خوبصورت ڈبیہ تھی۔ جس میں مشک رکھا تھا۔ اور اس کی

مہک سے وہ لطف اندوز ہو رہی تھی۔ بڑی دیر تک عبادہ کھڑی رہی۔ لیکن زبیدہ نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد نظر اُٹھائی اور کہا تم کون ہو؟

عبادہ ذرا اور آگے بڑھی اور اس نے کہا۔

"میں آپ کی اور آپ کے خاندان کی کنیز ہوں ——— عبادہ!"

زبیدہ۔

ہاں، میں نے تمہیں پہچان لیا۔ تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟

عبادہ۔

بھیک مانگنے، سوال کرنے۔

زبیدہ۔

استعارے اور شاعری کی باتیں نہ کرو۔ جو کچھ کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہو۔

عبادہ۔

کیا میری بدبختی اور بدنصیبی پر آپ کو رحم نہیں آیا؟

زبیدہ۔

انسان کی بدبختی اور بدنصیبی خود اسی کی لائی ہوتی ہے ——— وہ کونسی نعمت تھی جو خدا نے تمہیں اور تمہارے خاندان کو عطا نہیں کی۔ لیکن تم لوگوں نے اسے ٹھکرایا۔ آخر وہ چھین لی گئی۔ اور بدبختی و بدنصیبی نے تم پر قبضہ کرلیا۔ اور اب تمہاری یہ حالت ہے جسے دیکھ کر رحم آئے یا نہ آئے۔ لیکن عبرت ضرور ہوتی ہے۔

عبادہ۔

مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو جھٹلا سکوں۔ لیکن یہ ضرور عرض کروں گی کہ کفرانِ نعمت کا جرم ہم سے سرزد نہیں ہوا۔ خدا نے ہمیں دیا

اس کی دی ہوئی دولت ونعمت ہم نے اس کے بندوں پر لٹا ئی لیکن سب کے دن یکساں نہیں رہتے۔ عزت وذلت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہم ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

زبیدہ۔
تم تو بہت اچھا وعظ کہنے لگی ہو۔

عبادہ۔
نہیں مجھے وعظ سے کیا سروکار؟ میں ایک بھکارن ہوں اور اسی حیثیت سے آپ کے در دولت پر حاضر ہوی ہوں۔

زبیدہ۔
تو کہو کیا مقصد ہے تمہارا؟

عبادہ۔
بڑی امیدوں اور آرزؤں کے ساتھ رحم کی بھیک مانگنے آپ کے دروازہ پر آئی ہوں مجھے مایوس اور ناکام واپس نہ کر دیجئے گا۔

زبیدہ۔
کامیابی اور ناکامی، امید اور مایوسی، غم اور خوشی، کوئی انسان کسی انسان کو نہیں دیتا۔ یہ چیزیں خدا کی طرف سے ملتی ہیں۔ اور ہر شخص کو خدا کی بارگاہ سے وہی عطا ہوتا ہے۔ جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔

عبادہ۔
آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

زبیدہ۔
تم نے تمہارے شوہر نے تمہاری اولاد نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ خلافت

ہمارے خاندان سے نکل جائے۔ لیکن تم لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا۔ اسے دنیا جانتی ہے۔ تم نے غداری کی اور غداری کا انجام دیکھ لیا۔ تم نے اپنے مہربان نیک دل، سخی اور رحیم آقا ہارون الرشید پر غالب آجانے کی اور اسے مغلوب کر لینے کی کوشش کی۔ لیکن تمہاری یہ کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ جو گڑھا تم نے ہمارے لئے کھودا تھا۔ خدا نے تمہیں کو اسں میں دھکیل دیا۔

عبادہ۔

بالکل درست فرمایا آپ نے۔

زبیدہ۔

بہرحال بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

عبادہ۔

میں آپ کے رحم و کرم کی اُمید سے آس لگائے ہوئے آئی ہوں۔ آپ ماں ہیں اور ماں کی ممتا سے واقف ہیں۔ آپ دادی ہیں۔ اور ایک دادی کے احساسات سے پورے طور پر آگاہ ہیں۔

زبیدہ۔

ہاں سچ کہتی ہو۔ میں ماں بھی ہوں اور دادی بھی اور ان دونوں احساسات سے واقف ہوں۔ لیکن عبادہ یہ بتاؤ تمہارا یہ احساس اس وقت کہاں سو رہا تھا۔ جب تمہارا بیٹا جعفر میرے بیٹے امین کے خلاف مصروفِ عمل تھا۔ اور اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ اس لونڈی بچے امون کو خلافت کا منصب مل جائے۔ کیا اُس وقت کبھی تمہارے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ میری ممتا کس طرح تڑپ رہی تھی؟

عبادہ۔

میرے اور میرے اہلِ خاندان کے بارے میں جو رائے آپ نے قائم فرمائی ہے اس کی تردید میں نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ جانتی ہوں میری بات کا آپ اطمینان نہیں کریں گی۔ لیکن اس وقت میرے آنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ذرا دیر کے لئے آپ یہ فراموش کر دیں کہ میں بدقسمت جعفر کی ماں ہوں۔ صرف یہ پیشِ نظر رکھیئے کہ ایک تباہ حال، برگشتہ بخت، اور آشفتہ روزگار عورت ہوں۔ جس کا سب کچھ چھن چکا ہے۔ اور اب کہ اس کی آخری پونجی بھی لوٹی جا رہی ہے۔ وہ آپ کے پاس فریادی بن کر آئی ہے۔ اور ایک بڑی اہم یادگار کو شفیع بنا کر اپنے ساتھ لائی ہے۔

زبیدہ۔

یادگار کیسی؟

عبادہ نے زمردکی ڈبیہ زبیدہ کی طرف بڑھائی لیکن اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس میں کیا ہے؟

عبادہ نے ڈبیہ کھولی۔ اور زبیدہ کے سامنے رکھ دی۔ اس میں اس کے مرحوم خاوند کے بال اور دودھ کے دانت بڑی احتیاط کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ زبیدہ نے ان چیزوں پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پوچھا۔

یہ دانت اور بال کس کے ہیں؟

عبادہ۔

یہ رشید کے عقیقہ کے بال اور دودھ کے دانت ہیں۔ آپ کو معلوم ہے میں نے رشید کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ اور آپ مجھے امِ رشید کہا کرتی تھیں۔ میں اس یادگار کا واسطہ دے کر آپ سے کہتی ہوں کہ میری داستانِ درد

سن لیجئے۔ میری بے بسی پر رحم کھائیے۔

زبیدہ۔

اتنی دیر سے بیٹھی ہو اور باتیں کر رہی ہو۔ لیکن اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ تم کیا چاہتی ہو؟

عبادہ۔

میں اپنے لئے کچھ نہیں چاہتی اپنی پوتی کے لئے رحم کا سوال کرنے آئی ہوں۔ وہ بالکل معصوم ہے، اس سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس نے کسی سازش میں حصہ نہیں لیا۔ اس سے کوئی ناوفادارانہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ جن واقعات کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔ اُس زمانہ میں وہ ایک ننھی سی بچّی تھی۔ اس نے عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ لیکن اس کے عیش و عشرت کا دور بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب وہ ایک یتیم بے سہارا اور تباہ حال بچّی ہے۔ اس کی زندگی اور موت صرف آپ پر منحصر ہے۔ اگر آپ نے توجہ اور التفات کا مظاہرہ کیا تو وہ بچ جائے گی۔ ورنہ وہ بھی تباہ ہو جائے گی۔

یہ کہہ کر عبادہ رونے لگی۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ زبیدہ اس کی باتوں سے اور اپنے مرحوم شوہر کی یادگار سے کافی متاثر ہوئی ہے۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

"کیا تم نے یہ یادگار کبھی رشید کی خدمت میں پیش کی تھی؟"

عبادہ۔

جی ہاں پیش کی تھی!

زبیدہ۔

کیوں ؟ اس یادگار کو شفیع بنا کر تم نے رشید سے کیا چاہا تھا ؟

عبادہ۔

میں نے چاہا تھا کہ میرے شوہر کو معاف کر دیا جائے۔

زبیدہ۔

تمہاری اس خواہش کا کیا جواب ملا ؟

عبادہ۔

مجھے ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

زبیدہ۔

تو خود ہی غور کر و جب رشید نے تمہیں مایوس واپس کیا تو میں تمہاری خواہش کس طرح پوری کر سکتی ہوں۔ رشید سے بڑھ کر تو تمہارے حقوق کا خیال مجھے نہیں ہو سکتا ؟

عبادہ۔

میں نے رشید سے سوال کیا پر سمجھ کر کہ میرا اس پر حق ہے۔ میں آپ سے سوال کر رہی ہوں یہ سوچ کر کہ آپ پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری پوتی گرداب بلا سے صحیح سلامت نکل آئے۔ اگر آپ کی نظر میں میں گنہگار اور خطاکار ہوں تو یہ سر حاضر ہے۔ جلاد کو حکم دیجئے۔ وہ میری گردن اڑا دے لیکن اس معصوم اور بے گناہ لڑکی نے تو کوئی خطا نہیں کی۔ اس کی مدد کیجئے۔ اس پر رحم کیجئے۔

زبیدہ۔

کس لڑکی کے بارے میں کہہ رہی ہو ؟

عبادہ۔

ڈبیہ بند کر کے جیب میں رکھی۔ اور جانے کے لئے کھڑی ہوئی۔ زبیدہ نے کسی طرح کے وداعی کلمات بھی نہیں کہے۔ اس طرز عمل سے عبادہ کے دل کو اور زیادہ چوٹ لگی۔ اس نے کہا۔

اچھا تو پھر اب میں جاتی ہوں؟

زبیدہ۔

تم نے آج یہاں آ کر میرے دل کا زخم پھر سے کھرچ ڈالا۔ میں تمہیں جعفر کو یحییٰ کو تمہارے خاندان کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ تم لوگوں نے میرے لختِ جگر امین کے خلاف جو سازشیں کیں۔ اور اب بھی جس طرح اس کے خلاف سرگرم عمل ہو۔ سب مجھے معلوم ہے۔ لیکن میں خاموش ہوں۔ اور خاموش ہی رہنا چاہتی ہوں — عبادہ جاؤ۔ اور خدا کرے اب یہاں کبھی نہ آؤ۔

عبادہ۔

ہاں، جاتی ہوں اور اب کبھی آپ کی دہلیز پر قدم نہیں رکھوں گی۔

زبیدہ۔

میں بھی یہی چاہتی ہوں۔

عبادہ۔

میرا دل اپنی بربادیوں پر کڑھتا ہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔

زبیدہ۔

کیا مطلب ہے تمہارا ان الفاظ سے؟ کیا تم مجھے بددعا دے رہی ہو؟ مجھے بتانا چاہتی ہو کہ جس طرح تم گردش روزگار کی آماجگاہ بنیں۔ اسی طرح

(۵۰)

مایوسی کا اندھیرا!

زبیدہ کے اس صاف جواب نے عبادہ پر مایوسی کی کیفیت طاری کر دی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہاں دال گلنے والی نہیں ہے۔ زبیدہ امین سے میمونہ کے بارے میں ہرگز کسی طرح کی سفارش نہیں کرے گی۔ اسے اس بات کا اور زیادہ صدمہ تھا کہ وہ اپنے ماضی کو بھول کر صرف ایک انسان کی حیثیت سے زبیدہ کے پاس آئی تھی۔ انسانیت کا واسطہ دیتی ہوئی ــــــ لیکن زبیدہ کا دل ذرا نہ پسیجا وہ دل خراش اور دل شکن باتیں کرتی رہی۔ ایسی باتیں جن میں حقارت تھی، توہین تھی، تحقیر تھی، تذلیل تھی، بار بار اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی منہ توڑ جواب دے۔ لیکن پھر اپنے حال زار پر غور کرتی تھی۔ اور محسوس کرتی تھی اگر کلمہ برکلمہ جواب دیا تو میمونہ کی رہائی اور زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ اور وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کسی بات سے میمونہ کو نقصان پہنچے۔

زبیدہ کی زبان سے صاف جواب سننے کے بعد عبادہ نے دہ زمردکی

ہم پر بھی ادبار و ہلاکت' اور تباہی و بربادی کا دور آئے گا؟ جس طرح تمہارا لختِ جگر جعفر برمکی قتل ہوا۔ اسی طرح میرا لختِ جگر امین بھی قتل کیا جائے گا؟

عبادہ۔

خدا نہ کرے' بھلا میں یہ چاہ سکتی ہوں۔ بیشک جعفر کے قتل کا مجھے غم ہے' صدمہ ہے' اور یہ غم میری جان کے ساتھ ہے۔ لیکن میں امین کا بُرا چاہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا' جعفر کو رشید نے قتل کیا تھا۔ میں اس کا کبھی برا نہ چاہا۔ پھر بھلا' امین کا بُرا کس طرح چاہ سکتی ہوں۔ جو معلوم ہے۔ جس نے کوئی ظلم مجھ پر یا میرے خاندان پر نہیں کیا۔

زبیدہ۔

تمہارے الفاظ میں شہد کی مٹھاس ہے۔ کاش حقیقتاً بھی تم لوگ ایسے ہی نیک اور اچھے ہوتے کتنا فرق ہے۔ تمہارے ظاہر اور باطن میں؟ سچ بڑی حیرت ہوتی ہے مجھے!

عبادہ۔

میں آپ کی زبان نہیں پکڑ سکتی جو چاہے کہیئے۔ لیکن جو الزامات آپ نے مجھ پر لگائے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

زبیدہ۔

اگر وہ غلط ہوتے تو قدرت تم سے اور تمہارے سازشی اہلِ خاندان سے انتقام نہ لیتی۔

عبادہ

خیر یہی سہی جو آپ فرماتی ہیں۔ اب میں جاتی ہوں اور جاتے جاتے ایک مرتبہ پھر التجا کرتی ہوں کہ مجھ پہ رحم فرمائیے۔ مجھ پر اگر آپ رحم نہیں کرنا چاہتیں تو

کم ازکم میمونہ کو تو اپنے رحم وکرم سے محروم نہ کیجئے۔

زبیدہ۔

میں نے کہہ دیا۔ سیاسی معاملات میں مداخلت کرنا میں مناسب نہیں سمجھتی۔ اس کے علاوہ اگر کسی طرح کی مدد درکار ہو تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر زبیدہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب مجلس برخاست عبادہ مایوس و مغموم دل ہی دل میں خون کے آنسو بہاتی قصرِ مامون میں پہونچی یہاں دنانیر اس کے انتظار میں چشم براہ بیٹھی تھی۔ جیسے ہی اس نے عبادہ کو آتے دیکھا لپک کر اس کے پاس پہونچی اور اشتیاق آمیز لہجہ میں کہا۔ "کیا ملکہ زبیدہ سے آپ کی ملاقات ہوئی؟"

ہاں،——

دنانیر۔

تو ضرور انھوں نے آپ کی التجا قبول کرلی ہوگی۔ عورت آخر عورت ہے۔ اس کا خمیر ہی محبت، رحم، اور شفقت سے بنا ہے۔ اور ویسے بھی ملکہ زبیدہ کے بارے میں جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ ایک رحم دل، فیاض، سیر چشم اور اولوالعزم خاتون ہیں —— ہاں تو ذرا تفصیل سے بتائیے کیا کیا باتیں ہوئیں ان سے؟

عبادہ۔

ٹھنڈی سانس لے کر ان باتوں کو دوہرانے کی مجھ میں تاب نہیں۔

دنانیر۔

اچھا مختصر طور پر ہی۔ لیکن بتائیے تو کیا گذری، کیا ہوا؟

عبادہ۔

وہی ہوا جو قسمت میں لکھا تھا۔ یعنی ناکامی، محرومی، ذلت، حقارت!۔۔۔ بس یا کچھ اور بھی سنوگی؟

دنانیر۔

یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ یہ میں کیا سن رہی ہوں!۔۔۔ یا اللہ!

عبادہ۔

حیرت کیوں کرتی ہو؟ ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ بڑے چھوٹوں کو ذلیل کرتے ہیں، انھیں منہ نہیں لگاتے۔

دنانیر۔

کیسے مان لوں؟ آپ کا شمار بھی تو دنیا کے بڑے لوگوں میں رہ چکا ہے۔ مگر مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو کہ کوئی آپکے در سے مایوس پھرا ہو۔ کسی کو آپ نے دھتکارا ہو۔ کسی کی مراد آپ کی بارگاہ میں پوری نہ ہوئی۔ میں تو آپ کی دیرینہ نمک خوار ہوں۔ میں نے آپ کی زندگی کا ہر رُخ اور ہر جلوہ دیکھا ہے۔ مجھ سے آپ کی کونسی بات پوشیدہ ہے۔

عبادہ۔

خیر ان باتوں کو چھوڑو۔

دنانیر۔

میری مالک۔ میں تو منہ پر مہر لگالوں۔ اور کچھ بھی نہ پوچھوں لیکن اسے کیا کروں کہ میمونہ کی تصویر ہر وقت آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی ہے۔ ہائے جب میں قصرِ خلافت سے اسے وہیں چھوڑکر واپس چلی ہوں تو کس حسرت سے اس نے مجھے دیکھا تھا!

یہ کہتے کہتے دنانیر کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

عبادہ۔

میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ "دنانیر" لیکن قسمت کا بدلنا نہ تمہارے ہاتھ میں ہے نہ میرے۔

دنانیر۔

کچھ بھی ہو میمونہ کو فضل کی قید سے رہا ہو کر آنا چاہیئے۔

عبادہ۔

لیکن کس طرح؟ کیوں کر؟ وہ آخری کوشش جو اس سلسلہ میں کی جا سکتی تھی، میں نے کر لی، مگر اس کا انجام بھی ناکامی ہوا۔ اب کیا تم جاؤ گی زبیدہ کے پاس؟ میں منع نہیں کرتی، اور چاہتی ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لو، اپنی اپنی قسمت ہے۔

دنانیر۔

میں بھلا وہاں کیا جاؤں گی؟ اور اگر کسی طرح چلی بھی جاؤں تو زبیدہ کے سامنے مجھے کون جانے دے گا۔ البتہ ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔ اور وہ یقیناً چٹ نہیں پڑے گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔

عبادہ۔

کس تدبیر پر تمہیں اتنا ناز ہے ذرا میں بھی تو سنوں؟

دنانیر۔

شہزادی زینب کو امیرالمومنین امین بہت مانتے ہیں۔ اگر وہ پھر جائیں اور میمونہ کو ساتھ لانے پر اڑ جائیں تو یقیناً وہ انکار نہیں کریں گے۔

عبادہ۔

یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔

دنانیر۔
کیا آپ کے خیال میں وہ اس کی بات نہیں مانیں گے۔
عبادہ۔
یہ بات اگر ماننے والی ہوتی تو پھر میمونہ شہزادی زینب کے ساتھ واپس آگئی ہوتی۔ ذرا سوچو تو آئے امیر المومنین اپنا مہمان رکھ رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی؟
دنانیر۔
پھر کیا کیا جائے؟
عبادہ۔
میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں، سوا اس کے کہ گڑگڑا کر خدا سے دعا کئے جا رہی ہوں۔ وہی ایک ایسی بارگاہ ہے جہاں مظلوموں اور بیکسوں اور بے سہارا لوگوں کی فریاد فوراً پہونچتی ہے۔ اور کبھی ناکام نہیں بنتی۔
دنانیر۔
ہاں یہ تو آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ دعا تو میں بھی ہر وقت کرتی رہتی ہوں سچ مجھے میمونہ کا اتنا خیال ہے کہ اگر اس کی جگہ میری اولاد بھی کام آجائے تو میں تیار ہوں۔
عبادہ۔
(شکر گذار نظروں سے دیکھ کر) تمہاری وفاداری، نمک حلالی اور شرافت کی ہمیشہ سے قائل ہوں۔ آخر تم نے اپنی ان خوبیوں کا وہ نقش قائم کیا ہے جو زندگی کی آخری سانس تک قائم رہے گا — البتہ مجھے سب سے زیادہ حیرت سلمان پر ہے۔

دنانیر۔

کیوں اس نے کیا کیا؟

عبادہ۔

کیسی بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا تھا۔ لیکن پھر کبھی اس نے جھلک دکھائی؟

دنانیر۔

نمک حرام ہے کمبخت ——— بہزاد تو اس پر اتنا اعتماد کرتا ہے کہ اسے اپنا قائم مقام کر گیا ہے۔ اور اس کمبخت کی فرض ناشناسی کا یہ عالم ہے کہ کبھی بھولے سے نہیں پوچھتا میمونہ پر کیا گذر رہی ہے؟ اور محل میں اس کی ضرورت ہے۔ یا نہیں؟ کمبخت اگر کسی دن آیا تو ایسی خبر لوں گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔

---

(۵۱)

ولولہ انگیز گفتگو!

بغداد سے روانہ ہو کر راستہ کی تکلیفیں جھیلتا اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا بہزاد مرو پہونچا۔ یہاں وہ فضل بن سہل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فضل بڑے تپاک اور گرمجوشی سے ملا۔ فضل بن سہل ایک مجوسی شخص تھا۔ لیکن ایک مدت گذری۔ جب اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور اپنی تمام صلاحیتیں خلافت عباسیہ کے عروج و استحکام میں صرف کرنے لگا تھا۔ ہارون الرشید اسے بہت مانتا اور اس کا خیال رکھتا تھا۔ مامون خاص طور پر اس سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ وہ ہمیشہ خلوت و جلوت میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

وفات سے چند روز پہلے جب ہارون بغداد سے سفر پر روانہ ہوا تو وہ فضل بن سہل ہی تھا۔ جس نے پیش آنے والے واقعات کا اندازہ کرکے مامون کو صلاح دی تھی کہ وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ جائے۔ مامون نے یہ تجویز قبول کرلی۔ اور اصرار کرکے ہارون کے ساتھ روانہ ہوا۔ اپنے ساتھ فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن کو بھی لیتا گیا۔ ہارون کے انتقال کے بعد فضل

نے مامون کو عوام میں مقبول بنانے اور لوگوں کو اس کی خلافت پر بیعت کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بڑی جد و جہد کی اور بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوا۔ بہزاد فضل کا ممنونِ کرم تھا۔ ان دونوں کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ منصب خلافت پر مامون کو فائز کرنے کے لئے جو ایک چھوٹی سی جماعت پوشیدہ طور پر سرگرم کار تھی۔ اس کے رکنِ رکین جہاں فضل اور حسن تھے۔ وہاں بہزاد بھی تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد فضل اور بہزاد میں ملاقات ہوئی تھی۔ فضل نے بہزاد سے پوچھا۔

کہو بغداد کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو؟"

بہزاد نے جواب دیا۔

بہت ابتر اور پراگندہ حالت میں۔

فضل بن سہل۔

امین کا کیا حال ہے۔ نئے خلیفہ کا؟

بہزاد۔

راگ رنگ، رقص و سرود، عیش و عشرت یہی چیزیں امین کی رفیق اور دمساز ہیں۔ سلطنت کا کام ابتر ہو رہا ہے۔ حکام اپنے فرض سے غافل ہیں۔ اور عوام پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔

فضل بن سہل۔

پہلے سے یہی اُمید تھی کہ ایسا ہی ہو گا۔ ان حالات میں مامون کی خلافت کے لئے کام کرنے کا میدان بہت وسیع ہے۔

بہزاد۔

بیشک، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کام پوری مستعدی اور سرگرمی

کے ساتھ جاری ہے

فضل بن سہل

مجھے معلوم ہوا ہے کہ امین مامون کی ولی عہدی منسوخ کرنے کی تیاری کر رہا ہے

بہزاد

بلکہ صحیح الفاظ میں یوں کہیئے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے طور پر مامون کی ولیعہدی منسوخ کر چکا۔ لیکن ابھی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اس فیصلہ کا ساری مملکت میں اور خاص طور پر ایرانی حصہ میں اعلان کر دیا جائے۔ لیکن فضل بن ربیع جیسے کندۂ ناتراش اور بے وقوف مشیروں سے یہ بعید نہیں ہے کہ اس معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا جائے۔ اور مامون کو محروم کر دینے کا فیصلہ مشتہر کر دیا جائے۔

فضل بن سہل

اگر ایسا ہوا تو یہ اور زیادہ اچھا ہوگا۔ اور اس طرح ہمارے مقاصد جلد حاصل ہو جائیں گے۔

بہزاد

اصل سوال جو کچھ ہے وہ یہ کہ ہم حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

فضل بن سہل

شاید تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ اگر معاملہ جنگ و جدل تک پہونچا تو ہمیں کامیابی ہوگی یا نہیں۔؟

بہزاد

آپ کا خیال صحیح ہے۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

فضل بن سہل

اگر مامون ہارون کے ساتھ یہاں نہ آیا ہوتا تو شاید اب تک وہ قتل کر دیا گیا ہوتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری رائے مانی اور یہاں چلا آیا۔ یہاں کے لوگ اس پر دل و جان سے شیدا ہیں۔ اور اگر جنگ و جدل تک نوبت پہونچی تو کوئی شبہ نہیں۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا دینگے۔ اور یہ تم مانتے ہو کہ خراساں کے لوگ بات کے دھنی اور عہد کے پکے ہوتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ

بغداد کے لوگ امین کے ساتھ غداری اور بدعہدی کریں۔ اس کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن خراسان کے لوگ مامون کے پسینہ پر اپنا خون بہا دیں گے۔ وہ کسی حالت میں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اور جنگ خواہ کتنی ہی ہولناک ہو آخر وقت تک وہ میدان میں ڈٹے رہیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر ہمیں کامیابی ہوگی۔ اور دشمن ناکام ہوگا۔

بہزاد۔

آپ نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ یقیناً صحیح اور درست ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے جو آپ کا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں آمادہ عمل ہو جانا چاہیئے۔ جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی زیادہ مقصد کا حصول دشوار ہو جائے گا۔

فضل بن سہل۔

ٹھیک کہتے ہو اب تو تم آگئے ہو۔ چند ہی روز میں دیکھ لوگے کہ حرکت اور عمل کی کیسی لہر اس سرزمین پر پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے اثرات کہاں تک پہونچتے ہیں؟

بہزاد۔

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری کوششوں کا مرکز و محور یہی مقام مرو ہوگا۔

فضل بن سہل۔

یقیناً ـــ اسی لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔ کیونکہ تم جیسے کارگذار اور فرض شناس آدمی کی بغداد میں اس وقت اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی مرو میں ہے۔

فضل کا بھائی حسن اب تک خاموش بیٹھا تھا اب اس نے کہا۔

بہزاد نے جس جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے ہیں اس کا

تقاضا یہ ہے کہ اسے شایانِ شان صلہ دیا جائے۔ تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو۔
فضل بن سہل۔

جو بات تمہارے منہ سے نکلی ہے وہ میرے دل میں تھی اور یقیناً بہزاد اپنی وفاداری اور نمک حلالی کا شاندار صلہ پائے گا۔ جس کی گراں مائیگی کا ابھی وہ خود بھی اندازہ نہیں کر سکتا۔

بہزاد۔

براہِ کرم میرے بارے میں اس طرح کی باتیں نہ کیجئے۔ میں اس تحریک میں اس لئے شریک نہیں ہوا کہ اپنا دامن سیم و زر سے بھر لوں۔ نہ میرا یہ مقصد ہے کہ آپ سے یا شہزادہ مامون سے اپنی خدمات کا صلہ لوں۔ میں حق کا حامی اور باطل کا دشمن بن کر میدان میں اُترا ہوں اور حق کا ساتھ دینے والے لوگ انعام اور صلہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اور اگر دیکھیں تو پھر وہ حق اور سچائی کے طلب گار نہیں رہتے۔ بلکہ کاروباری آدمی بن جاتے ہیں۔ میرے پیشِ نظر صرف ایک بات ہے۔ وہ یہ کہ ظلم کا استیصال ہو۔ مظلوموں کی دادرسی کی جائے۔ اور جن لوگوں کا دامن خونِ ناحق سے آلودہ ہے اُنھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس مقصد کے لئے اگر میری جیب کی آخری پائی اور میرے خون کا آخری قطرہ بھی صرف ہو جائے تو مجھے دریغ نہ ہوگا۔ لیکن اس مقصد کے خلاف اگر سونے چاندی کے پہاڑ مجھے بخش دئے جائیں تو میں ان پر نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالوں گا۔ یقیناً آپ کی جماعت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اس اُمید میں سرگرمِ عمل ہیں کہ حصولِ مقصد کے بعد ان کی قدر افزائی کی جائے گی۔ انہیں انعام ملے گا۔ انہیں ہیرے جواہرات کے تحفے عطا ہوں گے۔ جاگیریں دی جائیں گی۔ خلعت بخشے جائیں گے۔ اور اسی لالچ میں وہ سب کچھ کر بھی

رہے ہوں گے لیکن کم از کم اپنے بارے میں تو بلا تامل میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ مجھے نہ دولت چاہیئے نہ ثروت، نہ انعام نہ جاگیر، نہ خلعت، نہ تحائف، جس روز میرا یہ مقصد حاصل ہو گیا۔ آپ دیکھ لیں گے کہ پھر میرا آپ سے یا امیر المومنین امون یا آپ کی جماعت سے کسی قسم کا سروکار نہیں رہے گا۔ میں گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ اور کسی تحریک میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لوں گا۔ ہنگامہ آرائی کے سہارے جینا بڑی گھٹیا بات ہے۔ ہاں کسی اعلیٰ اور اونچے مقصد کے لئے اگر ہنگامہ آرائی میں حصہ لیا جائے تو وہ ایک الگ اور دوسری چیز ہے۔ معاف کیجئے گا۔ میں ذرا صاف الفاظ میں گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ جو دل میں وہ زبان پر اگر کوئی بات ناگوار گذرمی ہو تو نظر انداز کر دیجئے گا۔

فضل بن سہل۔

بہزاد تم اتنے اونچے آدمی ہو اس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ بیشک ہم تمہیں ایک پر جوش اور سراپا عمل انسان سمجھتے تھے۔ لیکن آج کی باتوں نے تمہیں ہماری نظر میں اتنا اونچا کر دیا ہے کہ ہم اپنا جذبہ بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں پاتے۔

حسن بن سہل۔

واقعی بھائی صاحب بہزاد کو جتنا اونچا اور اچھا آدمی ہم سمجھتے تھے وہ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں۔

بہزاد۔

یہ آپ کی ذرہ نوازی اور کرم گستری ہے۔ سچ پوچھئے تو میرے دل میں یہ لگن جو پیدا ہوئی وہ صرف آپ ہی جیسے لوگوں کے کردار اور گفتار کا نتیجہ ہے ورنہ

آج میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح سگِ دنیا بنا ہوتا اور کبھی بھولے سے بھی میرے دل میں یہ خیال نہ آتا کہ حق کیا ہے۔ اور باطل کسے کہتے ہیں۔ سچائی کے لئے ایثار اور قربانی، انسانیت کا کتنا اچھا شعار ہے اور باطل کی حمایت میں سیم و زر کے چند ٹکڑوں کی خاطر جان کی بازی لگا دینا انسانیت کی کتنی گھناؤنی تحقیر ہے

حسن بن سہل۔

اچھا تو یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ بغداد میں تم اپنے قائم مقام بھی کسی کو چھوڑ کر آئے ہو تاکہ اگر ضرورت ہو تو تمہاری عدم موجودگی میں اس سے رابطہ قائم رکھا جائے وہاں کے ضروری اور اہم حالات سے وقتاً فوقتاً وہ ہمیں مطلع کرتا رہے۔

بہزاد۔

جی ہاں! اپنے خادم سلمان کو وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ قصرِ مامون میں میرا خادم سلمان ہے اور قصرِ خلافت میں رئیس المنجمین علامہ سعدون کے نام سے مشہور ہے۔

فضل بن سہل۔

یہ تو تم نے بڑی عجیب بات بتائی اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا عمل دخل جس طرح مامون کے محل میں ہے اسی طرح امین کے قصرِ خلافت میں! یہ بہت اچھا ہے اور واقعی ہم اس سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

بہزاد۔

سلمان نے اپنی غیب دانی کا قصرِ خلافت میں سکہ بٹھا دیا ہے۔ امین سے لے کر فضل بن ربیع تک سبھی اس کے معتقد اور گرویدہ ہیں۔

فضل اور حسن یہ بات سُن کر ہنسنے لگے۔

(۵۲)

کیا وہ مبارک وقت آ گیا!

فضل بن سہیل کے یہاں سے فارغ ہوکر بہزاد شہر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ بھر وہ مختلف قسم کے خیالات میں اُلجھا رہا۔ ایک طرف امین اور مامون کی کشمکش فکر اور تشویش کی موجب بنی ہوئی تھی۔ دوسری طرف میمونہ کی یاد اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا کئے تھی۔ وہ جانتا تھا امین اور مامون میں بہت جلد جنگ چھڑ جائے گی۔ اور یہ جنگ بڑی ہولناک ہوگی۔ اس میں کھیرے، ککڑی کی طرح انسانوں کی گردنیں کٹیں گے۔ سورش، اور بغاوت کے شعلے بھڑکیں گے۔ خون کی ندیاں بہیں گی۔ گھر اُجڑ جائیں گے۔ کھیتیاں جلیں گی۔ آبادیاں ویران ہوں گی کوئی شبہ نہیں مامون اور امین کی کشمکش اور ان کی ہونے والی جنگ اور اس جنگ کے ہولناک اور مہیب اثرات و نتائج بہزاد کے مقاصد حیات میں داخل تھے۔ لیکن وہ ایسا بھی محسوس کرتا تھا گویا ان شعلوں میں اس کی زندگی یعنی میمونہ جھلسی جا رہی ہے۔ اور یہ سوچ کر وہ کانپ جاتا تھا۔ اپنے اوپر ملامت کرنے لگتا تھا کہ تنہا کیوں آیا میمونہ کو بھی اپنے ساتھ کیوں نہ لیتا آیا؟ انہیں خیالات

میں کھویا ہوا کبھی تیز کبھی آہستہ ایک مکان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر کنڈی کھٹکھٹائی ایک بوڑھا شخص باہر آیا اور بہزاد کو دیکھتے ہی خوشی سے دیوانہ ہو کر چیخا۔

میرے آقا، میرے آقا آپ تشریف لے آئے۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر بہزاد کے ہاتھوں کو بوسے دیا اور کہا۔

تیری ملکہ آپ کی یاد میں اتنی پریشان ہو رہی ہیں کہ میں اندیشہ کر رہا تھا کہیں خدانخواستہ بیمار نہ پڑ جائیں۔ آپ نے بھی حد کر دی۔ اتنے دن ہو گئے مگر ایک خط بھی نہ بھیجا۔"

بہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب تو میں آگیا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ انھیں کوئی شکایت نہ ہوگی۔ ان کی ساری پریشانیاں رفع ہو جائیں گی۔

اس گفتگو کے بعد بہزاد اندر گیا۔ سامنے کی صحنچی میں مسہری پر تکیہ سے ٹیک لگائے ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی۔ لیکن اس کے جھریاں پڑے ہوئے چہرے پر غضب کی تمکنت اور بلا کا وقار تھا۔ شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ بوڑھی عورت ابومسلم خراسانی کی لڑکی اور بہزاد کی ماں فاطمہ تھی۔

بہزاد جیسے ہی فاطمہ کے سامنے پہونچا اس نے سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ فاطمہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔ پھر بولی۔

"بیٹے عبداللہ! تم آ گئے کتنے دن سے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ زندگی کے دن اب پورے ہو چکے۔ نہ جانے کس دن آنکھ بند ہو جائے۔ سوچا کرتی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس وقت یہاں پہونچو جب زندگی سے میرا رشتہ

منقطع ہو چکا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم میری زندگی ہی میں آگئے۔ اب میں اپنی منت پوری کردوں گی ——!

یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بہزاد بھی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ اُس نے ماں کے آنسو پونچھتے ہوے کہا۔

تمہیں خوش ہونا چاہیئے۔ کہ تم رو رہی ہو یہ بدشگونی ہے۔ خوش ہو جاؤ۔ ہنس دو جب تک تم مسکراؤ گی نہیں۔ میرا دل پریشان رہے گا۔ میں کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔

فاطمہ نے پھر اُسے کلیجے سے لگالیا۔ اور مسکراتے ہوے کہا۔

بیٹے جب تک تو میری نظروں کے سامنے ہے مجھے کوئی غم پریشان نہیں کر سکتا۔ میں خوش ہوں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ تو صحیح سلامت مجھ تک پہنچ گیا۔ اس وقت تو کہاں سے آرہا ہے۔

بہزاد۔

بغداد سے۔

فاطمہ۔

کیا حالت ہے بغداد کی۔

بہزاد۔

وہی جو ہم چاہتے ہیں —۔ انقلاب کے لئے زمین تیار ہو گئی ہے بغداد میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شورش کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میں نے بغداد میں آگ لگا دی ہے۔ اور عنقریب وہ آگ اس تیزی سے پھیلے گی کہ تم یہاں سے گھر میں بیٹھ کر۔ اس کی چمک اور بھڑک دیکھ سکو گی۔

فاطمہ۔

یہ سب کچھ تو ہونا ہے اور ہو کر رہے گا لیکن یہ بتاؤ تم نے میرا کام بھی کیا ہے یا نہیں۔

بہزاد۔

بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ کا کام نہ کرتا۔ آپ کی فرمائش میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔

فاطمہ۔

عبداللہ یہ میں کیا سُن رہی ہوں۔ کیا واقعی تو اپنے ساتھ وہ کاسۂ سر لایا ہے۔

بہزاد۔

جی ہاں لایا ہوں، اور وہ میرے ساتھ ہے۔

فاطمہ۔

لیکن کہاں رکھا ہے، تُو نے اُسے؟ خدا کے لئے مجھے زیادہ پریشان نہ کر سچ سچ بتا کہیں مجھے بہلانے کے لئے تو جھوٹ نہ بول رہا ہو۔

بہزاد۔

(صندوقچی کے طرف اشارہ کرکے) سچ کہتا ہوں وہ کاسۂ سر اس میں محفوظ ہے۔

فاطمہ۔

اچھا تو پھر اب دیر نہ کر اسے کھول۔ میں تیرے جھوٹ سچ کو آزمانا چاہتی ہوں۔ بہزاد نے وہ صندوقچی کھولی اور ایک خاک آلود کاسۂ سر فاطمہ کے سامنے رکھ دیا۔ فاطمہ نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

کیا واقعی یہ ابوسلم یعنی میرے باپ کا سر ہے۔ آہ میرا مظلوم باپ ---! یہ کہہ کر وہ ابوسلم کے کاسہ سر کو بار بار بوسہ دینے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بہزاد نے جوش کے عالم میں اپنی ماں سے کہا۔ تمہارے آنسو بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں ضائع نہ کرو۔ میں تم سے عہد کر چکا ہوں کہ انتقام لونگا ۔ اور ضرور لوں گا۔ صرف اپنے نانا ابو مسلم کا نہیں بلکہ ایک دوسرے مظلوم اور مقتول جعفر برمکی کا بھی۔ اگر میں یہ عہد نہ پورا کر سکوں، انتقام نہ لے سکوں تو بیشک رونا اور روتے روتے جل تھل کر دینا۔

فاطمہ۔

بیٹے میں نے اسی لئے تیرا عرف کیف رکھا ہے۔ جس کے معنی یہی انتقام کے ہیں۔ تیرا یہ فرض ہے کہ ہر مظلوم کی مدد کرے۔ میں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ اُسی وقت تجھے اپنا دودھ بخشوں گی جب تو ابو مسلم کا انتقام لے لے گا۔

بہزاد۔

وہ گھڑی بہت جلد آنے والی ہے۔ جب انتقام کا شعلہ بلند ہو گا۔ اور ظالموں کے راحت کدوں میں خون کی ندیاں بہیں گی۔

فاطمہ۔

کیا وہ مبارک وقت آگیا؟

بہزاد۔

جی ہاں، آگیا، میں نے آپ کی امانت آپ تک پہونچا دی۔ اب میری امانت مجھے واپس کر کے اپنا وعدہ پورا کیجئے۔

---

(۵۴)

چمکتا ہوا خنجر ـــــ!

فاطمہ سے گفتگو کرنے کے بعد بہزاد کے دل میں ایک نیا ولولہ اور حوصلہ پیدا ہو گیا۔ وہ بغداد سے مرو تک اس لئے آیا تھا کہ یہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد صحیح رائے قائم کرے کہ مامون کی خلافت کے لئے جدوجہد کا آغاز کس طرح کیا جائے یہاں آنے کے بعد فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن سے گفتگو کے دوران میں اس نے اندازہ کر لیا کہ اگرچہ فضل کا اور اس کا طریقہ کار مختلف ہے۔ لیکن مقصد دونوں کا ایک ہے۔ فضل نے یہاں اتنی غیر معمولی قوت حاصل کر لی تھی کہ اس کا تعاون بہزاد کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ پھر آج فاطمہ کی باتوں نے اس کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مامون کو منصب خلافت پر فائز دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ مامون سے وہ قومی قرابت رکھتا تھا۔ وہ ہر قیمت پر امین کو زک دینا اور تباہ و برباد کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس کا دامن داغ دار تھا۔ جعفر ہرگز قتل نہ کیا جاتا۔ اگر وہ امین کا حامی اور مددگار ہوتا۔ ابو مسلم خراسانی کے قتل میں بھی

عربی عصبیت کار فرما تھی۔ اور آج امین کے عروج و اقتدار میں بھی اس کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ بہزاد محسوس کرتا تھا کہ امویوں کا عہدِ حکومت نہ جانے کب تک جاری رہتا۔ اگر ابومسلم خراسانی نے عباسیوں کے لئے میدان صاف نہ کر دیا ہوتا۔ لیکن اس وفاداری کا صلہ یہ ملا کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ ہارون الرشید کی عظمت و برتری میں جعفر برمکی اور اس کے باپ یحییٰ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ لیکن اس بے لوث خدمت اور جاں نثاری کا صلہ یہ ملا کہ ایک کی گردن اڑا دی گئی۔ اور دوسرا قید خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان بحق ہوا۔

بہزاد نے ایک عرصہ کے غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ جب تک بزورِ شمشیر عربی عصبیت کا خاتمہ نہ کیا جائے اور ظلم و سفاکی کا انتقام نہ لیا جائے حالات درست نہیں ہو سکتے۔ اسی نظریہ کے ماتحت اس نے اپنی زیر زمین سرگرمیوں کا آغاز کیا اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ بغداد سے لے کر خراسان تک بہت دنوں میں اس نے بغاوت اور انقلاب کی چنگاریاں روشن کر دیں۔ وہ کہیں طبیب تھا۔ کہیں واعظ، کہیں پیرو مرشد، کہیں رندِ آشام، کہیں سپاہی، کہیں نجومی اور ستارہ شناس۔ ہر جگہ اس کا روپ الگ تھا۔ لیکن مقصد ایک تھا۔ اور اس مقصد کی تبلیغ وہ کچھ ایسے موثر انداز میں کرتا تھا کہ سننے والوں پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور وہ اس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس کے گرد اس طرح جمع ہونے لگتے تھے جیسے شمع کے گرد پروانے۔

رات کے کھانے کے بعد فاطمہ اس کے پاس آئی۔ اور اس نے کہا۔

بیٹے تم نے بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا تمہیں کامیاب کرے اور تمنا ہے کہ میری زندگی میں یہ کامیابی تمہیں عطا ہو۔ لیکن عقلمند وہ ہے

جو سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم فضل اور حسن سے صلاح و مشورہ کر کے عملی سرگرمی کا کوئی پروگرام مرتب کرو۔

بہزاد نے ماں کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

جو کچھ آپ نے فرمایا وہی میں بھی سوچ رہا تھا۔ اطمینان رکھئے۔ جلد بازی میں میرا کوئی قدم نہیں اُٹھے گا ـــ آپ نے کچھ وعدہ کیا تھا وہ کب پورا ہوگا

فاطمہ نے انجان بن کر پوچھا۔

کونسا وعدہ۔

بہزاد نے جواب دیا۔

وہ میری امانت جس کا حال میں خود نہیں جانتا۔ لیکن جسے آپ اب تک میرے لئے رکھے رہیں۔ اور آج صبح آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میرے حوالہ کر دیں گی۔

فاطمہ مسکرائی اور اس نے کہا۔

ہاں مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ اور تیری وہ امانت میں اپنے ساتھ لائی ہوں۔ یہ کہہ کر فاطمہ نے ایک ریشمی غلاف سے چمکتا ہوا خنجر نکالا اور بہزاد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لے' یہ تیرے باپ اور تیرے نانا کی یادگار ہے۔ ابومسلم ہر معرکہ میں کامیاب ہوا۔ اور یہ خنجر ہمیشہ اس کا رفیق رہا۔ مجھے امید ہے تو اس کی قدر کرے گا۔ اور یہ تیرا ساتھ دے گا۔

---

(۵۴)

خلافت خاندانی سالت میں ہونی چاہئے !!

خراسان میں بہزاد کو آئے کئی ہفتے گذر چکے تھے۔ اس عرصے میں وہ برابر مختلف جماعتوں سے جو درپردہ انقلاب کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ربط ضبط قائم رکھتا رہا۔ بس یہی ایک دھن تھی۔ جس میں صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک مصروف رہتا تھا۔ ایک روز صبح صبح اپنے گھر سے باہر نکلا تو ایک اجنبی آدمی نظر آیا۔ پوچھ کچھ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اسی کی تلاش میں آیا ہے۔ اور اپنے ساتھ سلمان کا خط لایا ہے۔ بہزاد نے بڑے تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ پھر اسے رخصت کرنے کے بعد اپنے کمرہ میں بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ اس کا خط پڑھنے لگا۔ خط بڑے دلچسپ مباحث پر مشتمل تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

میرے آقا۔

آپ کا غلام سلمان زندہ ہے۔ اور اپنے فرائض انجام دینے میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھتا یہاں کے حالات آپ کے لئے ہر طرح سے باعثِ اطمینان

ہیں۔ جس کی خیریت آپ کو مطلوب ہے۔ اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔ البتہ بعض حالات وحوادث ایسے ضرور واقع ہوئے ہیں، جنہوں نے کافی سنگین اور پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن تشویش و اضطراب کی کوئی بات نہیں۔ آپ کا غلام اگر زندہ ہے تو بہت جلد وہ رو براہ ہو جائیں گے۔ خاص طور پر جس بات کی آپ کو اطلاع دینی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ قصرِ خلافت کے رئیس المنجمین علامہ سعدون نے امیر المومنین امین کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ مامون کی ولی عہدی منسوخ کر دیں۔ اور اس کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا دیں۔ امیر المومنین پر چونکہ علامہ سعدون کا بہت زیادہ اثر ہے اور فضل بن ربیع بھی علامہ کا ہم آواز اور ہم نوا ہے۔ نیز ملکہ زبیدہ بھی اگرچہ علامہ سے کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتی۔ پھر بھی اس کی رائے کی قدر و منزلت کرتی ہیں۔ ان سب چیزوں نے مل کر امیر المومنین کو اتنا متاثر کیا کہ انہوں نے اس مشورہ کو دل و جان سے قبول کر لیا اور بہت جلد سرکاری طور پر مامون کی ولی عہدی منسوخ کرنے کے سلسلہ میں ضروری اقدامات زیرِ عمل آئیں گے۔ علامہ سعدون کا اس تجویز اور تحریک سے مقصد یہ تھا کہ امین اور مامون یا دوسرے الفاظ میں خراسان اور بغداد یا صحیح الفاظ میں ایرانیوں اور عربوں کے مابین جنگ چھڑ جائے۔ کیونکہ جب تک یہ جنگ نہیں چھڑتی اُس وقت تک حصولِ مقصد قطعاً ناممکن ہے۔ چنانچہ جنگ کی تیاریاں بغداد میں شروع ہو چکی ہیں۔ غالباً خراسان بھی فرض سے غافل نہ ہوگا۔ کوتوال شہر کو ہر طرح سے لیس اور چوکس رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے دیکھئے اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

آپ کا غلام

سلمان

بہزاد نے یہ خط پڑھا اور فرطِ مسرت سے اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل اُٹھا جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کے پُورا ہونے کا وقت اب قریب تر آتا جارہا تھا۔ وہ سیدھا اپنی ماں فاطمہ کے پاس پہونچا اور اس سے کہا۔

میں آپ کے لئے بہت بڑی خوشخبری لایا ہوں۔ یہ کہہ کر سلمان کا خط سامنے ڈال دیا۔ فاطمہ نے خط کا ایک ایک لفظ پڑھا اس کے بعد گویا ہوئی۔

واقعی اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ تلواریں میان سے نکلیں گی۔ ظالموں سے انتقام لیا جائے گا اور مظلوم اپنی داد کو پہونچیں گے۔

بہزاد۔

آپ کی دعا پوری ہوئی۔ آپ کا بیٹا کیفر اپنے نانا ابوسلم خراسانی کا اور دوسرے مظلوں کا انتقام لینے کے لئے بہت جلد میدان میں اترا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخر وقت تک میدان جنگ میں ڈٹے رہنے کا عہد کیا ہے۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں اس سے تعاون پر آمادہ ہیں۔ خراسان کے تمام سربرآوردہ لوگ اس کی طرف اُمید کی نظروں سے دیکھتے ہیں ــــ کیوں اماں کیا ان باتوں سے آپ خوش نہیں ہوتیں؟

فاطمہ۔

کیوں نہیں ہوتی میرے بیٹے۔ میں زندہ اُسی دن کے لئے ہوں کہ تجھے کامیاب اور سرخرو دیکھوں۔ لیکن بیٹے یہ وقت بہت احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھانے کا ہے۔ کیا تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اور خاص طور پر فضل اور حسن نے یہ بھی سوچا ہے کہ خلیفہ کسے بناؤ گے؟ یہ تو صحیح ہے کہ امین کی خلافت اس کی نااہلی کے باعث قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو نیا خلیفہ ہوگا۔ اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟

بہزاد۔

میری اور میری کیا ہم سب کی رائے یہ ہے کہ خلافت کا منصب مامون کو سونپا جائے۔ اس لئے کہ امین کے مقابلہ میں وہ ہر اعتبار سے موزوں اور مناسب ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایرانی النسل ہے۔ عربی عصبیت اسے چھو بھی نہیں گئی ۔ اور چونکہ وہ ہماری کوششوں سے برسرِ اقتدار آرہا ہے اس لئے یقیناً ہمارے اشاروں پر چلے گا۔

فاطمہ۔

لیکن جب مامون مر جائے گا تب کیا ہوگا؟

بہزاد۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

فاطمہ۔

بہت سادہ سا سوال ہے۔ مان لیتی ہوں کہ مامون تمہارے اشاروں پر چلیگا۔ لیکن مامون کے بعد جو اس کا بیٹا ہوگا یہ کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے باپ ہی کے نقشِ قدم پر چلے۔ پھر تم کیا کرو گے۔ انقلاب اور بغاوت کے شعلے بار بار نہیں بھڑکائے جا سکتے۔ لہٰذا کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ اب جو نیا نظام قائم ہو وہ ایک عرصہ دراز تک غیر متزلزل اور مستحکم رہے۔

بہزاد۔

تو آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟

فاطمہ۔

مجھ سے کیوں پوچھتے ہو خود کیوں نہیں سوچتے؟

بہزاد۔

شاید آپ یہ چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا شخص خلیفہ بنایا جائے جو خاص ایرانی ہو؟

فاطمہ۔

خواہش تو ضرور میری یہی ہے لیکن جانتی ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔

بہزاد۔

ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے۔

فاطمہ۔

لیکن یہ بات کہ عرب کے بجائے کوئی ایرانی خلیفہ ہو قطعاً ناممکن ہے۔ خود ایران کے باشندے جو امین کے مقابلہ میں مامون کے لئے اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر یہ محسوس کر لیں کہ ان کا فرماں روا اور خلیفہ کوئی ایسا شخص بنایا جا رہا ہے۔ جسے اسلام کے مرکز یعنی حجاز مقدس اور خاندانِ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اور ان کی تلواریں ہمارے خلاف چلنے لگیں گی۔ جن پر تم تکیہ کئے ہو۔ جن کی وفاداری اور دوستی پر تمہیں اتنا ناز ہے یہی تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ تم نہیں جانتے میرے بیٹے ہر وہ شخص جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے چاہے عملی طور پر مذہبی ہو یا نہ ہو کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اسلام کو کمزور کرنے والی کوئی بات صادر ہو۔ مذہب پہلے بھی بہت بڑی قوت تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہیگا۔

بہزاد۔

مجھے آپ کی رائے سے اختلاف نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کیا کیا جائے؟

فاطمہ۔

میرے ذہن میں تو ایک تجویز آتی ہے۔

بہزاد۔

فرمایئے، فرمایئے۔

فاطمہ۔

مامون سے تم لوگ یہ شرط کرلو کہ وہ اپنا ولی عہد اسے بنائے گا جسے ہم لوگ چاہیں گے۔ اگر وہ یہ شرط مان لیتا ہے تو بیشک اس کے پسینہ پر اپنا خون بہادو۔ اگر نہیں مانتا تو پھر اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

بہزاد۔

یقیناً وہ ہماری شرط مان لے گا۔ لیکن آپ کی اس عجیب و غریب شرط کا مقصد و مدعا کیا ہے؟ یہ سمجھنے سے میں بالکل قاصر ہوں۔

فاطمہ۔

میں یہ چاہتی ہوں کہ خلافت عباسی خاندان سے نکل کر فاطمی خاندان میں آجائے۔

بہزاد۔

وہ کس طرح۔

فاطمہ۔

اگر مامون کو یہ آزادی رہی کہ وہ جسے چاہے اپنا ولی عہد بنائے تو ظاہر ہے وہ اپنے کسی بیٹے کو بنائے گا۔ اور وہ عباسی ہی ہوگا۔ ہم اس خاندان کا استیصال کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ یہ خاندان برسرِ حکومت رہے۔ لہذا ہمارے تعاون کی پہلی اور آخری شرط صرف وہی ہونی چاہئیے جو ابھی میں نے بتائی ہے۔

بہزاد۔

لیکن فاطمی خاندان کا کون سا فرد آپ کے پیشِ نظر ہے؟

فاطمہ۔

اس پر بعد میں غور کر لیا جائے گا۔ پہلے اصول طے ہو لینا چاہیئے۔

بہزاد۔

اس کے طے ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ تجویز جو آپ نے پیش کی ہے پروان کس طرح چڑھے گی؟

فاطمہ۔

میرے بچّے صرف یہی تجویز پروان چڑھ سکتی ہے۔

بہزاد۔

ذرا اپنا مدعا واضح طور پر بیان کیجئے۔

فاطمہ۔

عباسیوں کے مظالم نے ایرانیوں کو نہ صرف عباسیوں سے بلکہ عربوں سے بھی متنفر کر دیا ہے۔ ایرانیوں کی سرکشی اور شورش پسندی نے عباسی خاندان کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا شخص مسندِ خلافت پر متمکن ہوتا ہے جو عباسی یا عربی عصبیت کا حامل ہو تو ایرانی کبھی دل سے اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اور بفرض محال اگر کسی ایرانی کو خلیفہ بنا دیا جائے تو عربوں کی تلوار نیام سے باہر نکل آئے گی۔

بہزاد۔

یہاں تک تو آپ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل صحیح ہے لیکن آگے؟

فاطمہ۔

آگے جو کچھ کہنے والی ہوں وہ بھی بہت زیادہ صحیح ہے۔ مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس وقت ایسا شخص خلیفہ بنا دیا جائے جو ایک طرف ایرانی ہو اور دوسری

عرب۔ تاکہ ایرانیوں اور عربوں دونوں کو کسی شکایت کا موقع نہ ملے۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو جائیں کہ ہاں ہمارا حق ہمیں مل گیا۔

بہزاد۔

بہت صحیح فرمایا آپ نے اور یقیناً ایسا شخص امون ہی ہو سکتا ہے۔

فاطمہ۔

ٹھیک کہتے ہو امون ہی موزون ترین آدمی ہے۔

بہزاد۔

لیکن اس میں کیا قباحت ہے کہ امون کا ولی عہد اسکا بیٹا ہو؟

فاطمہ۔

بہت بڑی قباحت ہے۔ فتنہ کی جڑ یہی ہے۔ امون کو خلیفہ بنانے سے ایرانیوں اور عربوں میں مفاہمت کی جو صورت پیدا ہوگی وہ اس کے انتقال کے بعد ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا بیٹا خالص عرب ہوگا۔ اور عربی کش مکش جو آج موجود ہے کل پھر پیدا ہو جائے گی۔

بہزاد۔

لیکن اگر امون کا ولی عہد کوئی فاطمی ہو؟

فاطمہ۔

تو پھر قیامت تک یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

بہزاد۔

یہ کیسے ؟ ذرا سمجھائیے ؟

فاطمہ۔

ہم مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلعم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ کی

ذاتِ گرامی سے ہمیں والہانہ عقیدت ہے اور آپ کی اولاد سے بھی ہماری عقیدت کا یہی عالم ہے۔

بہزاد۔
بیشک بیشک اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟

فاطمہ۔
ہم پر امویوں نے حکومت کی اور ظلم و ستم کا دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ہم پر عباسی حکومت کر رہے ہیں۔ ان کی سفاکی اور شقاوت کے بھی ہم نوحہ خواں ہیں اس لئے کہ ہمارا اور ان کا تعلق راعی اور رعایا کا تھا لیکن اگر خاندانِ رسالت کا کوئی فرد مسندِ خلافت پر متمکن ہو تو ہمارے اور اس کے درمیان راعی اور رعایا کا تعلق نہیں ہوگا۔

بہزاد۔
پھر کس طرح کا تعلق ہوگا؟ حاکم بہر حال حاکم ہے۔ محکوم بہر حال محکوم خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

فاطمہ۔
نہیں بیٹے سمجھنے میں غلطی نہ کرو۔ مسندِ خلافت پر خاندانِ رسالت کا اگر کوئی فرد متمکن ہوتا ہے تو ہمیں اس سے عقیدت بھی ہوگی۔ وہ صرف ہمارا دنیادی بادشاہ نہیں روحانی سردار اور سرتاج بھی ہوگا۔ وہ ہم پر ایک عرب کی حیثیت سے حکومت نہیں کرے گا۔ اس کی حیثیت کچھ اور ہوگی۔ ہم اسے ایرانیت کی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ اسلامیت کے نقطۂ نظر سے دیکھیں گے۔ علاوہ ازیں اس کے اور ہمارے درمیان نہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ نہ ظلم و انتقام کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ ابھی میں تم سے کہہ رہا تھا مذہب

پہلے بھی بہت بڑی قوت تھی۔ آج بھی ہے۔ اور آئندہ بھی رہے گی۔ خوب غور کرلو۔ ہماری سیاست اگر صرف سیاست نہ رہے بلکہ مذہب سے مخلوط ہو جائے تو وہ کچھ اور ہی چیز بن جائے گی۔ پھر کسی شورش کسی بغاوت اور کسی انقلاب سے اس میں تزلزل نہیں پیدا ہوگا ـــ بیٹے مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میری باتوں پر غور کرو۔

بہزاد۔

میں نے غور کرلیا۔ اور آج میں قائل ہوگیا کہ آپ کتنی بڑی مدبر ہیں۔ اب تک میں غلط راستہ پر جارہا تھا۔ اب آپ نے صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کردی یقیناً وہی ہونا چاہیئے۔ جو آپ نے فرمایا۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ماموں کو ہمارا تعاون صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا اگر اس کا ولی عہد ہمارا نامزد کردہ ہوگا۔ اور وہ قطعاً خاندانِ رسالت کا کوئی فرد ہوگا۔

فاطمہ۔

جزاک اللہ ـــ خدا تمہیں کامیاب کرے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

---

(۵۵)

یہ تھی فضل کی بھتیجی بوران !

بہزاد اپنی ماں فاطمہ کے تدبیر سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے سوچا مامون اور اس کے ولی عہد کے سلسلے میں فاطمہ نے جو رائے قائم کی ہے وہ بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔ اس تجویز پر عمل کیا جائے تو عالمِ اسلام بہت سی مصیبتوں اور شورشوں سے نجات پا سکتا ہے۔ لیکن یہ تجویز اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتی تھی۔ جب تک فضل بن سہل اور اس کا بھائی حسن بھی تائید نہ کریں؛ چنانچہ اس مسئلہ پر ان دونوں سے بحث و گفتگو کرنے کے لئے وہ فضل کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ محل کے دربان اور نگہبان چونکہ اس کی شخصیت اور حیثیت سے واقف تھے۔ لہذا کسی نے روک ٹوک نہیں کی وہ پھاٹک سے گذرتا ہوا سیدھا پائیں باغ پہونچ گیا۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک خوشنما بارہ دری تھی۔ عام طور پر فضل اپنے بھائی حسن اور ندیموں و مصاحبوں کے ساتھ یہیں نشست برخاست رکھتا تھا۔ بارہ دری کے دروازہ پر ایک مسلح غلام کھڑا تھا وہ بھی بہزاد سے واقف تھا۔

لہذا چپ چاپ کھڑا رہا۔ بہزاد بارہ دری کے اس کمرہ کی طرف بڑھا جہاں فضل بیٹھا کرتا تھا۔ دروازہ کے قریب اسے ایک ماہِ تمام نظر آیا۔ یہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ بہزاد نے اپنی زندگی میں حسن و جمال کے ہزاروں مرقعے دیکھے تھے لیکن یہ لڑکی سب سے الگ اور جدا تھی۔ بیشک وہ میمونہ سے محبت کرتا تھا۔ اور اس محبت کے باعث دنیا کی ہر عورت سے اسے بہتر اور برتر سمجھتا تھا۔ لیکن محبت سے قطع نظر جہاں تک حسن و جمال کا تعلق تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ یہ لڑکی دستِ قدرت کی بنائی ہوئی ایک مورت ہے اسے دیکھ کر بہزاد ٹھٹک گیا۔ اور وہ بھی ایک بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی ہو گئی۔ بہزاد کے حواس گم تھے۔ وہ لڑکی بھی سراپا حیرت نظر آ رہی تھی کبھی سوچتی کہ کمرہ کے اندر واپس چلی جائے۔ پھر خیال آتا۔ مہمان کو یونہی چھوڑ کر چلا جانا ٹھیک نہیں۔ اسی کش مکش میں خاموش کھڑی تھی کہ بہزاد نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اس نے کہا۔

میں بہت شرمندہ ہوں کہ اس طرح میری آپ کی مدبھیڑ ہوئی۔ دراصل میں یہاں فضل بن سہل سے ملنے آیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی وہ کمرہ میں موجود ہوں گے۔

لڑکی نے ایک قیامت خیز نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔

اچھا آپ میرے چچا فضل بن سہل سے ملاقات کرنے آئے ہیں لیکن وہ تو صبح ہی سے یہاں نہیں ہیں۔

بہزاد۔

کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ وہ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟

لڑکی کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ اس نے جواب دیا۔
ولی عہدِ سلطنت شاہزادہ مامون نے انہیں طلب فرمایا تھا۔ انہی کی خدمت میں گئے ہیں۔ میرے والد کو بھی ساتھ لیتے گئے ہیں!

بہزاد۔
میں آپ کا بہت شکرگذار ہوں کہ مجھ اجنبی کی وجہ سے اتنی دیر آپ کو خواہ مخواہ یہاں رُکنا پڑا۔

وہ مسکرائی اور اس نے کہا۔
جی نہیں، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی نہ آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ کا نام بہزاد ہے۔

بہزاد۔
جی ہاں، اس خاکسار کو بہزاد کہتے ہیں۔ مجھے اگرچہ اس اعزاز پر فخر ہے کہ آپ میرے نام سے واقف ہیں۔ مگر حیرت بھی ہے کہ کیونکر؟

لڑکی نے کہا۔
میرے والد اور چچا اکثر آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ بڑے قابلِ تحسین انداز میں!

بہزاد۔
شاید یہ میرا قیاس غلط نہیں کہ آپ کا اسمِ گرامی "بوران" ہے۔ اور آپ "حسن" کی صاحبزادی ہیں؟

بوران۔
آپ کا خیال صحیح ہے ـــــ اگر آپ والد اور چچا کا انتظار کرنا چاہیں تو یہاں تشریف رکھیے۔ انشاء اللہ آپ کی راحت و آسائش کا ہر طرح خیال

رکھا جائے گا۔

بہزاد۔

اس کرم گستری کا بہت شکر گذار ہوں۔ لیکن میرے خیال میں مجھے بھی شہزادہ ماموں کی بارگاہ میں جانا چاہیئے۔ کیونکہ جو گفتگو کرنی ہے اس کا تعلق ولی عہد صاحب کی ذات ہی سے ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ گفتگو انہیں کے سامنے ہو۔ اور میں فضل اور حسن باہمی تبادلہ خیال کے بعد کوئی رائے قائم کریں اور کسی صحیح اور آخری نتیجہ پر پہونچیں۔

بوران۔

آپ کی رائے بہت صائب ہے۔ ضرور تشریف لے جایئے۔

بہزاد بوران کے اخلاق اور حسن و جمال کا دل ہی دل میں کلمہ پڑھتا ماموں کے محل کی طرف روانہ ہوگیا۔

---

(۵۶)

کشمکش کا آغاز!

ہارون الرشید کی وفات کے بعد مامون خراسان میں رہ پڑا۔ لیکن حالات اتنے نازک اور پیچیدہ تھے کہ اس کی قوتِ فیصلہ عاجز ہو رہی تھی۔ بغداد اگر جاتا، تو زندگی خطرہ میں تھی۔ اور اگر خراسان میں رہے تو کس برتے پر، اور کس کے سہارے؟

مایوسی، پریشانی، اور غم و الم کی اس تاریکی میں ایک فضل بن سہل تھا۔ جو اس کا رفیق اور دمساز تھا، جو اس کی ہمت بندھاتا تھا۔ جو اس کے بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کی سعی و کوشش کر رہا تھا۔ ایک روز مامون کو ملول و مغموم دیکھ کر فضل بن سہل نے کہا۔

میرے آقا آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ خراسان آپ کا ننیال ہے۔ اور یہاں کا ایک ایک فرد آپ کے نام پر کٹنے اور مرنے کو تیار ہے۔ یہاں کے لوگوں کی اکثریت آپ کی بیعت کر چکی ہے۔ اور اس بیعت سے دنیا کی کوئی طاقت ان لوگوں کو منحرف نہیں کر سکتی۔ آپ خاموشی کے ساتھ

حالات کا مطالعہ کرتے رہیں ۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ۔ خلافت کا تاج آپ کے سر پر رکھا جائے گا۔

مامون فضل کی ان باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا، اس نے کہا۔

"میں تمہاری قدر کرتا ہوں ۔ واقعی اس نازک مرحلہ پر تم نے حسن وفاداری کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے ۔لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا، اتنے ناسازگار اور مخالف حالات ہوتے ہوئے بھی تم اتنے پرامید کیوں ہو؟"

فضل نے عرض کیا۔

اس لئے کہ خدا نے آپ کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں وہ آپ کے بھائی میں نہیں ہیں ۔ سب سے بڑی چیز مذہبیت ہے ۔ عوام مذہب کے پرستار ہیں ۔مذہب کے نام پر وہ اپنی جان ومال ہر چیز قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں ۔ مذہب کے لئے کسی قربانی سے بھی وہ دریغ نہیں کرسکتے ۔ اور دنیا جانتی ہے کہ امین کے مقابلہ میں آپ کے اندر بہت زیادہ مذہبیت ہے!

اور واقعہ بھی یہی تھا!

مامون کو خدا نے غیر معمولی صلاحیتیں عطا کی تھیں ۔ وہ عقل، تدبر کی نعمت سے مالا مال تھا ۔ روشن دماغ، زندہ دل، حاضر جواب، اور صائب الرائے تھا ۔ علم اور فکر سے غیر معمولی دلچسپی رکھتا تھا ۔خود اس کا ذاتی مطالعہ بھی کافی وسیع تھا ۔ فرصت کے اوقات وہ پڑھنے لکھنے میں صرف کیا کرتا تھا ۔ یا پھر علما کو بلاتا اور ان سے علمی مذہبی اور علمای مسائل پر بحث کیا کرتا تھا ۔ وہ خوش رو وجیہ بھی بہت تھا ۔ ذہانت اور متانت کا پیکر، اس کی تعلیم و تربیت برامکہ کی زیر نگرانی ہوئی تھی ۔ اور فضل بن سہل

تو اس کا باقاعدہ اتالیق اور استاد تھا۔ جعفر برمکی، اور فضل بن سہل وغیرہ کا شمار ان لوگوں میں تھا۔ جو اہلبیت نبوی سے غیر معمولی عقیدت اور محبّت رکھتے تھے اور ہمیشہ سے دل میں یہ آرزو پروان چڑھا رہے تھے کہ مسندِ خلافت پر خاندانِ رسالت کا کوئی شخص فائز ہو۔ لیکن حالات کچھ ایسے تھے کہ اس آرزو کے برآنے کی کوئی صورت نہیں نظر آتی تھی۔

اب مامون، گویا مستقل طور پر خراسان ہی میں مقیم تھا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ حالات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ یہاں اس کا سارا وقت مطالعہ کتب، اور علمی مباحث میں صرف رہتا تھا۔

ایک روز مامون کو اطلاع ملی کہ بغداد سے ایک وفد آیا ہے۔ وہ امین کی طرف سے ایک پیام بھی لایا ہے۔ مامون نے وفد کو باریاب ہونے کی اجازت دے دی۔ اگرچہ اس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے، وفد کی طرف سے ایک بہت عجیب مطالبہ مامون کے سامنے رکھا گیا۔

"امیرالمومنین امین کی یہ خواہش ہے کہ اپنے فرزندِ ارجمند موسٰی کو اپنا ولیعہد بنائیں وہ چاہتے ہیں آپ موسٰی بن امین کی ولی عہدی تسلیم کرلیں۔ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ اور خراسان کا قیام ترک کرکے بغداد کی اقامت اختیار کرلیں!"

مامون بڑا متحمّل اور بردبار آدمی بھی تھا۔ اس نے وفد کو کوئی صاف اور واضح جواب نہیں دیا۔ صرف اتنا کہا۔

"میں سوچ کر جواب دوں گا۔"

پھر وفد کو رخصت کرنے کے بعد اس نے فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن کو صلاح و مشورہ کے لئے طلب کیا۔ بہزاد، بوران بنت حسن سے

اتفاقیہ ملاقات کے بعد جب مامون کے محل کی طرف چلاتو وہاں مامون اور فضل سب وفد کے اسی مطالبہ پر بحث وگفتگو ہورہی تھی۔ مامون نے فضل بن سہل سے کہا۔

بغداد سے ایک وفد میرے پاس آیا ہے۔ وہ میرے بھائی امین کا یہ پیام لایا ہے کہ میں اس کے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد تسلیم کروں۔ اور خراسان کی اقامت ترک کرکے بغداد واپس چلا جاؤں۔ میرے اقدام وعمل کا انحصار صرف تمہارے صلاح ومشورہ پر ہے۔ بتاؤ کیا کہتے ہو۔

فضل بن سہل نے کہا۔

لیکن یہ تو عہد شکنی ہے ـــــ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کی ولی عہدی منسوخ کردی گئی۔ اور موسیٰ کو ولی عہد بنایا جارہا ہے۔

مامون۔

ہاں ظاہر ہے اس مطالبہ کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے ـــــ بہرحال بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟

فضل بن سہل۔

میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس مطالبہ کو ٹھکرادیں۔

مامون۔

اگر میں ایسا کروں تو جانتے ہو نتائج کیا ہوں گے؟

فضل بن سہل۔

نتائج جو بھی ہوں۔ ہم انہیں بھگت لیں گے۔

حسن بن سہل۔

میں آپ پر یہ امر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے خراسان کی اقامت

ترک کی، اور بغداد کا قصد کیا تو پھر اہلِ ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

فضل بن سہل۔

یہ رائے صرف حسن ہی کی نہیں ہے۔ خراسان کے تمام سربرآوردہ اشخاص کی رائے یہی ہے۔ یہ سامنے ہشام بیٹھے ہیں۔ ان کی دیانت اور فکر اصابت رائے کے آپ بھی قائل ہیں۔ اور ہم سب بھی معترف ہیں۔ ان سے پوچھئے۔ ان کی کیا رائے ہے؟

مامون۔

کہو ہشام تم کیا کہتے ہو؟ — ہم تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں؟

ہشام۔

میں اس عزت افزائی کا شکرگذار ہوں کہ آپ میری رائے کو کچھ وقعت دیتے ہیں۔ لو میرے آقا میں تو صاف اور واضح الفاظ میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم نے آپ سے اس شرط کے ماتحت بیعت کی تھی کہ آپ خراسان میں قیام کریں گے۔ اگر آپ خراسان سے تشریف لے گئے تو ہم اپنی بیعت سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

مامون۔

میرا ساتھ چھوڑ دو گے؟

ہشام۔

اس وقت، جب آپ ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہوں گے۔ ورنہ میرا عزم تو یہ ہے کہ جب آپ خراسان سے جانے کا تہیّہ کریں گے تو میں اپنے داہنے ہاتھ سے آپ کا دامن پکڑ کر روکنے کی کوشش کروں گا۔ اسے اگر آپ نے کاٹ دیا تو بایاں ہاتھ کام میں لاؤں گا۔ اسے بھی آپ نے قطع کر دیا تو سنگ راہ

بن کر آپ کے راستہ میں حائل ہو جاؤں گا۔ اور جب آپ قتل کر ڈالیں گے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا!

فضل بن سہل۔

ہشام نے جو کچھ کہا ہے وہ درحقیقت ہم سب کے دل کی ترجمانی ہے۔ خراسان کے ہر باشندہ کی یہی رائے ہے۔

مامون۔

تو پھر اب کیا کیا جائے؟

فضل بن سہل۔

خطبۂ جمعہ سے امین کا نام نکال دیا جائے۔ ڈاک کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے اور مامون کے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔

ہشام۔

اس وفد کو جو امین نے بھیجا ہے۔ صرف اسی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

مامون۔

(فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر) تمہارے مشورہ اور ہدایت کے آگے ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ کر لو۔ تمہیں کامل اور مکمل اختیار دیا جاتا ہے۔ ہم تمہیں اپنا وزیر اعظم بناتے ہیں۔ اور آج سے تم "ذوالریاستین" کے خطاب سے مخاطب کئے جاؤ گے!

اس اثناء میں ایک غلام آیا۔ اور اس نے عرض کیا۔

"بہزاد طبیب در دولت پر حاضر ہے۔ اور شرف باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے!"

مامون نے کہا۔

"ہاں ہم اسے جانتے ہیں۔ وہ ہمارا آدمی ہے فوراً اسے حاضر کرو!"

بہزاد، مامون کے سامنے حاضر ہو کر آداب بجا لایا۔ مامون نے اس سے پوچھا۔

"بغداد کو تم نے کس حالت میں چھوڑا؟"

بہزاد۔

بغداد شہر کو میں نے اس حالت میں چھوڑا کہ وہاں حق پامال کیا جا رہا ہے، اور نیکیاں برباد کی جا رہی ہیں۔ اور اگر امیرالمومنین اپنے متعلقین اور اہل و عیال کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں تو میرا جواب ہے کہ وہ خیریت سے ہیں لیکن ——

مامون۔

لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتے ہو تم؟

بہزاد۔

میں نہیں عرض کر سکتا کہ اب وہ لوگ کس حالت میں ہیں۔ کیوں کہ مجھے ایک خط سے معلوم ہوا ہے کہ جناب کی بیعت ولی عہدی فسخ کر دی گئی ہے۔ اور موسیٰ کی ولی عہدی پر بیعت لی جا رہی ہے۔ ایک حیرت انگیز انقلاب کا دور دورہ ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟

مامون۔

یہ تو سچ ہے، حالات تیزی سے پلٹا کھا رہے ہیں۔

بہزاد۔

غلام کی رائے تو یہ ہے کہ جلد از جلد اپنے متعلقین کو، آپ بغداد سے یہاں طلب فرمالیں۔

فضل بن سہل۔

یہ بہتر اور صائب رائے ہے۔ واقعی فوراً ایسا ہونا چاہئیے۔

مامون۔

انشا اللہ بہت جلد وہ لوگ یہاں آجائیں گے ۔۔۔ ہاں یہ تو بتاؤ میری بچی زینب کیسی ہے؟

بہزاد۔

اچھی ہیں ۔۔۔ آپ کو ہر وقت یاد کرتی ہیں۔

مامون۔

(ایک ٹھنڈی سانس لے کر) میں بھی اسے بہت یاد کرتا ہوں (اپنے خادم نوفل سے مخاطب ہو کر) تم صبح ہی صبح یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اور ہمارے متعلقین کو بغداد سے لے کر جلد از جلد یہاں واپس آجاؤ۔ (پھر فضل بن سہل سے مخاطب ہوتے ہوئے) تو پھر بغداد کے وفد کو کیا جواب دیا جائے؟

فضل بن سہل۔

میری ناچیز رائے میں مناسب یہ ہے کہ وفد کو زبانی جواب نہ دیا جائے ایک خط امین کے نام پر لکھ کر دے دیا جائے۔ جس کے الفاظ بہت نرم اور ملائم ہوں۔ کیونکہ سیاست اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔

مامون کو فضل کی یہ رائے پسند آئی۔ اس نے اسی وقت قلم دوات منگا کر امین کے نام ایک خط لکھا۔

"میں یہاں اپنی مرضی سے قیام پذیر نہیں ہوں۔ والد مرحوم خلیفہ ہارون الرشید کے حکم سے یہاں رہ رہا ہوں۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن مجھ جیسے ناکارہ شخص کی وہاں کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہو تو مجھ جیسے ان گنت آدمی وہاں موجود ہیں۔ جسے چاہئیے۔

ماموں سمجھ لیں !— بہرحال میں خراسان کا قیام ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اُمید ہے آپ میری معذرت کو سمجھیں گے۔ اور تعمیلِ حکم نہ کر سکنے پر معاف کریں گے۔"

مامون نے قلم برداشتہ یہ خط لکھا۔ اور فضل کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے پڑھا اور عرض کیا۔

"امیرالمومنین نے امین کے نام اس خط میں فصاحت و بلاغت کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ پڑھ کر وہ حیران رہ جائے گا کسی لفظ پر گرفت نہیں ہو سکتی۔ کسی بات پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور پھر اپنی بات اپنی جگہ!"

مامون ہنسنے لگا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا — اس کا مطلب یہ تھا کہ مجلس برخاست —!

---

(۵۷)

باہمی مشورے!

مجلس کے برخواست ہونے کے بعد فضل بن سہل نے بہزاد سے پوچھا

"تم کیوں آئے تھے؟"

اُس نے جواب دیا۔

"آپ ہی سے کچھ ضروری صلاح و مشورہ کرنا تھا۔"

فضل نے بے تکلفی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا۔

"تو چلو گھر چلتے ہیں، وہیں اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

بہت جلد یہ لوگ مامون کے محل سے فضل کے ایوان میں پہونچ گئے۔ پائین باغ کی اسی بارہ دری میں جہاں بہزاد نے بوران کا جمال جہاں آرا دیکھا تھا۔ فضل، بہزاد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آکر بیٹھ گیا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرمائیے کیا ارشاد ہے؟"

بہزاد نے سلمان کا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھ کر فضل نے کہا۔

"بھئی یہ خط تو بڑے مزے کا ہے، اگر واقعی علی بن عیسٰی کے سپرد سپہ سالاری کی گئی ہے تو سمجھ لو کہ بغیر کسی دشواری کے اپنا کام بن گیا۔"

بہزاد۔

آخر علی بن عیسٰی میں ایسی کون سی بات ہے کہ اس کی سپہ سالاری ہمارے لئے کلید مراد کا حکم رکھتی ہے؟ میرا تو خیال ہے وہ ہمارا بدترین دشمن ہے!

فضل بن سہل۔

میرے عزیز تمہارا خیال بالکل صحیح اور درست ہے۔ لیکن علی بن عیسٰی کی سپہ سالاری ہمارے لئے فال نیک یوں ہے کہ خراسان کے لوگ اس سے نہایت نفرت کرتے ہیں، اس نفرت کا نتیجہ یہ ہو تاکہ وہ اس سے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اور ایسی شکست دیں گے کہ زندگی بھر یاد کرے گا۔

بہزاد۔

اچھا اگر ایسا ہی ہوا، جیسا آپ فرماتے ہیں۔ تو پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟

فضل بن سہل۔

اس کے بعد راستہ صاف ہو جائے گا۔ ہم امین کو معزول کر دیں گے۔ اور اس کے بجائے مامون کو خلیفہ بنا لیں گے۔

بہزاد۔

اچھا یہ بھی آپ نے کر لیا۔ پھر؟

فضل بن سہل۔

اس کے بعد اور کیا چاہیئے؟

بہزاد۔

سوال یہ ہے کہ مامون کے خلیفہ بن جانے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔"

فضل بن سہل۔

آج تم کیسی الجھی الجھی باتیں کر رہے ہو۔ بہزاد؟

بہزاد۔

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ امین اور مامون دونوں "عرب" نہیں ہیں ــــ؟

فضل بن سہل۔

ضرور ہیں، ان کے عرب ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے؟

بہزاد۔

کیا یہ دونوں، یعنی امین اور مامون، عباسی نہیں ہیں؟

فضل بن سہل۔

ہاں ہیں۔

بہزاد۔

کیا یہ امین اور مامون، مظلوم ابو مسلم خراسانی اور جعفر برمکی کے قاتلوں کی اولاد نہیں ہیں ــــ؟

فضل بن سہل۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، ــــ البتہ ایک فرق ضرور ہے۔

بہزاد۔

وہ کونسا فرق ہے؟

فضل بن سہل۔

یہ کہ مامون ہمارا بھائی ہے۔ یعنی ماں کی طرف سے ایرانی ہے۔ مذہبی عقائد و خیالات میں بھی ہمارا ہم رائے ہے۔ یعنی ہماری طرح محب اہلبیت اطہار

ہے، لہٰذا اس کی خلافت بہر طور ہمارے لئے مفید ہوگی۔ اور ہم اس سے جو کام چاہیں گے لے سکیں گے۔

بہزاد۔
لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی وہ ایسا ہی رہے گا؟ اور اگر وہ ایسا ہی رہے بھی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس کا ولی عہد بھی ایسا ہی ہوگا؟ کیا ہم بار بار عباسیوں کی بدعہدی اور تبدیلی فکر و خیال کا نظارہ نہیں کر چکے ہیں؟

فضل بن سہل۔
آخر تم کیا چاہتے ہو کچھ بتاؤ بھی تو؟

بہزاد۔
آپ جیسی شخصیت کے سامنے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ آپ خود سوچئے۔

فضل بن سہل۔
(کچھ سوچتے ہوئے) واقعی تمہارے خیالات دور اندیشی پر مبنی ہیں۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔

بہزاد۔
فرمائیے۔

فضل بن سہل۔
ہم مامون کے خلوص کا امتحان لیتے ہیں۔ اگر وہ امتحان میں پورا اُترا تو دل و جان سے اس کا ساتھ دیں گے۔ اگر پورا نہ اترا تو پھر اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

بہزاد۔
میری سمجھ میں نہیں آتا آپ مامون کے خلوص کا کس طرح امتحان لیں گے؟

فضل بن سہل۔

بڑی آسان صورت ہے ہم اس سے یہ کہیں گے کہ خلافت اولاد نبیؐ اور بنو ہاشم کا حق ہے۔ پھر بھی ہم تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنا ولی عہد علی بن موسیٰ رضا کو بناؤ۔ مامون خود بھی حضرت امام علی رضا سے غیر معمولی عقیدت اور محبت رکھتا ہے۔ یقیناً یہ تجویز منظور کرے گا۔ کیا تمہیں میری اس رائے سے اتفاق ہے؟

بہزاد۔

اتفاق؟ آپ نے تو یہ ایسی بات کی ہے جو میرے دل میں تھی۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

---

(۵۹)

چاندی کی ہتکڑی!

آخر وہی ہوا جس کی ایک عرصہ سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ امین نے مامون کی ولی عہدی منسوخ کر دی۔ وہ سکے بھی ناقابلِ استعمال قرار دئے جو خراسان کی ٹکسال میں مامون نے اپنے نام سے مضروب کرائے تھے موسیٰ بن امین کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ اور اس کو ناطق بالحق کا لقب دیا گیا۔

مامون نے فضل بن سہل کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ جلد از جلد ایک لشکر فراہم کرے۔ فضل نے لشکر فراہم کرنے اور آخر وقت تک امین کی فوجوں سے لڑنے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ مامون امام علی رضا کو اپنا جانشین اور ولیعہد مقرر کر دے۔ تھوڑے سے تامل اور تذبذب کے بعد مامون نے یہ شرط بیان کی

فضل بن سہل نے مامون کے لئے لشکر فراہم کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ بہت مختصر مدت میں اس نے خاصی فوج مہیا کر لی۔ سالار لشکر طاہر بن حسین کو مقرر کیا۔ جسے مامون نے ذوالیمینین کا لقب دیا۔ طاہر نوجوانی کے باوجود نہایت بلند حوصلہ بہادر اور شجاع شخص تھا بہزاد

بھی فضل اور طاہر کے ساتھ ہر قسم کی سرگرمیوں میں برابر کا حصہ لے رہا تھا۔
اسی اثنا میں اسے سلمان کا دوسرا خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا تھا۔

میرے آقا۔

میں آپ کو یہ خط قصر خلافت میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ میری کوشش کامیاب ہوئیں علی بن عیسٰی کو امین نے اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ یہ لشکر ابھی ابھی بغداد سے روانہ ہوا ہے۔ امین اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے بغداد کے باہر تک آیا۔ شہر کے معمر اور کہنہ سال لوگوں کا بیان ہے کہ اتنا بڑا اور ایسا جرّار لشکر انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تعداد اور ساز و سامان جنگ کے اعتبار سے یہ لشکر بالکل مکمل ہے۔ علی بن عیسٰی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ خراسان کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ خراسان کے کچھ لوگوں نے اسے خطوط لکھ کر اطاعت اور وفاداری کا یقین دلایا ہے۔ جب سے اس نے یہ سنا ہے کہ مامون نے اپنے لشکر کا سپہ سالار طاہر بن حسین کو مقرر کیا ہے وہ بہت خوش ہے اور میں کہتا ہے یہ لونڈا میرا کیا مقابلہ کرسکے گا۔ امین اس وقت علی بن عیسٰی کے ہاتھ کٹھ پتلی بنا ہوا ہے اس نے علی بن عیسٰی کو نہ صرف فوج کی سپہ سالاری سونپی ہے۔ بلکہ جملہ اختیارات دے کر خزانہ وغیرہ بھی اس کی سپردگی میں دے دیا ہے پچاس ہزار سوار اس کے ساتھ ہیں۔ ابو دلف اور ہلال کو بھی تاکید کی گئی ہے کہ جلد از جلد اپنے آدمیوں کے ساتھ وہ علی بن عیسٰی سے مل جائیں اور اسے جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو دیں۔ لوگوں کو اُمید ہے۔ علی بن عیسٰی ضرور کامیاب ہوگا۔ جب وہ زبیدہ کو رخصتی سلام کرنے گیا تو زبیدہ نے اس سے کہا۔

علی یہ بات نہ فراموش کرنا کہ امین اگرچہ میرا بیٹا ہے اور مجھے اس سے

بے انتہا محبت ہے. لیکن میں مامون سے بھی محبت کرتی ہوں. اس لئے کہ وہ میرے شوہر کا رڈ کا ہے. میں تمہیں چاہتی کہ مامون کو کسی طرح کی بھی تکلیف پہونچے. اگر اس نے بغاوت اور سرکشی کا راستہ نہ اختیار کیا ہوتا تو جنگ و جدل کی نوبت ہرگز نہ آتی. میں تمہیں تاکید کرتی ہوں اس کی شان میں گستاخی نہ کرنا. زہانت آمیز طریقہ پر اس سے سوال جواب نہ کرنا جب وہ گرفتار ہو جائے تو اسے طوق و زنجیر نہ پہنانا. قید کی حالت میں بھی اس کی خاطر داشت میں کسی طرح کا فرق نہ آنے پائے. سوار ہو کر اس کے آگے نہ چلنا اس کے چلنے پھرنے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالنا. اگر وہ تمہیں بُرا بھلا کہے گالیاں دے تو بھی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر لینا. علی بن عیلسی نے زبیدہ سے وعدہ کیا کہ آپ جو کچھ کہتی ہیں. حرف بہ حرف میں اس کی تعمیل کروں گا. پھر زبیدہ نے علی بن عیسٰی کے ہاتھ میں چاندی کی ایک ہتھکڑی دی. اور کہا. مامون جب گرفتار ہو جائے تو یہ ہتھکڑی اسے پہنانا.

میرے آقا میں نے سنا ہے کہ مامون نے اپنے متعلقین کو خراسان بلایا ہے. غالباً یہ لوگ بہت جلد وہاں پہونچ جائیں گے. یقیناً آپ کو یہ توقع ہوگی کہ میمونہ بھی ان لوگوں کے ساتھ آئے گی. لیکن اگر آپ اسے ان لوگوں کے ساتھ نہ پائیں تو دل گرفتہ اور پریشان نہ ہوں. کیوں کہ وہ یہاں ہر طرح سے مطمئن اور مسرور ہے. اس سے قبل میں نے آپ کو میمونہ کے بارے میں اس لئے نہیں لکھا کہ آپ خواہ مخواہ پریشان ہوں گے. لیکن اب راز کا چھپانا ناممکن ہے. کیونکہ دنانیر آپ سے سب کچھ کہہ دے گی. آپ کی اطلاع کے لئے میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میمونہ امین کے محل میں موجود ہے اسے کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں ہے. یہ داستان بہت طویل ہے. دنانیر

سے آپ ساری تفصیل معلوم کر سکتے ہیں۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ وہ صحیح اور سلامت ہے۔ اور آپ کو اس کے لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ خط پڑھ کر بہزاد کو چکر آگیا۔ اس خط میں بہت سی باتیں ایسی تھیں۔ جو اس کے لئے خوشخبری کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن یہ بات کہ میمونہ امین کے محل میں مقید ہے۔ اور زینب کے ساتھ نہیں آرہی ہے۔ بڑی اضطراب انگیز تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے؟

چند روز کے بعد مامون کا لشکر طاہر بن حسین کی سالاری میں روانہ ہوا۔ لیکن بہزاد لشکر کے ساتھ نہیں گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ذنا نیرا ور زینب واپس آجائیں ان سے میمونہ کا حال معلوم ہو اور تب جائے فاطمہ نے اس کی یہ روش پسند نہ کی اس سے کہا۔

بیٹے طاہر بن حسین اپنا لشکر لے کر چلا گیا۔ اور تم اب تک یہیں ہو۔ ابو مسلم کا وہ خنجر میں نے تمہیں اس لئے نہیں دیا تھا کہ پڑے پڑے زنگ کھاتا رہے۔ اس لئے دیا تھا کہ تم اس سے کام لو۔ اور دشمن کے سینے میں گھونپ دو۔

فاطمہ کی باتیں سن کر بہزاد پر شرمندگی سی طاری ہو گئی۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔

اماں جان میں آپ سے رخصت ہونے کے لئے آیا ہوں۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ دعا کیجئے۔ خدا مجھے کامیاب کرے۔ فاطمہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خدا تمہیں ان لوگوں پر ضرور غالب کرے گا۔ جنھوں نے تمہارے نانا کو دھوکے سے قتل کیا۔ اور جنہوں نے ہمیں ہمارے جائز حقوق سے محروم کر دیا۔

بہزاد جب جانے لگا تو فاطمہ نے اسے گلے سے لگایا اور رونے لگی۔ ماں کے رونے سے بہزاد اور متاثر ہوا اس نے کہا۔

یہ خوشی کا موقع ہے۔ میں آپ کی آنکھ میں آنسو کیوں دیکھ رہا ہوں؟

فاطمہ نے جواب دیا۔

بیٹے میں اس لئے نہیں روتی کہ تم میدانِ جنگ میں جا رہے ہو۔ میری آنکھیں اس لئے بھی پرنم نہیں ہیں کہ تم وہاں سے زندہ واپس آتے ہو۔ یا وہیں کام آجاتے ہو مجھے رونا صرف اس بات پر آرہا ہے کہ اس جنگ کے ختم ہونے سے پہلے کہیں میں اس دنیا سے رخصت نہ ہو جاؤں!

بہزاد نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

انشاء اللہ آپ اس جنگ کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔ اور یہ بھی دیکھ لیں گی کہ غداروں اور بدعہد دں کا انجام کیا ہوتا ہے!

---

(۵۹)

میدانِ جنگ کی طرف !!!

بہزاد نے اپنی ماں فاطمہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ابومسلم کا خنجر زیب کمر کرکے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی وہ مرو سے تھوڑی دور آگے نکلا تھا کہ دور سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوکر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد قافلہ نزدیک آگیا تو بہزاد نے اپنے ایک خادم کو اس کے حالات اور کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ذرا دیر میں اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ یہ ماموں کے متعلقین کا قافلہ ہے۔ جو بغداد سے روانہ ہوکر اب اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہونچا ہے بہزاد یہ سنتے ہی تیزی کے ساتھ قافلہ کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق سے دنانیر کی نظر اس پر پڑگئی۔ اس نے فوراً اپنے سارباں کو حکم دیا کہ ٹھہر جاؤ جیسے ہی اس کا اونٹ رکا سارا قافلہ وہیں ٹھہر گیا۔ دنانیر نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلایا اور کہا۔

"تم اتنے دن سے کہاں غائب تھے؟ کتنے کتنے تمہاری تلاش میں آدمی

دوڑائے مگر تمہارا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ بے چارہ سلمان بھی تلاش کرتے کرتے عاجز آ گیا۔

بہزاد۔
اچھا یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتایئے میمونہ امین کے محل میں کس طرح پہونچ گئی؟

دنانیر نے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ سنا دیئے۔ پھر کہا۔
محل میں وہ ہر طرح آرام سے ہے۔ اسے کسی طرح کا خطرہ نہیں امین نے اپنی بھتیجی زبیدہ سے وعدہ کیا ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہونچیگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہارا خادم سلمان اس کی سلامتی اور حفاظت کے لیئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہے۔

بہزاد۔
لیکن کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ سلمان کس حالت میں ہے؟

دنانیر۔
میں نہیں جانتی اس کے انداز و اطوار سمجھ میں نہیں آتے۔ غائب ہوتا ہے تو اس طرح کہ مہینوں پتہ نہیں چلتا۔ اور اندیشہ ہونے لگتا ہے کہیں کسی حادثہ کا شکار نہ ہوگیا ہو۔ لیکن عین مایوسی کے عالم میں یکایک پھر نمودار ہو جاتا ہے۔

بہزاد۔
ہاں وہ اسی طرح کا آدمی ہے۔ یہ بتایئے بغداد سے روانہ ہوتے وقت آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟

دنانیر۔
ٹھیک اس دن اور اس وقت جب ہم روانہ ہو رہے تھے وہ آیا اور

اس نے مجھ سے کہا کہ میمونہ کی طرف سے آپ کو بالکل اطمینان دلا دوں۔

بہزاد۔

میرا خیال ہے کہ مجھے جلد از جلد بغداد پہونچنا چاہئے۔

دنانیر۔

تم بھی عجیب آدمی ہو۔ جب ہم وہاں تھے تو تمہاری یہاں ضرورت تھی۔ اب یہاں آئے تو وہاں جا رہے ہو؟

بہزاد۔

کیا راستہ میں امین کا لشکر آپ نے دیکھا تھا؟

دنانیر۔

ہاں دیکھا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہمارا اور اس کا راستہ ایک ہو گیا۔

بہزاد۔

کیا آپ بتا سکتی ہیں اب وہ کہاں ہوگا؟

دنانیر۔

یہاں تقریباً تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر ہوگا۔

بہزاد۔

کیا اس کا سپہ سالار واقعی علی بن عیسٰی ہے؟

دنانیر۔

ہاں، اور میرا خیال ہے کہ طاہر بن حسین اس سے سر بر نہیں ہو سکیگا۔

بہزاد۔

اس خیال کی بنیاد کیا ہے؟

دنانیر۔

علی بن عیسٰی کا لشکر پچاس ہزار سے زیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہے اور طاہر بن حسین کی فوج جہاں تک مجھے معلوم ہے چار ہزار سے زیادہ نہیں بھلا پچاس ہزار اور چار ہزار کا مقابلہ بھی ہے کچھ؟

بہزاد۔

واقعی عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ سیاسی اور جنگی معالات میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاؤ؟

دنانیر۔

تو کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟

بہزاد۔

بالکل غلط ۔۔۔ خدا کی بندی کامیابی اور ناکامی کا انحصار تعداد کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہوتا۔ صرف نیت جذبہ اور خلوص پر ہوتا ہے۔ اگر تعداد ہی فیصلہ کن چیز ہوتی تو شروع سے اس وقت تک مسلمان کسی جنگ میں بھی اپنے دشمنوں پر غالب نہیں آتے۔ کیونکہ حریف مقابل کے مقابلے میں اس کی تعداد ہمیشہ کم ہی رہی ہے۔

دنانیر۔

اچھا بھئی جو تم کہتے ہو وہی سچ ہے لیکن یہ تو مانو گے کہ طاہر نے شہر سے نکل کر غلطی کی۔ کیا اس کا لشکر علی بن عیسٰی سے مقابلہ کے لئے روانہ نہیں ہو چکا ہے میں نے خود دیکھا ہے تم مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔

بہزاد۔

مجھے جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ طاہر کا مقصد دشمن کی سرکوبی ہے۔ اور وہ میدان جنگ ہی میں کی جا سکتی ہے۔

دنانیر۔
لیکن اگر شہر بند ہو کر لڑتا تو شکست کی صورت میں پناہ تو مل جاتی۔
بہزاد۔
تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اپنے سپاہیوں کے ساتھ میدان میں آکر اس نے دشمن پر یہ اثر ڈالنا چاہا ہے کہ یہ فوج کا پہلا دستہ ہے۔ پیچھے سے کمک پر کمک آنے کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔
دنانیر۔
ہاں اس نقطۂ نظر سے تمہاری یہ رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔
بہزاد۔
غالباً تم مرد جا رہی ہو؟
دنانیر۔
ہاں ہمیں وہیں جانا ہے۔ اور تم کہاں جا رہے ہو۔ کیا بغداد؟
بہزاد۔
اس وقت تو میں "رے" جا رہا ہوں۔ وہاں سے بغداد جاؤں گا۔
شہزادی زینب کہاں ہے؟
دنانیر۔
وہ اپنے ہودج میں تشریف فرما ہیں۔ اگر ان سے ملنا چاہو تو چلو ان سے ملا دوں۔ یقیناً وہ تم سے مل کر خوش ہوں گی۔
بہزاد۔
انشاء اللہ پھر اطمینان اور یکسوئی کے عالم میں ملوں گا۔ اس وقت بہت جلدی ہے مجھے جلد از جلد "رے" پہونچنا ہے۔ میرا سلام کہہ دینا۔

دنانیر خاموش ہوگئی۔ بہزاد اس سے رخصت ہوکر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا ایڑ لگائی اور ہوا سے باتیں کرتا ہوا "رے" کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت بڑی تیزی کے ساتھ اس کے ذہن و دماغ پر یہ خیال چھایا ہوا تھا کہ جلد از جلد طاہر بن حسین کے ساتھ مل کر علی بن عیسٰی کا مقابلہ کرے اور اسے شکست دیکر بغداد پہونچے اور میمونہ کو امین کے پنجۂ ظلم سے رہائی دلائے۔

---

(۶۰)

نیزے پر لٹکا ہوا سر!

بہزاد کو چلتے ہوئے کچھ مدت گذری تھی کہ تھوڑی دور پرا سے گرد و غبار کا ایک طوفان دکھائی دیا۔ اور طبل بجنے کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ سامنے ایک ٹیلہ تھا۔ بہزاد اس پر چڑھا۔ وہاں پہونچ کر اس نے دیکھا کہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہیں۔ دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ ایک لشکر طاہر بن حسین کا تھا۔ جس کی تعداد بہت کم تھی۔ دوسرا لشکر علی بن عیسٰی کا تھا۔ جس کی تعداد حدِ شمار سے خارج تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھ رہے تھے۔ ذرا دیر میں دونوں لشکر آپس میں گتھ گئے۔ علی بن عیسٰی کا لشکر طاہر بن حسین کے لشکر پر غالب آنے لگا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ذرا دیر میں طاہر اور اس کے سپاہی قتل ہو جائیں گے۔ یکایک اس نے دیکھا کہ طاہر آگے بڑھا اور علی بن عیسٰی کے سامنے جا کر ایک کاغذ دکھاتے ہوئے اس نے کہا۔

کہ یہ وہ عہد نامہ نہیں ہے جس میں مامون کی ولی عہدی تسلیم کی گئی ہے۔

اور جس پر تمہارے دستخط ہیں۔ اس عہد نامہ کو توڑتے ہوئے کہا تمہیں شرم نہیں آتی؟"

علی بن عیسٰی نے کہا۔

"غدار" "عہد شکن" اور "بدعہد تم ہو!"

پھر اس نے اپنے آس پاس کے سواروں کو دیکھ کر کہا۔

"تم لوگ کھڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ امیرالمومنین امین کے اس دشمن کو گرفتار کر لو!"

اب جنگِ مغلوبہ شروع ہو گئی کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ طاہر کے چار ہزار آدمیوں کو علی بن عیسٰی کے پچاس ہزار آدمیوں نے تلوار کی نوک پر رکھ لیا تھا۔ جو سامنے آتا تھا۔ اس کے جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو جاتا تھا۔ علی بن عیسٰی کی فوج کھیرے ککڑی کی طرح طاہر کے آدمیوں کو کاٹ رہی تھی۔ بہزاد نے محسوس کیا۔ اب بہت جلد طاہر کا لشکر قتل ہو جائے گا۔ اور پھر علی بن عیسٰی اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھے گا۔ اور مامون کو گرفتار کرے گا۔ اس طرح وہ ساری اسکیم جو مامون کی خلافت سے متعلق تیار کی گئی ہے خاک میں مل جائیگی

یہ سوچتے ہی بہزاد پر ایک جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے گھوڑے پر ہوا اور طاہر کے لشکر میں پہونچ کر بھاگتے ہوئے۔ سپاہیوں کو جنگ و پیکار کی ترغیب دینے لگا۔ وہ اپنے پر جوش لہجہ میں سپاہیوں کو للکار رہا تھا کہ ذرا دیر کے لئے بھاگتے ہوئے اور ہارتے ہوئے سپاہیوں میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ اور وہ انجام سے بے پرواہ ہو کر پھر لڑنے لگتے تھے۔ لیکن یہ ترکیب بھی کچھ زیادہ کامیاب نہ رہی۔ اس لئے کہ یہ مٹھی بھر سپاہی مورملخ سے لشکر کے ساتھ کب تک اور کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے۔ اب

بہزاد نے دیکھا کہ طاہر کی فوج پسپا ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر اس نے وہی ابو مسلم خراسانی والا خنجر ہاتھ میں لیا اور مجنونانہ طور پر میدان جنگ میں کود پڑا۔ وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ کبھی داہنے کبھی بائیں کبھی آگے کبھی پیچھے پہونچتا تھا۔ اور جو سامنے آجاتا تھا اس کے سینے میں خنجر پیوست کر دیتا تھا۔ تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں میں وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔ اور بڑھتے بڑھتے علی بن عیسٰی کے سامنے پہونچ گیا۔ وہ اپنے لشکر کے وسط میں ایک شاندار گھوڑے پر بیٹھا جنگ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ بہزاد اس کے سامنے پہونچا اور اس نے کہا۔

"ہوشیار! موت تیرے سر پر آپہونچی!"

علی بن عیسٰی یہ آواز سن کر چونکا اس نے بہزاد کو پہچاننے کی کوشش کی۔ لیکن دماغ نے کام نہ دیا۔ نیام سے تلوار کھینچی اور بہزاد پر بھرپور وار کیا۔ بہزاد نے پھرتی سے اپنے آپ کو بچایا۔ تلوار کا اوچھا سا زخم شانے پر آیا پھر بڑی تیزی سے وہ آگے بڑھا اور اپنا خنجر علی بن عیسٰی کے سینہ میں پیوست کر دیا۔ وہ نیم جاں ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور فوراً ختم ہو گیا۔

سپہ سالار فوج کے قتل ہونے کے بعد فوج خواہ کتنی ہی بڑی ہو ہمت چھوڑ دیتی ہے۔ علی بن عیسٰی کے قتل کے بعد یہی کیفیت ہوئی دفعتاً پانسہ پلٹ گیا جو لشکر ہار رہا تھا۔ وہ جیتنے لگا۔ اور جو لشکر جیت رہا تھا اس کے سپاہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔

بہزاد اپنے گھوڑے سے اترا علی بن عیسٰی کی گردن کاٹی اسے نیزے پر اٹھایا اور طاہر بن حسین کی طرف بڑھا۔ امین کے لشکر والوں نے نیزہ پر علی بن عیسٰی کا سر آویزاں دیکھتے ہی بھاگنا شروع کر دیا۔ طاہر کے سپاہیوں نے ان کا

تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جنہیں قتل ہونا تھا وہ قتل ہوے۔ باقی ماندہ لوگوں نے ہتھیار ڈال دئے اور امان حاصل کرلی۔

بہزاد علی بن عیسیٰ کا سر نیزہ پر لٹکائے طاہر بن حسین کے خیمہ میں پہونچا اور اس کے سامنے وہ سر ڈال دیا۔ طاہر نے اُٹھ کر بہزاد کو گلے لگایا۔ اس کی پیشانی چومی اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ ایک خط کے ساتھ علی بن عیسیٰ کا سر مامون کے پاس خراسان بھیج دیا۔ اس فتح پر خراسان میں بڑی خوشی منائی گئی اور مامون کی پوزیشن پہلے سے بہت زیادہ مستحکم ہوگئی ——

---

(۶۱)

ملزِم کی پیشی

بغداد میں امین کا محل ویسے ہی رنگ رلیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ نہ فکرِ فردا نہ غمِ امروز، ہر شخص اپنے حال میں مگن، اپنے خیال مست، البتہ اس سارے محل میں ایک میمونہ ایسی تھی جو سب سے الگ تھلگ بے بسی اور بیکسی کے عالم میں زندگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ وہ سلمان سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں چل رہا تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا وہ زندہ ہے یا مر گیا یا بہزاد کے ساتھ خراسان چلا گیا! اپنی دادی عبادہ سے ملنے کے لئے بھی وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ عبادہ کی جدائی نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ لیکن کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس عالم میں ہے۔ اور اس پر کیا گذر رہی ہے؟ وہ بظاہر بیمار بنی کمرہ میں دن رات تنہا پڑی رہتی تھی۔ کبھی موقع ہوا تو بہزاد کا نامۂ محبت نکالا اور اسے پڑھنے لگی۔ کچھ دل کا بوجھ ہلکا ہوا اور پھر اسی کے تصور میں کھو گئی۔ محل کی کنیزیں اور خواصیں اس سے ہمدردی اور نرمی کا برتاؤ کرتی تھیں۔ لیکن وہ

سب سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ اس نے کسی کو اپنا ہمدم و دمساز نہیں بنایا تھا ہاں محل کی قہرمانہ فریدہ سے ضرور کسی حد تک مانوس ہو گئی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فریدہ اور دنانیر کے آپس میں بڑے گہرے اور پرانے تعلقات تھے اور دنانیر نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس سے التجا کی تھی کہ میمونہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور کسی طرح اسے پریشان نہ ہونے دے آخر جب پریشانی حد سے گذر گئی تو ایک روز فریدہ کے ذریعہ اس نے دنانیر کو ایک خط لکھا اور اسے خدا کا واسطہ دیا کہ جس طرح بھی ہو عبادہ کو میرے پاس بھیج دو۔ یہ خط پڑھ کر دنانیر تڑپ گئی۔ اسے میمونہ پر بہت ترس آیا۔ اس نے عبادہ کو مشورہ دیا کہ وہ بھیس بدل کر دیوانِ خلافت میں جائے اور چند روز میمونہ کے پاس قیام کرے۔ لیکن عبادہ نے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ اگر کہیں میں پہچان لی گئی تو مجھ پر جو قیامت گذرے گی وہ تو گذرے ہی گی۔ میمونہ اور زیادہ حدفِ ستم بنائی جائے گی۔ لیکن دنانیر نے اطمینان دلایا کہ فریدہ میری دوست ہے مثلاً ان کی حیثیت سے آپ کو اس کے پاس رکھے گی۔ یہ بات عبادہ کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ اس نے لباس تبدیل کیا اور محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ فریدہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور میمونہ کے پاس پہونچا دیا۔ میمونہ نے اسے دیکھا تو پھول کی طرح کھل گئی۔ اسے اتنی خوشی ہوئی کہ وہ اپنی قید کا غم بھول گئی۔

سلمان اگرچہ اس عرصہ میں عبادہ اور میمونہ سے نہیں ملا تھا۔ لیکن اپنا کام برابر کئے جا رہا تھا۔ وہ برابر امین کو مامون کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ اور اسے ترغیب دیتا رہا کہ وہ مامون کی ولی عہدی منسوخ کر دے۔ یہ بات چونکہ فضل بن ربیع کے لئے بھی بے انتہا مفید تھی۔ اس لئے وہ بھی برابر سلمان کی تائید کرتا رہتا تھا۔ البتہ امین ایک تذبذب کے عالم میں گرفتار تھا کچھ تو

اُسے یہ خیال تھا کہ مامون بہرحال اس کا بھائی ہے۔ اور بھائی پر ظلم نہ کرنا چاہیئے۔ کچھ یہ سوچتا تھا کہ عہد شکنی ایک غیر شریفانہ فعل ہے۔ اس سے گریز ہونا چاہیئے۔ لیکن جب سلمان یعنی علامۂ سعدون اور فضل بن ربیع کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا تو اس نے مناسب سمجھا کہ اس معاملہ میں اپنی ماں زبیدہ سے مشورہ لے اور جو اس کی رائے ہو اس پر عمل کرے۔ کیونکہ زبیدہ کی رقابت رائے کا وہ بہت زیادہ قائل تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ زبیدہ اپنے محل دار القراء میں مقیم تھی۔ اور امین کو اپنے مشاغل سے اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ وہاں تک جا سکے۔ ایک روز وہ محل کے باغ میں حوض کے کنارے بیٹھا مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ مصاحبوں اور ندیموں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ جو لطائف و ظرائف اور شعر و شاعری سے اس کا دل بہلا رہی تھی۔ اتنے میں ایک غلام آیا اور اس نے عرض کیا۔

امیر المومنین کی والدہ محترمہ ملکہ زبیدہ کی سواری آ رہی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

یہ سن کر امین بہت خوش ہوا کیونکہ دار القراء جانے کی زحمت سے بچ گیا۔ اور زبیدہ خود اس کے پاس آ گئی ہے۔ امین نے ماں کے خیر مقدم کے لئے فوراً غلاموں اور کنیزوں کو ایک صف میں کھڑے ہو جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اندرونی دروازے سے لے کر بیرونی دروازہ تک غلاموں اور کنیزوں کی صف دست بستہ کھڑی ہو گئی۔ زبیدہ کا ہودج جب محل کے اندر پہونچ گیا تو کنیزوں اور خواجہ سراؤں کے علاوہ جتنے مصاحب اور حکام و عمال بیٹھے تھے۔ سب الگ دوسری طرف چلے گئے۔ .... امین نے آگے بڑھ کر ماں کے ہاتھ چومے زبیدہ نے بیٹے کا سر سینہ سے لگایا اور وقار و تمکنت کے ساتھ بارہ دری کی طرف امین کو لے کر روانہ ہو گئی۔ امین زبیدہ کے ساتھ بارہ دری

کے ہاں میں پہونچا کیوں کہ وہ ایسا محسوس کر رہا تھا کہ زبیدہ اس سے کسی اہم معاملہ میں گفتگو کرنا چاہتی ہے۔

امین نے ماں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا

"یہ کتنا مبارک وقت ہے کہ آپ یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں کئی دن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا تھا!"

زبیدہ۔

لیکن اتنے عدیم الفرصت تھے کہ ماں کے پاس آنے کا وقت نہ نکال سکے کیوں بیٹے یہی بات ہے نا؟

امین۔

(شرمندہ ہو کر) نہیں یہ بات تو نہیں ہے لیکن ——

زبیدہ۔

خیر —— میں خود ہی ایک ضروری کام سے اس وقت یہاں آئی ہوں۔

امین۔

ارشاد میں آپ کا غلام ہوں۔ جو حکم ہوگا بدل و جان بجالاؤں گا۔

زبیدہ۔

کیا وہ منحوس اب تک تمہارے محل میں موجود ہے؟

امین۔

میں نہیں سمجھا آپ کس کے بارے میں دریافت کر رہی ہیں؟

زبیدہ۔

میں اپنے تمہارے اور خاندانِ بنو عباس کے دشمن جعفر برمکی کی لڑکی میمونہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہوں کیا تم اسے بھول گئے کہ

جعفر تمہیں خلافت سے محروم رکھنا چاہتا تھا، اور وہ جعفر ہی تھا جس نے تمہارے باپ رشید کو اس لونڈی بچے مامون کی بیعت لینے پر راغب کیا؟

امین۔

اچھا تو آپ میمونہ کے بارے میں دریافت کر رہی ؟

زبیدہ۔

ہاں اسی منحوس چھوکری کے بارے میں۔

امین۔

وہ تو محل میں موجود ہے۔

زبیدہ۔

اتنے خوفناک اور خطرناک دشمن کو محل میں کیوں رکھ چھوڑا ہے کیا ایک زہریلی ناگن کو دودھ پلاتے ہوئے کچھ لطف محسوس کرتے ہو؟

امین۔

نہیں یہ بات تو نہیں ہے ــــ

زبیدہ

پھر کیا بات ہے؟ اگر کوئی بات ہے تو کہو، بتاؤ۔

امین۔

وہ تو ایک یتیم اور مسکین لڑکی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زینب جسے میں بہت چاہتا ہوں اس کی سفارش کی ہے۔ اسی لئے میں نے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کی اور کسی قسم کی سختی بھی روا نہیں رکھی۔

زبیدہ۔

یا تو میری عقل پہ پردے پڑ گئے ہیں، یا تم عقل کے پیچھے ڈنڈا لئے گھوم رہے ہو۔

امین۔
آخر مجھ سے کونسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جس پر آپ اتنی برہم ہیں؟

زبیدہ۔
کیا یہ بے وقوفی کی انتہا نہیں ہے کہ تو اس لڑکی کو مسکین اور یتیم سمجھ رہا ہے۔ جو تیرے بدترین دشمن کی بیٹی ہے۔ تو اس بھتیجی کی سفارش قبول کر رہا ہے جو تیرے اس بھائی کی لڑکی ہے۔ جو تیرے خون کا پیاسا ہے۔ کیا وہ مامون ہی نہیں ہے۔ جو تجھے تختِ خلافت سے اتارنے کے لئے سرگرمِ عمل ہے۔ کیا اس نے خراسانیوں کو اپنا ہمنوا بناکر تیرے لئے مخالفانہ فضا نہیں پیدا کر دی کیا اگر اسے موقع ملے تو وہ تجھے حکومت بلکہ زندگی تک سے محروم نہیں کر دیگا؟

امین۔
بیشک آپ کا خیال بہت صحیح ہے۔

زبیدہ۔
اگر یہ بھی غور کر کہ مامون کے دل میں تیری مخالفت کا بیج بونے والا کون ہے۔ کیا وہ جعفر بن یحیٰی کے سوا کوئی اور شخص ہے؟

امین۔
بیشک یہ حرکت جعفر ہی کی ہے۔

زبیدہ۔
تیرا باپ رشید بڑا دور اندیش اور مردم شناس آدمی تھا اس نے جعفر کو سمجھ لیا تھا اسی لئے اس کا خاتمہ کرنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہیں کیا۔

امین۔
بیشک بیشک۔

زبیدہ۔

اگر رشید نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آج اس اطمینان سے مسندِ خلافت پر تمکن نہ ہوتا۔

امین۔

آپ کا یہ خیال بھی بالکل درست ہے۔

زبیدہ۔

مامون میں ہاشمی خون اتنا نہیں ہے جتنا ایرانی خون ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے ہمارے خلاف ایرانیوں کی طرف دستِ طلب بڑھایا ہے۔ اور ایرانی دِل وجان سے اس کی مدد کر رہے ہیں۔

زبیدہ یہ باتیں کر رہی تھی۔ اور غیظ وغضب کے آثار اس کے چہرہ سے ہویدا تھے۔ رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ امین نے اس کی یہ کیفیت محسوس کی اور سہم گیا۔ پھر اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

کیا والدِ محترم نے مسلمانوں سے میرے اور مامون کے لئے بیعت نہیں لی تھی؟ اور جو عہد نامہ میرے اور مامون کے بارے میں طے پایا تھا کیا وہ دیوارِ کعبہ پر آویزاں نہیں کیا گیا تھا؟

زبیدہ۔

ہاں یہ سب کچھ ہوا تھا۔

امین۔

پھر میں عہد شکنی کس طرح کر سکتا ہوں؟

زبیدہ۔ (زبیدہ برہمی کے عالم میں)۔

تم بالکل احمق کو ـــ بھلا اس عہد نامہ کا پاس کیا جا سکتا ہے۔ جو ایک دغاباز وزیر کے اغوا سے لکھا گیا ہو؟ جس کا مقصد یہ ہو کہ خلافت بنی ہاشم کے ہاتھ سے نکل جائے؟ میں دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا خلافت کے منصب پر وہ لوگ بھی فائز ہو سکتے ہیں جو کسی لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ نجیب الطرفین ہاشمی موجود ہوں؟ کیا زبیدہ کا بیٹا اور مراجل لونڈی کا بیٹا ایک ہی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کیا تو جانتا ہے کہ یہ مراجل کون تھی۔ جس کا بیٹا مامون آج تیرا حریف بنا ہوا ہے؟

امین۔

میں نہیں جانتا۔

زبیدہ۔

مراجل میری ایک لونڈی تھی۔ اور اس لونڈی کو میں نے ہدیہ کے طور پر تمہارے باپ رشید کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ مامون اسی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ چونکہ مراجل ایرانی تھی۔ اس لئے جعفر نے اس کے بچہ کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ اس نے مامون کو گود لے لیا۔ اسے پالا پوسا پروان چڑھایا اور ایرانیوں کی محبت اس کے دل میں بھر دی۔ عربوں کے خلاف اس کے دل میں آگ بھڑکا دی نفرت پیدا کر دی۔

امین۔

یہ واقعات تو میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھے۔

زبیدہ۔

اب تم ہی بتاؤ کہ جعفر جیسے شخص نے مامون جیسے شخص کے لئے رشید کو

دھوکا دے کر جو عہد نامہ لکھوایا ہوا ور چالاکی و مکاری سے کام لے کر جسے دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اس پر عمل کیا جائے؟

امین۔

نہیں ــــ پھر آپ کی کیا رائے ہے کیا کیا جائے؟

زبیدہ۔

اس عہد نامہ کو مکّہ سے منگوا لو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اس کی کوئی وقعت نہیں اس لئے کہ وہ فریب اور دغابازی سے لکھا گیا تھا۔

امین۔

کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی عبداللہ (مامون) کی ولی عہدی منسوخ کر دوں؟

زبیدہ۔

مجھ سے پوچھے بغیر تمہیں ایسا کر چکنا چاہیئے تھا اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو فوراً اعلان جاری کر دو۔ یاد رکھو اگر تم نے اسے حکومت کے حق سے محروم کرنے کا اقدام نہ کیا تو موقع پاتے ہی وہ تمہیں محروم کر دے گا۔ سیاست اور حکومت کی دنیا میں تردد اور تامل بہت بڑی کمزوری ہے۔ جیت اسی کی ہوتی ہے جو پہل کرے۔

امین۔

میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا آپ کے فرمانے کے بعد تو اس رائے پر عمل کرنا فرض ہو گیا۔ عجیب اتفاق ہے۔ میرے وزیر فضل بن ربیع کی بھی یہی رائے ہے۔

زبیدہ۔

وہ دانشمند اور وفادار آدمی ہے۔

امین۔

بجا ارشاد ہوا ــــ اچھا یہ بتلایئے۔ مامون کو ولی عہدی سے خارج کرنے کے بعد کسے ولی عہد بنایا جائے؟

زبیدہ۔

اپنے بیٹے موسٰی کو ولی عہد بنا دو۔ اسی کے لئے سب سے بیعت لے لو۔ وہ اگرچہ ابھی بچہ ہے۔ لیکن بہرحال ہاشمی ہے اور اس شخص سے زیادہ ولیعہدی اور خلافت کا مستحق کوئی نہیں۔ جس کے ماں اور باپ دونوں ہاشمی ہوں۔

امین۔

بہت بہتر جو آپ نے فرمایا ہے یہی ہوگا۔

زبیدہ۔

اب میں میمونہ کا فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔

امین۔

بتایئے آپ کیا چاہتی ہیں؟

زبیدہ۔

میری رائے یہ ہے کہ اسے فوراً قتل کر دو۔

امین۔

(حیران ہو کر) اسے قتل کر دوں؟ بے خطا، بے قصور؟

زبیدہ۔

ہاں فوراً، بلا تامل!

امین۔

لیکن اس کی خطا؟ اس کا جرم؟ ایک ایسی ناچیز ہستی سے مجھے کیا اندیشہ

ہو سکتا ہے۔ آخر اس خونِ ناحق کی کیا ضرورت ہے؟

زبیدہ۔

تم حالات سے بالکل ناواقف ہو تم نہیں جانتے تمہارے پس و پیش کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں۔ لہو و لعب نے تمہیں ہر چیز سے بے خبر بنا رکھا ہے میری آنکھیں تمہاری طرح بند نہیں ہیں۔ کھلی ہیں میں دیکھ رہی ہوں۔ تمہارے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے محل میں کیا ہو رہا ہے۔ اور تمہاری خوابگاہ میں کیا ہو رہا ہے؟

امین۔

کیا ہو رہا ہے بتائیے۔ میں تو نہیں جانتا۔

زبیدہ۔

میں اس وقت زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتی صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ میمونہ کا تمہارے محل میں موجود رہنا مامون کی ولی عہدی سے زیادہ خطرناک ہے۔

امین کو زبیدہ کی ان باتوں سے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

میں اسے ابھی قتل کر سکتا ہوں۔ یہ بہت معمولی بات ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خیال جو کچھ آتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں نے زینب کو اطمینان دلایا تھا کہ میمونہ بالکل محفوظ ہے۔ اسے کوئی خطرہ نہیں۔ جب وہ اس کے قتل کی خبر سنے گی تو اسے کتنا صدمہ ہوگا؟

زبیدہ۔

(غضبناک ہو کر) تمہاری سادہ لوحی نہ جانے کیا غضب ڈھائے گی۔ تم بادشاہ ہو لیکن حکمرانی کے اصول سے ناواقف ہو۔ تم شہنشاہ وقت ہو لیکن

نہیں جانتے کہ حکومت قائم رکھنے کے لئے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ تم میں اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو خود محسوس کر لیتے کہ اس لڑکی میمونہ کا زینب کے ساتھ رہنا اور زیادہ خطرناک ہے۔

امین۔

وہی تو معلوم کرنا چاہتا ہوں کیوں ؟

زبیدہ۔

اچھا تو سنو یہ بنو عباس کے سب سے بڑے دشمن، داعی انقلاب اور فتنہ انگیز شخص بہزاد کی منگیتر ہے۔

امین۔

(اچھل کر) میمونہ بہزاد کی منگیتر ہے۔

زبیدہ۔

ہاں ـــ تم نہیں جانتے لیکن میں جانتی ہوں کہ اگر میمونہ تمہارے محل میں قید ہے۔ پھر بھی اس کے بہزاد کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے وہ بہزاد جو جعفر برمکی اور ابو مسلم خراسانی کا انتقال لینے کے لئے میدان میں اترا ہے، جو بنو عباس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ جو چاہتا ہے کہ امین کی گردن کاٹ ڈالے اور اس کا تخت خلافت اپنے دوش پر رکھ کر مامون کے لئے لے جا کر بچھا دے ـــ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا ؟

امین۔

کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی بات کا یقین نہ کروں، لیکن حیرت ضرور ہے۔

زبیدہ

اچھا تو وہ حیرت میں دور کئے دیتی ہوں۔ لو یہ خط پڑھو۔

یہ کہہ کر زبیدہ نے بہزاد کا وہ خط جو اس نے میمونہ کو لکھا تھا اور جو اس کے پاس سے کسی طرح گم ہو گیا تھا۔ امین کے سامنے ڈال دیا۔ امین نے جلدی سے خط اٹھایا۔ اور بڑی توجہ سے پڑھنے لگا۔ جب آخری سطروں پر پہونچا تو اس کے چہرہ پر غصہ کے آثار طاری ہوئے۔ اور اس نے تقریباً کانپتے ہوئے زبیدہ سے کہا۔

افسوس! ـــــ بیشک آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا ایک ایک حرف صحیح ہے۔

زبیدہ۔

کیا اب بھی تم میمونہ کو زندہ رہنے دو گے؟

امین۔

ہرگز نہیں میں ابھی اپنے غلاموں کو حکم دیتا ہوں کہ دریائے دجلہ میں جا کر ڈبو دیں کمبخت کو!

زبیدہ۔

میں چاہتی ہوں ذرا اس سے دو چار باتیں کروں پھر اسے غرق دریا کرو۔

امین۔

کیا ضرورت ہے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ اسے فوراً ختم کر دینا چاہیئے۔ جب جرم ثابت ہو چکا تو کسی طرح کی بات چیت لا حاصل ہے۔

زبیدہ۔

نہیں میرے بیٹے وہی کرنا جو تم نے فیصلہ کیا ہے۔ لیکن کسی فیصلہ پر جلد بازی کے ساتھ عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ جس شخص کی ہم جان لے رہے ہیں ضروری ہے کہ اسے ٹٹولیں اور اگر اس سے کچھ اور حالات اور معلومات حاصل ہو سکیں تو معلوم کر لیں اس کے بعد چاہے تلوار سے گردن کاٹ لو چاہے دریا میں غرق کر دو۔

امین۔

بہت بہتر میں اسے بلاتا ہوں۔

زبیدہ۔

ہاں بلاؤ، لیکن ذرا جلدی۔

امین نے تالی بجائی۔ فوراً ایک غلام حاضر ہوا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

امین نے اسے حکم دیا۔

جاؤ، میمونہ کو بلا لاؤ۔

میمونہ اور عبادہ کو زبیدہ کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور یہ دونوں بید لرزاں کی طرح کانپ رہی تھیں۔ انھیں اندیشہ تھا کہ زبیدہ کا آنا خالی از علت نہیں۔ عبادہ دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ زبیدہ خیر و عافیت کے ساتھ یہاں سے چلی جائے اور میمونہ کسی مصیبت کا نشانہ نہ بنے۔ لیکن جب غلام میمونہ کو بلانے کے لئے آیا تو وہ سمجھ گئی کہ زبیدہ کی آمد کا تعلق صرف میمونہ کے سلسلہ میں ہے۔ بہرحال وہ کیا کرسکتی۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اور میمونہ غلام کے ساتھ بارہ دری کی طرف امین اور زبیدہ کی خدمت میں روانہ ہوگئی۔

وہ سر جھکائے شرم و حیا کا پیکر بن خوف و اضطراب کے عالم میں اندر داخل ہوئی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ بدن کانپ رہا تھا۔ اس نے دیکھا زبیدہ گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے مسند پر بیٹھی ہے۔ اور امین اس کے سامنے اس طرح دم بخود حاضر ہے۔ جیسے کسی زبردست آقا کے سامنے ایک معمولی غلام — امین نے میمونہ سے کہا۔

تم آگے آؤ بالکل سامنے!

میمونہ آگے بڑھی اور امین کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ امین نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ کس خط کا ہے — دیکھ کر بتاؤ؟

میمونہ نے فوراً پہچان لیا یہ بہزاد کا خط تھا جو اس کے نام آیا تھا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ خط لیا اسے دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور وہ امین کے قدموں پر گر پڑی وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن جوش گریہ نے زبان بند کر رکھی تھی۔ زبیدہ نے گرجتے ہوئے کہا۔

"کمبخت تو یہ آنسو کیوں بہا رہی ہے یہ آنسو تجھے نجات نہیں دلا سکتے۔ بتا یہ بہزاد کون ہے کیا یہ تیرا عاشق نہیں ہے۔ جو بنو عباس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عہد کر چکا ہے —!"

لیکن جب یک بیک زبیدہ کو خیال آیا کہ شاید سختی کرنے سے بات اور پیچیدہ ہو جائے۔ لیکن نرمی کا برتاؤ کیا جائے تو ہو سکتا ہے یہ چھوکری اپنا راز اگل دے۔ چنانچہ اس نے اپنے لب و لہجہ میں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر تو سچ بولے گی تو تیری جان بچ جائے گی۔ تجھے کسی طرح کا نقصان نہیں پہونچے گا۔"

میمونہ۔

"آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟"

زبیدہ۔

بہزاد کہاں ہے؟ اور تو اس کے بارے میں کیا کیا جانتی ہے؟ اگر تو نے سچ سچ بتا دیا تو تجھے ہم رہا کر دیں گے۔ انعام و اکرام دیں گے اور اگر جھوٹ بولی

تو جلاد کی تلوار تیری گردن اڑا دے گی۔

میمونہ۔

آپ میری بات کا اعتبار کیجئے۔ میں ہرگز غلط نہیں کہوں گی۔

زبیدہ۔

لیکن کچھ کہو بھی تو سہی۔

میمونہ۔

میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی جو اس خط میں لکھا ہے۔ اور اس خط سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ میرا بہزاد سے پہلے کا میل جول نہیں ہے۔

زبیدہ۔

یہ تو سچ کہہ رہی ہے؟ یہی تیرا سچ ہے؟

میمونہ۔

میں امیرالمومنین کے سر کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔

امین۔

دیکھو میمونہ اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو ہم ابھی رئیس المنجمین کو بلاتے ہیں۔ وہ دل کے راز جانتا ہے سب کچھ کھول کر رکھ دے گا۔ پھر اگر تم جھوٹی ثابت ہوئیں تو خیریت نہیں۔

میمونہ۔

جسے چاہیں بلائیے۔ میں نے نہ غلط بیانی کی ہے نہ کروں گی۔

وے بخیر گزشت!

امین نے دستک دی ایک غلام حاضر ہوا۔ امین نے اس سے کہا۔
رئیس المنجمین کو فوراً بلا لاؤ۔

ذرا دیر میں علامہ سعدون رئیس المنجمین بنے ہوئے اس دھج اور اس شان کے ساتھ تشریف لائے کہ میمونہ ذرا بھی نہ پہچان سکی کہ سلمان اور سعدون ایک شخصیت کے دو نام ہیں۔

امین نے سعدون سے کہا۔

دیکھو یہ لڑکی میرے سامنے کھڑی ہے اس کے بارے میں ہم تشویش میں مبتلا ہیں۔ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں یہ نہیں بتاتی جو کچھ یہ بتاتی ہے اس پر ہمیں اعتبار نہیں آتا۔ تم یہ مشکل حل کرو۔

علامہ سعدون۔

غلام کو آپ جو کچھ حکم دیں گے وہ اس کی تعمیل کرے گا۔ جو کچھ آپ پوچھیں گے اپنے علم کی رُو سے سچ سچ عرض کرے گا۔

امین۔

تو بتاؤ یہ کون لڑکی ہے؟

سعدون نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی اس کے ورق الٹنے پلٹنے لگا کبھی میمونہ کو دیکھنے لگتا کبھی کتاب پر نظر جما دیتا۔ اور بچاری میمونہ ایک مجرم کی طرح دم بخود کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سعدون نے کچھ پڑھنا شروع کیا جو کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر سعدون نے کہا۔

یہ لڑکی ایک بہت اونچے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

زبیدہ مسکرائی اس کے اس تبسّم میں طنز نمایاں تھا وہ کہنے لگی۔

یہ تو تم نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔ آخر قیافہ شناسی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ یہ تو ہر شخص بتا سکتا تھا۔

علامہ سعدون۔

ملکۂ عالم میں آپ کا غلام ہوں آپ مجھے جتنا چاہیئے ذلیل کر لیجئے۔ لیکن میرے علم کی توہین نہ کیجئے۔ آپ لوگ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں اب میں اس کا بہت واضح جواب عرض کرتا ہوں۔

زبیدہ۔

ہمیں بڑا اشتیاق ہے دیکھیں تم کیا کہتے ہو اور وہ واقعہ سے کہاں تک مطابق ہوتا ہے؟

علامہ سعدون۔

تو سنیئے اس لڑکی کا نام میمونہ ہے۔ یہ آپ کے اور خاندان بنو عباس کے دشمن جعفر برمکی کی لڑکی ہے۔۔۔۔ بس یا کچھ اور بھی معلوم کرنا ہے آپ کو؟

سعدون کی یہ باتیں سن کر میمونہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگی۔ امین کو بھی

بڑا اچنبا ہوا اور زبیدہ بھی اپنی حیرت نہ چھپا سکی۔ حالانکہ وہ نہ نجوم پر اعتقاد رکھتی تھی نہ رئیس المنجمین پر۔

بہزاد کا خط جو اس نے میمونہ کے نام لکھا اب تک زمین پر پڑا تھا۔ زبیدہ نے اسے اٹھا لیا۔ اور مٹھی میں چھپا لیا۔ سعدون نے یہ حرکت دیکھ لی۔ اور اور سواد خط سے اندازہ کر لیا کہ یہ بہزاد کا خط ہے۔ اور جب یہ معلوم کر لیا کہ بہزاد کا خط ہے تو یہ خود بخود معلوم ہو گیا اس میں کیا لکھا ہوگا۔

زبیدہ نے اس سے پوچھا بتاؤ ہماری مٹھی میں کیا ہے؟

علامۂ سعدون۔

ایک خط۔ ایک نامہ۔

زبیدہ۔

پھر وہی مہمل اور بے تکی بات اگر جانتے ہو تو صاف صاف بتاؤ کس کا خط ہے۔ اور اس میں کیا لکھا ہے؟

سعدون۔

آپ تو بہت جلد خفا ہو جاتی ہیں۔ یہ خط بہزاد کا ہے۔ جو اس لڑکی میمونہ پر عاشق ہے۔ اس خط میں اس نے اپنے عشق کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور بنو عباس کے خلاف اپنی دشمنی اور عداوت کا بھی۔ بہزاد جتنا چالاک ہے یہ لڑکی اتنی ہی معصوم ہے۔

زبیدہ۔

تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ لڑکی بہزاد کی سازشوں میں شریک نہیں ہے؟

سعدون۔

یہ بالکل نہیں جانتی بہزاد کون ہے؟ کیا ہے؟ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس کے

مقاصد کیا ہیں؟ ارادے کیا ہیں؟ خیالات کیا ہیں؟ اگر اس نے بہزاد کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارے میں کچھ کہا ہے تو بالکل جھوٹ کہا ہے۔

امین۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لڑکی بالکل بے گناہ ہے۔

علامۂ سعدون۔

جی قطعاً بے گناہ اگر اسے آپ کوئی سزا دیں گے تو ظلم کریں گے۔ اور ظلم خدا کو پسند نہیں۔

زبیدہ۔

اچھا مان لیا یہ لڑکی بے گناہ ہے تو بتاؤ بہزاد کہاں ہے؟

سعدون۔

خراسان میں۔

زبیدہ۔

وہ ہمارے ہاتھ کس طرح آسکتا ہے؟

سعدون۔

اس کے بارے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ اس کے ستاروں میں برابر تبدیلی ہو رہی ہے۔ لہٰذا چند روز کے بعد ہی کوئی بات یقین کے ساتھ بتائی جاسکتی ہے۔

زبیدہ۔

اچھا بتاؤ میں اور امین اس وقت کس فکر میں مبتلا ہیں؟

سعدون۔

آپ کو فکر یہ ہے کہ مامون خراسان میں بیٹھا تختِ خلافت حاصل کرنے کی

کوشش کر رہا ہے۔
سعدون کی یہ باتیں سن کر زبیدہ بھی اس کی معتقد ہوگئی۔ اس نے عقیدت مندانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوے کہا۔
اچھا یہ بتاؤ اس کش مکش کا انجام کیا ہوگا؟
سعدون۔
میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ جو پہل کریگا وہ کامیاب ہیگا۔
زبیدہ۔
بالکل ٹھیک کہتے ہو سنا امین؟
سعدون۔
ایک اور بات بھی میں عرض کرنا چاہتا ہوں فضل جس طرف ہوگا کامیابی بھی اسی طرف ہوگی!
امین۔
تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ ہمارے وزیر فضل کی رائے بھی یہی ہے کہ ہمیں مامون کی ولی عہدی منسوخ کر دینی چاہیئے۔
سعدون۔
میں نہیں جانتا آپ حضرات نے آپس کے صلاح و مشورہ کے بعد کیا رائے قائم کی ہے؟ میں تو صرف وہ کہتا ہوں جو میرا علم مجھے بتاتا ہے۔
زبیدہ نے میمونہ کو اشارہ کیا کہ چلی جائے۔ چنانچہ وہ اپنے کمرہ میں واپس چلی گئی اس کے بعد اس نے سعدون سے کہا۔
تمہارے کہنے سے میں اس لڑکی کو بے گناہ اور بے قصور مان لیتی ہوں لیکن نہ جانے کیا بات ہے میرا دل اس سے صاف نہیں ہوتا۔

سعدون۔

بات یہ ہے کہ اس کے باپ نے آپ کو کم دکھ نہیں پہونچایا۔ اگر کہیں وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوجاتا تو واقعی امیرالمومنین امین کی خیریت نہیں تھی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ باتیں آپ کے ذہن و دماغ پر اثر انداز نہ ہوئیں؟ لیکن میرے ذہن میں ایک اور بات آتی ہے۔ اگر کہئے تو اس کا تجربہ کرلوں۔

زبیدہ۔

کہو، تمہیں سب کچھ کہنے کی اجازت ہے۔

سعدون۔

مجھے موقع دیجئے کہ میمونہ سے تنہائی میں گفتگو کرسکوں۔ اور اس کا ہم راز اور دم ساز بن کر معلوم کرلوں کہ وہ درحقیقت کتنے پانی میں ہے؟

زبیدہ۔

تجویز تو معقول ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ تم اس کے کمرہ میں جاکر گفتگو کرسکتے ہو۔

---

(۶۳)

بہروپیا!

زبیدہ، امین، اور سعدون کی ملاقات بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ امین نے مامون کی ولی عہدی منسوخ کرنے کا اعلان جاری کر دیا۔ اور دوسرے ہی دن علی بن عیسٰی کی سربراہی میں وہ عظیم الشان لشکر روانہ کیا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ زبیدہ پھر اپنے محل دار القرار میں واپس چلی گئی۔ اور امین بھی اس محل سے اپنے دوسرے محل قصرِ خلد میں واپس چلا گیا۔ سعدون بہت خوش تھا کہ اس کی اسکیم کامیاب ہوئی۔ امین اور مامون کے درمیان جنگ کی داغ بیل پڑ گئی۔ جس روز علی بن عیسٰی خراسان کی طرف اپنا لشکرِ گراں لے کر روانہ ہوا ہے اسی دن سعدون نے یہ سوچا کہ خلیفہ کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یعنی میمونہ سے ملاقات کر کے اس کے حالات و خیالات معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ محل کی تہرمانہ فریدہ کے پاس پہونچا اور اس سے کہا۔ میں میمونہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے۔ امیر المومنین کے

فرمان کے مطابق ہر جگہ مجھے روک بے روک ٹوک آنے جانے کی اجازت ہے!"
فرید دے نے کہا۔

"تشریف رکھئے میمونہ کو اطلاع کر دوں پھر شوق سے ان کے کمرہ میں جا سکتے ہیں۔"

میمونہ جب سے علامہ سعدون کے بیان کے بعد سے زبیدہ اور امین کے چنگل سے رہا ہو کر واپس آئی تھی بہت خوش تھی۔ اس وقت بھی وہ عبادہ سے سعدون ہی کا ذکر کر رہی تھی وہ کہہ رہی تھی۔

"اللہ تعالیٰ نے سعدون کو میرے لئے فرشتہ رحمت بنا دیا۔ ورنہ زبیدہ نے تو میری جان لے ہی لی تھی!"

عبادہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم بے کسوں کا حامی و ناصر خدا ہی تو ہے، وہی دست گیری کرتا ہے۔ ورنہ واقعی آج نہ جانے ہماری کیا حالت ہوتی۔

میمونہ۔

خدا کا شکر ہے مصیبت ٹل گئی۔

عبادہ۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کمبخت سلمان کہاں مرگیا جا کر؟ یا تو ہر وقت مدد کرنے کا وعدہ کرتا تھا اور صورت ہی نہیں دکھائی دیتی۔

میمونہ۔

لعنت بھیجئے سلمان پر وہ ہوتا بھی تو کیا کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے علامہ سعدون کو ہمارا نجات دہندہ بنا دیا یہی کافی ہے۔

—— • ——

ان دونوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ فریدہ آئی اور اس نے کہا۔

رئیس المنجمین میمونہ سے ملنا چاہتے ہیں۔
یہ سن کر میمونہ بہت گھبرائی۔ اس نے سوچا اب نہ جانے کیا آفت آن پڑے
چنانچہ گھبرائے ہوئے لہجہ میں اس نے فریدہ سے کہا۔
"بھلا رئیس المنجمین کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟"
فریدہ نے جواب دیا۔
یہ تو میں نہیں جانتی انہیں تم سے کیا کام ہے۔ اتنا جانتی ہوں کہ امیرالمومنین
نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی شخص تم سے نہ مل سکے۔ لیکن رئیس المنجمین
کے بارے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ جس سے چاہیں مل سکتے ہیں۔
بہرحال میں تم سے اجازت لینے نہیں آئی۔ اطلاع دینے آئی ہوں۔ وہ اب
آتے ہی ہوں گے۔
میمونہ۔
بہتر، انہیں بھیج دیجئے۔
تھوڑی دیر کے بعد علامہ سعدون فریدہ کے ساتھ میمونہ کے کمرہ میں
پہونچے یہاں پہونچ کر فریدہ سے انہوں نے کہا۔
"اب تم جا سکتی ہو۔"
اس کے جانے کے بعد میمونہ سے کہا۔
غالباً میرا آنا تمہیں ناگوار نہ گزرا ہوگا؟
میمونہ۔
آپ میرے محسن ہیں آپ نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔ بھلا آپ
کی تشریف آوری ناگوار کس طرح ہو سکتی ہے۔ مجھے تو فخر ہے کہ آپ میرے غریب خانہ
میں تشریف لائے کاش میں آپ کی کچھ خاطر کر سکتی۔

سعدون۔

یہ رسمی باتیں ہیں انہیں چھوڑ دو۔ میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے تم اس کا بالکل صحیح جواب دو گی۔

میمونہ۔

یقیناً میں آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گی۔ اور کہوں بھی تو آپ کے سامنے جھوٹ چل کب سکتا ہے۔ آپ تو دلوں کا راز جانتے ہیں۔

سعدون۔

کیا واقعی تم بہزاد سے محبت کرتی ہو؟

یہ سوال سُن کر میمونہ کے چہرہ پر سُرخی دوڑ گئی۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ عبادہ جواب تک خاموش بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا۔

میمونہ سے آپ کو اس طرح کا سوال نہ کرنا چاہیئے تھا۔ وہ کمسن ہے اور دنیا والوں کی ریت رسم سے ناواقف ہے۔

سعدون۔

بہرحال مجھے اپنے سوال کا جواب ملنا چاہیئے۔

عبادہ۔

میں تو آپ کو بہت عقلمند اور معقول آدمی سمجھتی تھی۔ لیکن آپ تو بڑے بدھو نکلے۔

سعدون۔

(بگڑ کر) آپ میری توہین کر رہی ہیں۔ بہرحال میں آپ سے الجھنا نہیں چاہتا۔ میں نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب ملنا چاہیئے۔

عبادہ۔

وہ تو مل چکا۔

سعدون۔

مل چکا؟ میں نے تو کچھ نہیں سنا۔

عبادہ۔

شریف لڑکیاں اپنی محبت کا اعتراف نقارہ پیٹ کر نہیں کرتیں۔ آپ کے سوال پر میمونہ خاموش ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بہزاد سے اپنی محبت کا اعتراف کرلیا۔ اگر وہ نفرت کرتی ہوتی تو یقیناً نہایت تلخ الفاظ میں اس نے اس سوال کا جواب دیا ہوتا۔

سعدون۔

ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اچھا اب ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔

میمونہ۔

فرمائیے۔

سعدون۔

کیا بہزاد بھی تم سے محبت کرتا ہے؟

میمونہ۔

یہ سوال ان سے کیجئے۔ میں اپنے علاوہ کسی اور کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سعدون۔

تم ایک شریف لڑکی ہو۔ بہزاد سے محبت کرتی ہو۔ لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ وہ دغاباز اور فریبی ہے۔ اگر وہ تم سے محبت کرتا ہوتا تو اس طرح بے یار و مددگار تمہیں چھوڑکر چلا نہ جاتا تم کب تک اس کا انتظار کرتی رہوگی؟

میمونہ۔
جب تک زندہ ہوں۔
سعدون۔
کیا کہا؟ جب تک زندہ ہو اس وقت تک انتظار کرو گی؟
میمونہ۔
یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ آپ کو اس سے کیا؟
سعدون۔
تمہیں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں تم ابھی اعتراف کر چکی ہو کہ میں تمہارا محسن اور نجات دہندہ ہوں۔ لہٰذا مجھے امید ہے تم اپنے محسن کا مشورہ قبول کرو گی۔
میمونہ۔
قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے معلوم ہونا چاہیئے۔ آپ کا وہ مشورہ کیا ہے۔
سعدون۔
بغداد میں ایک حسین و جمیل نوجوان رہتا ہے۔ دولت و ثروت کی کوئی انتہا نہیں۔ بڑے اونچے خاندان کا فرد ہے۔ یوں سمجھو۔ وزیر ابن وزیر ہے۔ صاف کہوں نہ کہوں فضل بن ربیع کے لڑکے حماد کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم اس کی محبت قبول کر لو۔
میمونہ۔
بچوں کی سی باتیں نہ کیجئے۔
سعدون۔

اس مخلصانہ مشورہ کو ٹھکرا کر غلطی کر رہی ہو۔

میمونہ۔

محبت صلاح و مشورہ کی پابند نہیں ہوتی۔ کم از کم اتنا تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔

سعدون۔

معلوم ہے، پھر بھی میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ حماد کو ٹھکرا کر بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔

میمونہ۔

یہ کیوں؟

سعدون۔

وہ بہت بڑا شخص ہے۔ اس کے اثر و رسوخ کی کوئی انتہا نہیں۔ اگر اس نے امیرالمومنین سے تمہیں طلب کر لیا تو وہ اس کی فرمائش رد نہیں کر سکیں گے۔ اور تم "با دست دیگرے دست بہ دست" اس کی حویلی میں پہونچا دی جاؤ گی۔ لہٰذا باعزت طریقہ یہی ہے کہ خود اسے قبول کر لو۔ جبکہ بہزاد کے ملنے کی کوئی امید ہی نہیں۔ وہ تم سے بہت دور نہ جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کبھی تم سے ملے یا نہ ملے ۔۔۔!

میمونہ نے ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے عبادہ نے سعدون سے کہا۔

خدا کے لئے ہم بےکسوں کو اور زیادہ نہ ستائیے۔ ہماری بےبسی کا مذاق نہ اڑائیے۔ ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیجئے۔ اگر آپ ہماری مدد نہیں کر سکتے تو ہمارا دل بھی نہ دکھائیے۔

سعدون۔

آپ کیا چاہتی ہیں؟

عبادہ۔

ہمارے سامنے حماد کا نام نہ لیجئے۔ میمونہ کو مرجانا منظور ہے لیکن وہ اس کی رفیقۂ حیات نہیں بن سکتی۔ میں اپنی بچی کی طبیعت اور مذاق سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ خدا کے لئے اس پر رحم کیجئے اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو اور زیادہ نہ توڑیئے۔

سعدون۔

میں نے تو آپ ہی کی ہمدردی میں ایک بات کہی تھی ورنہ اس مشورہ میں میرا کوئی ذاتی مقصد تو تھا نہیں۔ !

عبادہ۔

آپ کے خلوص کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ایسی بات نہ کہیئے جو کسی طرح ممکن نہ ہو۔

سعدون۔

بہت بہتر، میں اپنی پیش کش واپس لیتا ہوں —— میرے لائق کوئی خدمت؟

عبادہ۔

آپ کی غیب دانی کا دور ونزدیک شہرہ ہے۔ کیا آپ میرے ایک سوال کا جواب دے سکتے ہیں؟

سعدون۔

پوچھ کر دیکھ لیجئے۔

عبادہ۔

بہزاد جب یہاں سے گیا تھا تو اپنا ایک آدمی ہمارے پاس چھوڑ گیا تھا لیکن وہ ایسالاپتہ ہے کہ کچھ نہیں معلوم زندہ ہے یا مر گیا۔

سعدون۔

غالباً آپ سلمان کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔

عبادہ۔

(حیرت سے اسے تکتے ہوئے) ہاں میں اسی کے بارے میں دریافت کر رہی ہوں۔

سعدون۔

اس کی تلاش میں تو اور بھی بہت سے لوگ ہیں فضل بن ربیع کو اگر مل جائے تو شاید وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

عبادہ۔

تو کیا اسی کے ڈر سے وہ روپوش ہے!

سعدون۔

یہی سمجھ لیجئے۔

عبادہ۔

کیا وہ بغداد میں نہیں ہے؟

سعدون۔

وہ بغداد میں ہے۔ بلکہ اس محل میں اور میں آپ کو سچ سچ کیوں نہ بتادوں اس کمرہ میں ہے۔

سلمان کے ان الفاظ سے میمونہ سمجھ گئی کہ یہ سلمان ہی بول رہا ہے اس نے کہا۔

علامہ سعدون بھی تم اور سلمان بھی تم اور رئیس المنجمین بھی تم یا اللہ!

یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟
سعدون نے کہا۔
آہستہ آہستہ بات کرو۔ ضرورت نے مجھے سب کچھ بننے پر مجبور کر دیا ہے اگر میں سعدون اور رئیس المنجمین نہ ہوتا تو تمہیں موت کے پنجہ سے کیسے چھڑاتا اور اس وقت تمہارے پاس کیسے آتا؟
میمونہ کے چہرہ پر مسرت اور انبساط کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اپنی ساری فکر اور پریشانیاں وہ بھول گئی۔ پہلی مرتبہ اتنے دنوں کے بعد اس کے ہونٹ تبسم سے آشنا ہوئے۔ اس نے کہا۔
بہت بڑے بہروپیئے ہو۔
سعدون نے جواب دیا۔
اگر بہروپیا نہ ہوتا تو تمہارے کام نہ آسکتا۔
عبادہ۔
سچ کہتے ہو۔ تم نے بہت بڑا کام کیا۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اگر تم نہ ہوتے تو میری بچی میمونہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی۔
میمونہ۔
اچھا یہ تو بتاؤ تمہارے آقائے نامدار کہاں ہیں؟
سلمان۔
بہزاد ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں۔ وہ مختلف شہروں اور مختلف جماعتوں میں کام کر رہا ہے۔ غالباً بہت جلد وہ یہاں آجائے گا۔ اس نے کہا اب اس کی ضرورت خراسان سے زیادہ بغداد میں ہے۔
عبادہ۔

خدا وہ دن جلد لائے۔

سعدون۔

فی الحال مصلحت اسی میں ہے کہ آپ لوگ اسی محل میں قیام کیجئے۔

عبادہ۔

وہ تو خیر یہاں ہم لوگ رہنے پر مجبور رہی ہیں۔ لیکن بہت دنوں سے مامون کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کس حال میں ہیں نہ یہ امین کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

اطمینان رکھیئے۔ انتقام کا وقت قریب آرہا ہے۔ امین نے مامون کو معزول کر دیا۔ ایرانی مامون کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوے۔ یہاں سے علی بن عیسٰی بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ لیکن بہزاد کا خنجر اس کے سینہ میں پیوست ہو گیا۔ اب امین کی حالت دگرگوں ہے۔ لوگ اس کے دورِ حکومت سے اکتا چلے ہیں۔ اور اسے معزول کرنے کی فکر میں ہیں۔

---

(۶۴)

شریف دشمن!

ایک مہینہ کی مدت گزر گئی!

اس عرصہ میں حالات بڑی تیزی سے پلٹا کھاتے رہے۔ علی بن عیسیٰ کی ہلاکت اور اس کے لشکر کی تباہی نے بغداد پر مایوسی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ طاہر بن حسین کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا۔ وہ خراسان سے فتح و کامرانی کا جھنڈا لہراتا ہوا بغداد تک پہونچ گیا۔ اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے بغداد کی حالت اور زیادہ نازک و ابتر کر دی۔ امین حیران و پریشان مضطر اور بے قرار مایوس اور دل گرفتہ کبھی قصرِ خلد میں چلا جاتا۔ کبھی قصرِ منصور میں آ جاتا نہ یہاں جی لگتا تھا۔ نہ وہاں۔ ندیم اور مصاحب داغِ مفارقت دے گئے۔ جن لوگوں کی وفاداری اور جان نثاری پر امین کو حد سے زیادہ ناز تھا۔ وہی لاپتہ اور روپوش تھے۔ حد یہ ہے کہ فضل بن ربیع جو امین کا دستِ راست مجلسِ وزرا کا سربراہ خزانہ کا نگہبان اور عساکر خلافت کا سالارِ اعلیٰ تھا۔ امین کے پیہم اصرار کے باوجود میدانِ جنگ میں اترنے سے انکار کرتا رہا۔ اور آخر

جب امین کا اصرار حد سے بڑھا تو وہ بھی روپوش ہو گیا۔ شہر میں جو سپاہی رہ گئے تھے۔ وہ خود سر اور باغی بن چکے تھے۔ وہ کسی نظم و ضبط کے پابند نہیں تھے۔ نہ کسی کی اطاعت اور فرماں برداری کا دم بھرتے تھے۔ انھوں نے لوٹ مار مچا رکھی تھی۔ جس سے شہر کے رہنے والوں کی جان و مال اور عزت و آبرو خطرے میں پڑ گئی تھی۔ امین یہ حالات دیکھتا تھا۔ لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ایک روز وہ اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھا تھا۔ آج نہ یہاں کوئی مصاحب تھا نہ ندیم نہ رقاصہ نہ مغنیہ نہ داستان گو نہ شاعر وہ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ سامنے شراب سے بھرا ہوا گلاس رکھا تھا۔ وہ ایک ایک گھونٹ کر کے پی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اس وقت کسی گہرے خیال میں غرق ہے۔ پھر اس نے کچھ سوچ کر گردن اٹھائی اور غلام سے کہا

علامہ سعدون کو بلاؤ۔

ذرا دیر میں علامہ سعدون تشریف لائے۔ امین نے کہا —!

"سعدون دیکھتے ہو حالات نے کیسا رُخ اختیار کیا ہے؟

سعدون۔

جی ہاں دیکھ رہا ہوں' حیرت اور عبرت کا مقام ہے۔

امین۔

آج کوئی میری بات نہیں سنتا۔

سعدون۔

یہ بڑا دردانگیز منظر ہے۔

امین۔

نفضل بن ربیع پر مجھے کتنا ناز تھا۔ لیکن اس نے بھی دھوکا دیا وہ بھی

بھاگ گیا۔

سعدون۔

واقعی بڑے دکھ کی بات ہے!!

امین۔

لیکن اب مجھے تم پر بھی اعتبار نہیں رہا۔

سعدون۔

یہ کیوں میرے آقا؟

امین۔

اس لئے کہ تم نے مجھ سے کہا تھا جس طرف فضل ہوگا اسی طرف کامیابی ہوگی۔ لیکن دیکھ لو فضل ہماری طرف تھا مگر ہم ناکام ہوئے۔

سعدون۔

میرے علم نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا فضل بن ربیع نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ فضل بن سہل نے اپنے آقا مامون کا ساتھ دیا۔ اس کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ اور دیکھ لیجئے۔ کامیابی اس کے قدم چوم رہی ہے۔

امین۔

سچ کہتے ہو —— لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیا کیا جائے؟ بغداد محاصرہ میں ہے۔ اور اگر چند روز تک یہ محاصرہ قائم رہا تو طاہر بن حسین کی فوجیں شہر میں داخل ہو جائیں گی اور پھر کشت و خون کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

سعدون۔

یہ تو آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں لیکن کچھ نہ کچھ تدبیر کرنی پڑے گی.

امین.

ہاں وہ تدبیر میں نے سوچ لی ہے۔ ان لوگوں کو میرے سر کی ضرورت ہے. میں طاہر کے پاس جاتا ہوں اس سے کہوں گا. میری گردن کاٹ دے لیکن خلق خدا کا خون نہ بہا۔

سعدون۔

(دل میں خوش ہوکر) بہادری کی شان تو یہی ہے۔ واقعی آپ کو یہی کرنا چاہئے۔

امین.

لیکن مجھے اپنے قاصد کا انتظار ہے۔

سعدون.

قاصد، آپ نے کس کے پاس بھیجا ہے ؟

امین۔

ہرثمہ کے پاس اس سے میں نے امان طلب کی ہے۔ اس سے میں نے کہا ہے کہ وہ مجھے مامون کے پاس پہونچا دے۔ اور پھر وہاں جو فیصلہ ہوگا وہ آخری اور قطعی ہوگا۔

سعدون

(دل میں پریشان ہوکر) یہ آپ نے کیا غضب کیا۔ ہرثمہ آپ کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ آپ کی مدد نہیں کرسکتا۔ آپ صرف طاہر سے امان حاصل کرسکتے ہیں۔ صرف طاہر آپ کو پناہ دے سکتا ہے۔

امین۔

لیکن یہ میری توہین ہے۔ ہرثمہ میرے باپ دادا کے وقت کا آدمی ہے اس کی پناہ میں جانا میرے لئے باعث ذلت نہیں۔ لیکن طاہر سے پناہ طلب کرنے کے مقابلہ میں مرجانا بہتر ہے۔

سعدون۔

میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔

رموز مملکت خویشں خسرواں دانند

امین۔

بہرحال بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امین کا قاصد واپس آگیا۔ امین نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

تم میرے پیام کا کیا جواب لائے؟

قاصد نے کہا۔

ہرثمہ نے کہا ہے آپ میرے آقازادے ہیں۔ بیشک میں مامون کے ساتھ ہوں اس کی طرف سے لڑ رہا ہوں۔ اس کی فوج کے ایک بڑے حصہ کا افسر اعلیٰ ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں آپ کا دشمن ہوں۔ اور آپ کے خون کا پیاسا۔ اگر آپ نے اپنی غلطی محسوس کرلی ہے اگر آپ نے محسوس کرلیا ہے کہ اب جنگ جاری رکھنا ناممکن اور غیر مناسب ہے تو میرے پاس تشریف لے آیئے۔ میں آپ کو پناہ دوں گا۔ میں آپ کی جان کا ضامن ہوں۔ میں آپ کو مامون کے پاس لے چلوں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ مامون آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کرے گا جو ایک شریف اور سعادت مند بھائی کو کرنا چاہیئے۔ یہ باتیں سن کر سعدون کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ لیکن امین کے چہرہ پر بشاشت

کی کیفیت پیدا ہو گئی اس نے سعدون سے کہا۔
"تم نے دیکھا ہرثمہ نے کیا جواب دیا؟ طاہر کی زبان سے ہرگز یہ الفاظ نہیں نکل سکتے تھے۔"

پھر وہ قاصد سے مخاطب ہوا اور اس نے کہا۔
ہرثمہ نے یہ نہیں بتایا اس تک پہونچنے کی تدبیر کیا ہوگی؟
قاصد نے جواب دیا۔
انھوں نے چند کشتیاں دریائے دجلہ کے اس کنارے پر جو محل کی پشت پر ہے بھیج دی ہیں۔ ایک آراستہ اور مرصع کشتی آپ کے لئے ہے باقی کشتیوں پر سپاہی ہیں، جو آپ کی حفاظت اور نگہبانی پر مامور کئے گئے ہیں۔
امین نے قاصد سے پوچھا۔
تو کیا ہمیں اسی وقت چلنا چاہیئے؟
قاصد نے جواب دیا۔
فوراً اس لئے کہ ہرثمہ کہہ رہے تھے۔ طاہر تھوڑی دیر میں قصرِ خلافت پر اپنے سپاہیوں کو لے کر دھاوا بولنے والا ہے اور اس نے آپ کو گرفتار کر لیا تو میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ لہٰذا جلد از جلد تشریف لے آئیے۔
امین اٹھ کھڑا ہوا اس نے سعدون سے کہا۔
کیا تم ہمارے ساتھ چلوگے؟
سعدون نے ناگواری کے لہجہ میں جواب دیا۔
آپ تشریف لے جائیں میں تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوتا ہوں۔

---

(٦٥)

تعاقب!

سلمان (سعدون) اس وقت سخت پیچ وتاب کے عالم میں تھا۔ اس کی دلی آرزو اور خواہش یہ تھی کہ مامون اور امین کے مابین جنگ ہو، اور اس جنگ میں امین مارا جائے، قتل کیا جائے۔ تاکہ اس کی آتش انتقام ٹھنڈی ہو۔ لیکن امین کی اس اسکیم نے کہ وہ مامون سے صلح کرلے، اپنے تئیں ہر تمہ کے حوالے کردے۔ اور اپنی قسمت، مستقبل، اور زندگی کا فیصلہ مامون کے سپرد کردے۔ اسے غم وغصہ میں مبتلا کردیا تھا۔ کیونکہ اسے یقین تھا۔ اس طرح امین کی زندگی بچ جائے گی۔ مامون ضرور اس سے صلح کرے گا۔ اور وہ تحریک جو اتنے دنوں سے بہزاد وغیرہ کی سربراہی میں وہ چلا رہا تھا، ختم ہو جائیگی وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ امین زندہ بچے وہ اس کی ہلاکت چاہتا تھا۔ اس کی کٹی ہوئی گردن دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ سلمان سے علامہ سعدون بنا تھا۔ اس لئے اس نے رئیس المنجمین کا منصب قبول کیا تھا۔

سعدون کو رخصت کرکے امین اپنے محل کے زنانہ حصہ میں گیا۔ اپنے

دونوں چھوٹے اور ننھے بچوں کو گلے سے لگایا، جو چند خادم اتک دامن سے لپٹے ہوئے تھے۔ انہیں دلاسا دیا تسلی دی۔ اپنی ماں زبیدہ سے وہ عمداً نہیں ملا کہ اگر اس کا آمنا سامنا ہوا تو کوئی بھی اپنے آنسو روکنے پر قابو نہیں رکھ سکے گا۔ ان سب کاموں سے وہ کوئی دو گھنٹہ میں فارغ ہو گیا۔ اسے خطرہ جو کچھ تھا وہ اپنی زندگی کے بارے میں تھا۔ اپنے بچوں، زبیدہ اور حرم کی تسلی سے وہ بالکل مطمئن تھا کہ انہیں کسی طرح کا گزند نہیں پہونچ سکتا۔ بہر حال وہ ضروری کارروائیوں سے فارغ ہو کر ہرثمہ کی بھیجی ہوئی کشتی پر بیٹھ گیا۔ اس کے ارد گرد حفاظت کے طور پر، چند اور کشتیاں بھی تھیں۔ جن پر مسلح سپاہی اس لئے بالکل چوکس اور مستعد بیٹھے تھے کہ اگر ذرا کسی طرف سے کوئی خطرہ دیکھیں اور پل پڑیں۔

امین سے رخصت ہو کر سعدون۔ سیدھا طاہر بن حسین کے پاس پہنچا۔ اور اسے دیکھ کر دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا۔ طاہر اس کے خندہ بے ہنگام پر بہت متحیر ہوا اس نے کہا۔

یہ کیا بات ہے، سلمان کیوں ہنس رہے ہو؟

سلمان۔

ہنس یوں رہا ہوں کہ آج آپ کی قدر و عافیت معلوم ہو گئی۔

طاہر بن حسین۔

مجھے بھی بتاؤ تم نے کیا معلوم کیا؟

سلمان۔

یہ کہ آپ مامون کے دست راست ہیں۔ فضل بن سہل کے معتمد خاص ہیں۔ اہل خراسان کے ہیرو ہیں۔ خراسان سے بغداد تک فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اس وقت بغداد کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔

اور اس شہر کا ہر شخص، حتیٰ کہ امین تک آپ کے رحم و کرم پر ہے ——!

طاہر بن حسین:۔

ہاں تو —— آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو، مامون کیا کرنا چاہتے ہو؟

سلمان۔

یہ کہ کہنے کو آپ سپہ سالارِ اعلیٰ ہیں۔ ایک طرف آپ کے یہ خصوصیات و کمالات ہیں۔ اور دوسری طرف آپ اتنے حقیر اور بے بس ہیں کہ بڑے سے بڑے مجرم کو آپ کے ماتحت لوگ پناہ دے دیں تو آپ کچھ نہیں کر سکتے خواہ وہ مجرم مامون الرشید کے خون کا پیاسا کیوں نہ ہو؟ طاہر بن حسین کی گردن کاٹنے کا مشتاق کیوں نہ ہو۔

طاہر بن حسین۔

کون ہے وہ مجرم؟ —— کس نے پناہ دیا ہے اُسے؟

سلمان۔

کیا کرو گے پوچھ کر، نہ آپ مجرم کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ پناہ دینے والے کو سزا دے سکتے ہیں۔

طاہر بن حسین۔

میں سب کچھ کروں گا۔

سلمان۔

آپ کچھ نہیں کر سکیں گے۔

طاہر بن حسین۔

نام تو بتاؤ —— پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔

سلمان۔

آپ ہرثمہ کا نام تو جانتے ہوں گے ؟

طاہر بن حسین۔

ہاں بہت اچھی طرح، شمالی رُخ سے بغداد کا محاصرہ اسی کے ہاتھ ہے۔

سلمان۔

جی ہاں وہی ہرثمہ۔

طاہر بن حسین۔

تو کیا کیا اس نے ؟— کیا تم ہرثمہ کی شکایت لے کر میرے پاس آئے ہو۔

سلمان۔

وہی ہوا جو میں کہہ رہا تھا۔ ہرثمہ کا نام سن کر آپ گھبرا گئے۔ بھلا آپ اسے سزا کیوں کر دے سکیں گے ؟ اس کے پنجہ سے مملکت کے سب سے بڑے مجرم کو کس طرح چھین سکیں گے ؟

طاہر بن حسین۔

میں سب کچھ کر لوں گا۔ لیکن مجھے تفصیل تو بتاؤ ؟

سلمان۔

بات تو بہت مختصر ہے — امیرالمومنین امین نے اندازہ کر لیا کہ اب وہ گھر گئے ہیں۔ اب وہ جنگ جیت نہیں سکتے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت انہیں تعزیر و عقوبت سے نہیں بچا سکتی۔ تو انھوں نے ایک چالاک، اور دوراندیش آدمی کی طرح راہ فرار اختیار کی اور بچ گئے۔

یہ سن کر طاہر بن حسین اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اس نے بہت گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

سلمان تم کیا کہہ رہے ہو — کیا امین بھاگ گیا ؟

سلمان۔

جی ہاں امین!

طاہر بن حسین۔

کہاں گیا وہ بھاگ کر؟

سلمان۔

ہرثمہ کے پاس۔

طاہر بن حسین۔

(گرج کر) غلط — بالکل غلط، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

سلمان۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ کچھ سپاہی میرے ساتھ دو۔ ابھی امین راستہ ہی میں ہوگا۔ میں اسے گرفتار کر لاتا ہوں۔

طاہر بن حسین۔

ہاں تمہیں اس کی اجازت ہے۔

سلمان۔

لیکن ایک بات سوچ لیجئے۔

طاہر بن حسین۔

وقت ضایع نہ کرو۔ سپاہیوں کا ایک دستہ لو اور فوراً امین کا تعاقب شروع کر دو۔ جس طرح بھی ہو اسے گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔ امین اس طرح بچ نکلنا میرے سارے کارناموں پر سیاہی پھیر دے گا۔ میرے منہ میں کالک لگا دے گا۔ مجھے حقیر و ذلیل کر دے گا۔ میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا غضب خدا کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دھاندلی ہو سکتی ہے کہ

امیرالمومنین مامون کے بدترین دشمن امین کو پناہ دی جائے۔ اور وہ پناہ دینے والا کوئی غیر نہ ہو۔ بلکہ اپنا ہی آدمی ہو۔

سلمان۔

یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں، واقعی یہ بڑی شرمناک بات ہے۔ آخر آپ امیرالمومنین مامون کو کیا منہ دکھائیں گے؟

طاہر بن حسین۔

لیکن میرے سمجھ میں نہیں آتا۔ تم خواہ مخواہ وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔ امین کا تعاقب کیوں نہیں کرتے؟

سلمان۔

ابھی جاتا ہوں۔

طاہر بن حسین۔

بس تو فوراً جاؤ۔ اور جس طرح بھی ہو سکے اسے گرفتار کر لاؤ۔

سلمان۔

یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا لیکن بندہ نواز ایک بات تو بتائیے۔

طاہر بن حسین۔

لیکن جلد کہو — جب سے تم نے امین کے فرار کا حال بیان کیا ہے، میرے غم و غصّہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

سلمان۔

وہ تو ہونا ہی چاہیئے۔

طاہر بن حسین۔

ہاں کیا کہہ رہے تھے تم؟

سلمان۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر ہرثمہ نے مزاحمت کی تو کیا ہو گا؟

طاہر بن حسین۔

کیا مطلب؟ — کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہرثمہ ہمارا مقابلہ کرے گا؟

سلمان۔

اگر وہ امین کو امان دے سکتا ہے۔ پناہ دے سکتا ہے۔ تو اسے بچانے کے لئے جنگ بھی کر سکتا ہے۔

طاہر بن حسین۔

تو ہم بھی اس کا مقابلہ کریں گے۔

سلمان۔

اصولاً ہونا تو یہی چاہیئے۔

طاہر بن حسین۔

تم امین کا تعاقب کرو۔ اور اگر ہرثمہ آڑے آئے تو اس سے کہہ دو میں نے اسے بلایا ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

سلمان۔

تعمیل حکم تو کر دوں گا۔ لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ میری بات پر کان دھریں —!

طاہر بن حسین۔

یعنی وہ مجھ سے ملنے سے انکار کرے گا —؟

سلمان۔

ہو سکتا ہے؟

طاہر بن حسین۔

اگر ایسا ہوا تو پھر اس کا بھی وہی حشر ہوگا، جو امین کا ہوگا۔

سلمان۔

بہر حال آپ خوب اچھی طرح غور کرلیں۔ میں تو ایک حقیر غلام ہوں آپ کا۔ ـــــ میرا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ میری وجہ سے آپ کے اور ہرثمہ کے تعلقات خراب ہوں۔ یا خدانخواستہ آپ دونوں میں اَن بَن ہو جائے۔

طاہر بن حسین۔

ہنیق کبھی نہیں ہوگا۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں نتائج بھگتنے کو تیار رہوں۔ میرے لئے سب سے مقدم وفاداری امیرالمومنین مامون کی ہے۔ ان کے لئے میں ساری دنیا سے بگاڑ سکتا ہوں۔ لیکن کسی اور کے لئے ان سے غداری نہیں کرسکتا۔

سلمان۔

بیشک، بیشک، وفاداری اور شرافت ونجابت کا تقاضہ یہی ہے۔

طاہر بن حسین۔

ہرثمہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے۔ میں اس کا ادب واحترام بھی کرتا ہوں۔ لیکن اس کے کسی ایسے فعل کو گوارا نہیں کرسکتا۔ جو امیرالمومنین مامون کے مفاد کے خلاف ہو۔

سلمان۔

بجا، درست، صحیح۔

طاہر بن حسین۔

بس تو اب اپنی منزل کھوٹی نہ کرو۔ جاؤ ـــــ مجھے اندیشہ ہے کہیں اس عرصہ میں امین ہرثمہ کے پاس نہ پہونچ چکا ہو۔ بڑا اچھا ہوتا۔ اگر امین وہاں

پہونچنے سے پہلے گرفتار ہو جاتا۔

سعدون۔

میں کوشش تو یہی کروں گا۔

طاہر بن حسین۔

تمہیں کتنے آدمی چاہئیں؟

سعدون۔

۵ا کشتیاں، اور ہر کشتی پر دس مسلح سپاہی، کیونکہ ہرثمہ نے امین کے لئے کئی کشتیاں اور بہت سے سپاہی بھیجے ہیں؛

طاہر نے دستک دی، فوراً ایک غلام نمودار ہوا۔ اس نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ پھر سلمان سے مخاطب ہوا۔ اور کہا۔ تم میرے اس غلام کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ تمہیں میرے معتمد سردار، حسن بن ابراہیم کے پاس پہونچا دیگا۔ اور وہ مطلوبہ تعداد میں تمہیں کشتیاں اور سپاہی امکانی عجلت کیساتھ فراہم کردیگا۔

سلمان غلام کے ساتھ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد طاہر بن حسین ایک اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اگر واقعی امین نکل گیا۔ اور ہرثمہ نے اسے امون کے پاس پہونچا دیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ ان دونوں بھائیوں کی صلح ہم میں سے بہتوں کے لئے پیامِ موت ثابت ہوگی۔ لہٰذا مصلحت اور تدبیر کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نہ ملنے دیا جائے۔

---

(۶۶)

کمبخت یہ تو نے کیا کیا؟

سلمان نے امین کا تعاقب کیا لیکن وہ بہت دور نکل چکا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ ہرثمہ کی پناہ میں پہونچ چکا تھا۔ سلمان کو بہت غصہ آیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسی وقت ہرثمہ سے ملے گا۔ اور اسے مجبور کرے گا کہ امین کو اس کے حوالے کردے اور اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوا تو پھر جنگ کا پیام دے کر طاہر بن حسین کا لشکر لے کر اس پر ٹوٹ پڑے گا۔ چنانچہ پیکر جلال بنا ہوا وہ ہرثمہ کے ہاں پہونچا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا امین یہاں پہونچ چکا ہے ہرثمہ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس کی آرام و آسائش کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک کمرہ اس کے لئے خاص کردیا۔ اور اس وقت اسی کمرہ میں بیٹھا تخلیہ میں اس سے باتیں کر رہا ہے۔ سلمان یہ سن کر اور زیادہ آگ بگولا ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ دراتا ہوا اس میں پہونچ جائے۔ یہاں امین اور ہرثمہ گفتگو میں مصروف تھے۔ مشکل سے ابھی وہ چند قدم بڑھا ہوگا کہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سامنے سے بہزاد چلا آرہا ہے۔ اسے یہ معلوم تھا کہ

بہزاد آنے والا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قدر جلد وہ یہاں پہونچ جائے گا۔ بہزاد اسے دیکھ کر مسکرایا اور اس نے کہا۔

سلمان تم یہاں کہاں؟ میں تو تم سے ملنے قصر خلد میں آنے والا تھا۔

سلمان۔

میرے آقا آپ کب تشریف لائے؟

بہزاد۔

طاہر بن حسین کے لشکر کے ساتھ ساتھ میں بھی یہاں پہونچا ہوں لشکر شہر کا محاصرہ کئے پڑا ہے۔ اور میں شہر کے اندر انقلاب، بغاوت، اور شورش کی آگ بھڑکا رہا ہوں۔ کوئی گھر ایسا نہیں ہے جو اس انقلاب اور بغاوت میں حصہ لینے کے لئے تیار نہ ہو۔ تم سمجھتے تھے اور تمہارے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ہمارے مقاصد ناقابلِ حصول ہیں لیکن دیکھ لو کس قدر جلد ہم اپنی منزلِ مقصود پر پہونچ گئے۔

سلمان۔

یہ تو آپ نے صحیح فرمایا۔ لیکن آپ کو کچھ بسنت کی خبر بھی ہے؟

بہزاد۔

کیا کہنا چاہتے ہو کیسی خبر؟

سلمان۔

آپ ہرثمہ کے ہاں موجود ہیں۔ اور آپ کو یہ نہیں معلوم کہ امین یہاں پناہ گزیں ہے۔

بہزاد۔

معلوم ہے۔

سلمان۔

تو چلئے میں اور آپ دونوں مل کر ہرثمہ کے پاس چلیں اور اس سے کہیں کہ اگر خیریت چاہتا ہے تو امین کو ہمارے حوالہ کر دے۔ ورنہ طاہر بن حسین بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں امیرالمومنین مامون سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔

بہزاد۔

سلمان آج تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟

سلمان۔

کیا ہوا میرے آقا؟ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جو آپ کے تکدرِ طبع کا سبب ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسا لفظ میرے منہ سے نکل گیا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔

بہزاد۔

معافی کی ضرورت نہیں۔ تم ہمارے غلام نہیں۔ دوست بھائی اور ساتھی ہو لیکن امین کے بارے میں تم نے جو باتیں کہی ہیں وہ افسوس ناک حد تک تکلیف دِہ ہیں۔

سلمان۔

یہ کیوں؟ کیا آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ امین کو پناہ مل جائے وہ زندہ چھوڑ دیا جائے؟

بہزاد۔

ہاں میں نے ہرثمہ کو یہی رائے دی ہے۔

سلمان۔

اور آپ کا وہ جذبۂ انتقام کیا ہوا جس نے نہ صرف مجھے بلکہ مجھ جیسے ہزاروں آدمیوں کو جوشِ انتقام سے دیوانہ اور مجنوں بنا دیا ہے؟

بہزاد۔

انتقام تو ہم نے لے لیا۔

سلمان۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کس سے انتقام لیا۔ کیا امین سے؟

بہزاد۔

ہاں، امین کی جان ہم اس لئے لینا چاہتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ وہ عادل اور منصف نہیں تھا۔ اس میں عربی عصبیت ضرورت سے زیادہ تھی۔ لیکن اب کہ وہ تختِ خلافت سے دست بردار ہو چکا۔ اقتدار و اختیار سے محروم ہو چکا۔ لڑنے کا حوصلہ ہار چکا۔ اطاعت پر آمادہ ہے۔ امان چاہتا ہے۔ پناہ مانگتا ہے۔ تو ہمیں اس سے انتقام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کام ہم کرنا چاہتے تھے وہ اس نے خود کر لیا۔ اب اس کی جان لینا بزدلی ہے۔ ہاں اگر وہ میدانِ جنگ میں ڈٹا رہتا اپنے اقتدار و اختیار اور حکومت کو قائم رکھنے کے لئے جنگ و پیکار پر آمادہ ہوتا تو یقیناً ہم اس سے انتقام لیتے (خنجر نکال کر) اور بلاشبہ یہ خنجر میں امین کے سینہ میں اسی طرح پیوست کر دیتا جس طرح علی بن عیسٰی کے سینہ میں کر چکا ہوں۔ یہ خنجر ابو مسلم خراسانی کے ورثہ میں مجھ کو ملا ہے۔ لیکن اب کہ وہ اپنے ہر مطالبے اور حق سے دست بردار ہو کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے آیا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم اس کی گردن کاٹنے پر بضد رہیں؟

سلمان۔

اس کے معنی تو یہ ہیں کہ امین اور مامون میں صلح ہو جائے گی؟

بہزاد۔

اگر ہمارے مقاصد کو نقصان نہ پہونچے تو ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ صلح ہو جائے

ہمیں کیا؟
سلمان۔
امین کی زندگی ہر وقت ایک مستقل خطرہ میں رہے گی۔
بہزاد۔
تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ سانپ کے دانت توڑ دیئے جائیں تو وہ بے ضرر ہو جاتا ہے۔ امین سے مسندِ خلافت چھین کر ہم نے اسے ہر قسم کے اقتدار و اختیار سے محروم کر دیا۔ اب وہ ہمارے لئے نہ خطرہ ہے نہ آگے چل کر ہو سکتا ہے۔
سلمان۔
میں نے سوچا کچھ تھا ہوا کچھ؟
بہزاد۔
تم نے کیا سوچا تھا؟
سلمان۔
میں نے یہ سوچا تھا کہ امین کا خون پیوں گا۔
بہزاد۔
یہ تمہارا احمقانہ خیال ہے۔ انسان کو انسان کا خون نہیں پینا چاہیئے۔
سلمان۔
طاہر بن حسین نے مجھ سے کہا تھا۔ اگر ہرثمہ امین کے حوالہ کر دینے میں تامل کرے تو اس کی بھی خیریت نہیں ہے۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے بساط ہی بدل دی۔ طاہر ہرثمہ سے لڑ سکتا تھا۔ بہزاد سے نہیں لڑ سکتا۔
بہزاد۔
ہاں ٹھیک ہے۔ اور اگر وہ ایسی جراءت کرے تو اسے بہزاد سزا بھی دے سکتا ہے۔

سلمان۔
اچھا مجھے اجازت دیجئے۔ میں اب جاتا ہوں۔

بہزاد۔
کہاں جاؤ گے اتنے ناوقت؟

سلمان۔
طاہر انتظار کر رہا ہوگا۔ اسے جاکر بتا دوں کہ صورتِ حال یہ ہے۔

بہزاد۔
اسے انتظار کرنے دو۔ آج کی رات تمہیں میرے ساتھ گذارنا پڑے گا۔ کتنے دنوں کے بعد تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ بہت سی باتیں پوچھنا ہیں۔ طاہر کا جی چاہے گا تو خود آجائے گا۔ ورنہ صبح ہم تم دونوں ساتھ ساتھ اس کے پاس چلیں گے۔

سلمان کا جی تو نہ چاہتا تھا کہ رات بہزاد کے ساتھ گذارے لیکن اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ حکم عدلی کر سکے۔ بڑی دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ سلمان بے دلی سے ہوں ہاں کرتا رہا۔ بہزاد بھی بہت تھکا ہوا تھا۔ اور رات بھی کافی آ چکی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا۔ اور سلمان بھی بظاہر سوتا بن گیا۔

صبح ہونے سے کچھ پہلے بہزاد کی آنکھ کھلی تو اسے ایک سایہ سا کمرہ کے اندر بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس نے آواز دی کون ہے؟ سایہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اس کے ہاتھ سے کوئی چیز چھوٹ کر گری جس سے جھناکہ سا پیدا ہوا۔ بہزاد فوراً بستر سے اٹھ بیٹھا کمر میں ہاتھ ڈالا تو خنجر ندارد تھا اتنے میں وہ سایہ قریب آ گیا اور اس نے کہا۔

میرے آقا میں ہوں سلمان ——— یہ آپ کا خنجر ابھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا لیجئے۔ یہ حاضر ہے!

بہزاد نے پوچھا۔

میرا خنجر تم کیوں لے گئے تھے۔ کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟

سلمان نے رومال میں بندھی ہوئی پوٹلی بہزاد کی طرف بڑھائی اور کہا۔

"ملاحظہ فرمائیے ———!"

بہزاد نے رومال کھولا تو اس میں امین کا سر کٹا ہوا رکھا تھا جس سے خون کے گرم گرم قطرے اب تک ٹپک رہے تھے۔

بہزاد نے برہمی کے ساتھ کہا۔

کمبخت یہ تو نے کیا کیا؟

سلمان نے سر جھکا کر جواب دیا۔

میرے آقا آپ چاہیں تو میری گردن بھی اڑا دیں۔ لیکن میں مجبور تھا۔ میرے دل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ امین کے خون ہی سے سرد ہو سکتی تھی۔

---

(٦٧)

خاتمہ!

جب تک کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں اور وسوسوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اسے ناممکن سمجھتے ہیں لیکن جب وہ انقلاب رونما ہوجاتا ہے۔ واقع ہو جاتا ہے تو پھر لوگ خاموشی کے ساتھ بلکہ آمادگی کے ساتھ اُسے قبول کرلیتے ہیں۔ اور اس کے گن گانے لگتے ہیں۔

تختِ خلافت پر جب تک امین قابض تھا۔ عوام اور خواص کی طرف سے اس کے ہر اقدام کی تائید جوش و خروش کے ساتھ کی جاتی تھی لیکن جب اس کا ستارہ گردش میں آیا اور مامون کے لئے فضا سازگار ہونے لگی تو وہی لوگ جو امین کے پرستار تھے مامون کی اطاعت پر فخر کرنے لگے۔ اور امین کی خامیوں اور کوتاہیوں پر طنز و توہین کرنے لگے۔

امین کا دورِ حکومت تو اس وقت ختم ہوگیا تھا جب اس نے ہرثمہ کے پاس پناہ لی تھی۔ لیکن جو رہی سہی آس تھی وہ اس وقت ختم ہوگئی۔ جب سلمان کا خنجر اس کے سینہ میں پیوست ہوا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے

سئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔
بغداد کے کوچوں اور گلیوں میں سڑکوں اور چوراہوں پر مسجدوں اور خانقاہوں میں مامون کے نام کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا امین کا سر سب سے بڑے چوراہے پر نمونہ عبرت بنا لٹکا ہے۔ سر الگ، دھڑ الگ، یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ لیکن بغداد کے لوگوں نے اس طرح برداشت کر لیا جیسے بہت معمولی بات ہے۔
زبیدہ ان واقعات سے اب تک ناواقف تھی۔ وہ اپنے محل دارالقرار میں بیٹھی اپنے معمولات میں مصروف تھی کہ دفعتاً اس کے پاس ایک غلام آیا اور اس نے کہا۔
رئیس المنجمین علامہ سعدون آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔
زبیدہ نے جواب دیا۔
آنے دو۔
غلام نے پھر عرض کیا۔
علامہ کے ساتھ ان کا ایک ساتھی بھی ہے اور وہ بھی شرف باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے۔
زبیدہ نے نخوت اور تمکنت کے ساتھ کہا۔
میں ناواقف لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ لیکن خیر سعدون کے ساتھ آیا ہے تو اسے آنے دو۔
تھوڑی دیر میں سعدون بہزاد کے ساتھ زبیدہ کے سامنے پہونچ گیا۔ زبیدہ نے کہا۔
علامہ صاحب آپ بڑے وقت سے آئے ہیں میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔

سعدون۔

میں آپ کا غلام ہوں ارشاد۔

زبیدہ۔

مجھے معلوم ہوا ہے مامون کی فوجیں برابر آگے بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ اور انہوں نے بغداد کا محاصرہ کر لیا ہے۔

سعدون۔

بجا ہے واقعہ یہی ہے۔

زبیدہ۔

امین بہت پریشان اور متفکر نظر آتا ہے۔

سعدون۔

ہونا بھی چاہیئے۔

زبیدہ۔

وہ پابندی کے ساتھ صبح شام میرے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن تین دن سے میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ وہ میرا بڑا چھیتا اور لاڈلا بیٹا ہے۔ اسے مغموم اور متفکر، افسردہ اور مضمحل نہیں دیکھ سکتی اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے کاش ایسا ہوتا کہ اس کی تمام فکریں اور تمام پریشانیاں اس کے تمام آفات و مصائب میرے حصہ میں آ جائے۔

سعدون۔

بیشک ماں کی ممتا کا تقاضا یہی ہے لیکن دنیا میں ایسا کہاں ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کا غم بٹا سکے؟

زبیدہ۔

اب مجھ پر بیتا پڑی ہے تو میں محسوس کرتی ہوں۔ ماں کی ممتا کیا چیز ہوتی ہے میرا

دل کڑھ رہا ہے کہ میں عبادہ کی التجائیں ٹھکرائیں اور میمونہ کیساتھ رحم وکرم کا برتاؤ نہیں کیا۔

سعدون۔

یہ آپ کی شرافت اور عالی ظرفی ہے۔

زبیدہ۔

جاؤ میمونہ کو میرا پیام پہنچا دو۔ کہ وہ آج سے میری بیٹی ہے۔ عبادہ سے کہدو۔ وہ آج سے میری بہن ہے۔ بغداد میں جتنے غریب آشفتہ حال اور پریشان روزگار لگ ہیں سب کے دامن سیم وزر سے بھر دو۔ میرے محل دارالقرار میں قصر خلد میں قصر منصور میں سونے چاندی ہیرے جواہرات کی جتنی چیزیں ہیں ان کو لٹا دو۔ خزانہ کا منہ کھول دو۔ اور کسی کو مایوس نہ کرو۔ ہر ایک کی تمنا پوری کرو۔ اور اُسکے بدلے میں ان سب لوگوں سے صرف ایک بات کا مطالبہ کرو۔ کہ یہ لوگ میرے امین کے لئے دعا کریں کہ اس کی پریشانی دور ہو۔ میں مامون کا برا نہیں چاہتی۔ علی بن عیسیٰ جب اپنی فوج لے کر خراسان کی طرف گیا تھا تو میں نے اسے تاکید بھی کی کہ مامون کے ساتھ گستاخی کا برتاؤ نہ کرے اس کی توہین و تذلیل نہ کرے اسے کسی طرح کی تکلیف اور دکھ نہ پہونچائے۔ مامون کو بھی میرا پیغام پہونچا دو کہ میں اس کی ماں ہوں وہ میرے پاس چلا آنے میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ کروں گی جو ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ کرتی ہے۔ میں امین کو مجبور کروں گی کہ اس کی ولی عہدی منسوخ نہ کرے۔ بلکہ اسے حکم دوں گی کہ حکومت کے دو ٹکڑے کر دے ایک اس کے حصہ میں آئے ایک مامون کے۔ ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں لڑتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

سعدون۔

آپ کے خیالات کتنے بلند اور کتنے شریفانہ ہیں کاش یہ خیالات شروع ہی میں بر سر کار آ گئے ہوتے۔

زبیدہ۔
کوئی مضائقہ نہیں انسان غلط راستہ ترک کرکے صحیح راستہ اختیار کرے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی۔
سعدون۔ بیشک بیشک بالکل درست فرمایا آپ نے۔
زبیدہ۔ (بہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے؟
سعدون۔ اس کا نام بہزاد ہے۔
زبیدہ۔ (پریشان ہوکر) کیا کہا اس کا نام بہزاد ہے۔
سعدون۔ جی ہاں، بہزاد!
زبیدہ۔
کیا۔ یہ وہی بہزاد ہے جس نے خاندان عباسیہ کو تباہ و برباد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ جس نے امین کے قتل کا عہد کیا تھا۔ جو میمونہ سے محبت کرتا ہے؟
سعدون۔ جی ہاں یہ وہی شخص ہے۔
زبیدہ۔
یقیناً ہمارے خاندان سے اسے کوئی تکلیف پہونچی ہوگی۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے خطرناک کام کا عہد کرتا۔ اس کے چہرہ سے شرافت اور نجابت برستی ہے میں اسے معاف کرتی ہوں۔ جاؤ میمونہ کو لیکر یہاں آؤ۔ میں اپنے سامنے ان محبت کرنے والے دلوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے ملا دوں۔ میمونہ میری بیٹی ہے۔ اور بہزاد میرا داماد۔
سعدون۔
یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔ لیکن میں آپ کی باتوں میں کچھ ایسا کھو گیا کہ جو کچھ کہنے آیا تھا نہ کہہ سکا۔

میرے آقا میں ہوں سلمان — یہ آپ کا خنجر ابھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا لیجئے۔ یہ حاضر ہے!

بہزاد نے پوچھا۔

میرا خنجر تم کیوں لے گئے تھے۔ کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟

سلمان نے رومال میں بندھی ہوئی پوٹلی بہزاد کی طرف بڑھائی اور کہا۔

"ملاحظہ فرمائیے —!"

بہزاد نے رومال کھولا تو اس میں امین کا سر کٹا ہوا رکھا تھا جس سے خون کے گرم گرم قطرے اب تک ٹپک رہے تھے۔

بہزاد نے برہمی کے ساتھ کہا۔

کمبخت یہ تو نے کیا کیا؟

سلمان نے سر جھکا کر جواب دیا۔

میرے آقا آپ چاہیں تو میری گردن بھی اڑا دیں۔ لیکن میں مجبور تھا۔ میرے دل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ امین کے خون ہی سے سرد ہو سکتی تھی۔

---

(۶۷)

خاتمہ!

جب تک کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں اور وسوسوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اسے ناممکن سمجھتے ہیں لیکن جب وہ انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ واقع ہو جاتا ہے تو پھر لوگ خاموشی کے ساتھ بلکہ آمادگی کے ساتھ اُسے قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کے گن گانے لگتے ہیں۔

تختِ خلافت پر جب تک امین قابض تھا۔ عوام اور خواص کی طرف سے اس کے ہر اقدام کی تائید جوش و خروش کے ساتھ کی جاتی تھی لیکن جب اس کا ستارہ گردش میں آیا اور مامون کے لئے فضا سازگار ہونے لگی تو وہی لوگ جو امین کے پرستار تھے مامون کی اطاعت پر فخر کرنے لگے۔ اور امین کی خامیوں اور کوتاہیوں پر طنز و توہین کرنے لگے۔

امین کا دورِ حکومت تو اس وقت ختم ہو گیا تھا جب اس نے ہرثمہ کے پاس پناہ لی تھی۔ لیکن جو رہی سہی آس تھی وہ اس وقت ختم ہو گئی۔ جب سلمان کا خنجر اس کے سینہ میں پیوست ہوا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

بغداد کے کوچوں اور گلیوں میں سڑکوں اور چوراہوں پر مسجدوں اور خانقاہوں میں مامون کے نام کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا امین کا سر سب سے بڑے چوراہے پر نمونہ عبرت بنا لٹکا ہے۔ سر الگ، دھڑ الگ، یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ لیکن بغداد کے لوگوں نے اس طرح برداشت کر لیا جیسے بہت معمولی بات ہے۔

زبیدہ ان واقعات سے اب تک ناواقف تھی۔ وہ اپنے محل دارالقرار میں بیٹھی اپنے معمولات میں مصروف تھی کہ دفعتاً اس کے پاس ایک غلام آیا اور اس نے کہا۔

رئیس المنجمین علامہ سعدون آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

زبیدہ نے جواب دیا۔

آنے دو۔

غلام نے پھر عرض کیا۔

علامہ کے ساتھ ان کا ایک ساتھی بھی ہے اور وہ بھی شرف باریابی حاصل کرنے کا متمنی ہے۔

زبیدہ نے نخوت اور تمکنت کے ساتھ کہا۔

میں ناواقف لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ لیکن خیر سعدون کے ساتھ آیا ہے تو اسے آنے دو۔

تھوڑی دیر میں سعدون بہزاد کے ساتھ زبیدہ کے سامنے پہونچ گیا۔

زبیدہ نے کہا۔

علامہ صاحب آپ بڑے وقت سے آئے ہیں میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔

سعدون۔

میں آپ کا غلام ہوں ارشاد۔

زبیدہ۔

مجھے معلوم ہوا ہے مامون کی فوجیں برابر آگے بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ اور انہوں نے بغداد کا محاصرہ کرلیا ہے۔

سعدون۔

بجا ہے واقعہ یہی ہے۔

زبیدہ۔

امین بہت پریشان اور متفکر نظر آتا ہے۔

سعدون۔

ہونا بھی چاہیئے۔

زبیدہ۔

وہ پابندی کے ساتھ صبح شام میرے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن تین دن سے میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ وہ میرا بڑا چہیتا اور لاڈلا بیٹا ہے۔ اسے مغموم اور متفکر، افسردہ اور مضمحل نہیں دیکھ سکتی اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے کاش ایسا ہوتا کہ اس کی تمام فکریں اور تمام پریشانیاں اس کے تمام آفات و مصائب میرے حصہ میں آ جائے۔

سعدون۔

بیشک ماں کی ممتا کا تقاضا یہی ہے لیکن دنیا میں ایسا کہاں ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کا غم بٹا سکے؟

زبیدہ۔

اب مجھ پر بیتا پڑی ہے تو میں محسوس کرتی ہوں۔ ماں کی ممتا کیا چیز ہوتی ہے میرا

دل کڑھ رہا ہے کہ میں عبادہ کی التجائیں ٹھکرائیں اور میمونہ کیساتھ رحم و کرم کا برتاؤ نہیں کیا۔

سعدون۔

یہ آپ کی شرافت اور عالی ظرفی ہے۔

زبیدہ۔

جاؤ میمونہ کو میرا پیام پہنچا دو۔ کہ وہ آج سے میری بیٹی ہے۔ عبادہ سے کہدو۔ وہ آج سے میری بہن ہے۔ بغداد میں جتنے غریب آشفتہ حال اور پریشان روزگار لگ ہیں سب کے دامن سیم وزر سے بھر دو۔ میرے محل دارالقرار میں قصر خلد میں قصر منصور میں سونے چاندی ہیرے جواہرات کی جتنی چیزیں ہیں ان کو لٹا دو۔ خزانہ کا منہ کھول دو۔ اور کسی کو مایوس نہ کرو۔ ہر ایک کی تمنا پوری کرو۔ اور اُسکے بدلے میں ان سب لوگوں سے صرف ایک بات کا مطالبہ کرو۔ کہ یہ لوگ میرے امین کے لئے دعا کریں کہ اس کی پریشانی دور ہو۔ میں مامون کا برا نہیں چاہتی۔ علی بن عیسیٰ جب اپنی فوج لے کر خراسان کی طرف گیا تھا تو میں نے اسے تاکید بھی کی کہ مامون کے ساتھ گستاخی کا برتاؤ نہ کرے اس کی توہین و تذلیل نہ کرے اُسے کسی طرح کی تکلیف اور دکھ نہ پہونچائے۔ مامون کو بھی میرا پیغام پہونچا دو کہ میں اس کی ماں ہوں وہ میرے پاس چلا آئے میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ کروں گی جو ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ کرتی ہے۔ میں امین کو مجبور کروں گی کہ اس کی ولی عہدی منسوخ نہ کرے۔ بلکہ اسے حکم دوں گی کہ حکومت کے دو ٹکڑے کر دے ایک اس کے حصہ میں آئے ایک مامون کے۔ ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں لڑتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

سعدون۔

آپ کے خیالات کتنے بلند اور کتنے شریفانہ ہیں کاش یہ خیالات شروع ہی میں بر سر کار آ گئے ہوتے۔

زبیدہ۔
کوئی مضائقہ نہیں انسان غلط راستہ ترک کر کے صحیح راستہ اختیار کرے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی۔
سعدون۔ بیشک بیشک بالکل درست فرمایا آپ نے۔
زبیدہ۔ (بہزاد کی طرف دیکھتے ہوئے) تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے؟
سعدون۔ اس کا نام بہزاد ہے۔
زبیدہ۔ (پریشان ہو کر) کیا کہا اس کا نام بہزاد ہے۔
سعدون۔ جی ہاں بہزاد!
زبیدہ۔
کیا۔ یہ وہی بہزاد ہے جس نے خاندان عباسیہ کو تباہ و برباد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا جس نے امین کے قتل کا عہد کیا تھا۔ جو میمونہ سے محبت کرتا ہے؟
سعدون۔ جی ہاں یہ وہی شخص ہے۔
زبیدہ۔
یقیناً ہمارے خاندان سے اسے کوئی تکلیف پہونچی ہوگی۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے خطرناک کام کا عہد کرتا۔ اس کے چہرہ سے شرافت اور نجابت برستی ہے میں اسے معاف کرتی ہوں۔ جاؤ میمونہ کو لیکر یہاں آؤ۔ میں اپنے سامنے ان محبت کرنے والے دلوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے ملا دوں۔ میمونہ میری بیٹی ہے۔ اور بہزاد میرا داماد۔
سعدون۔
یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔ لیکن میں آپ کی باتوں میں کچھ ایسا کھو گیا کہ جو کچھ کہنے آیا تھا نہ کہہ سکا۔

زبیدہ۔ کہو، کہتے کیوں نہیں؟
سعدون۔ آپ کے یہ خیالات قابلِ قدر ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ بعد از وقت بھی۔
زبیدہ۔ (تیوری پر بل ڈال کر) یہ کیوں؟
سعدون۔ اس لئے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔
زبیدہ۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟
سعدون۔ مامون کی فوجوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا ہے۔
زبیدہ۔ (استقلال کے ساتھ) کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال حکومت اور خلافت ہمارے ہی خاندان میں رہے گی۔ جس طرح امین ہارون کا بیٹا تھا، اسی طرح مامون بھی اس کا بیٹا ہے۔
سعدون۔ آپ کی حیثیت ایک قیدی کی ہے۔
زبیدہ۔ یہ خبر بھی خلاف توقع نہیں ـــ شاید امین بھی گرفتار کر لیا گیا ہوگا۔ اسی لئے وہ اب تک مجھ سے نہیں مل سکا؟
سعدون۔ جی نہیں۔
زبیدہ۔ تو کیا وہ آزاد ہے؟
سعدون۔ نہ گرفتار ہے نہ آزاد۔
زبیدہ۔ تم تو آج پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کیا بات ہے؟
سعدون۔ وہ قیدِ ہستی سے رہائی پا چکا۔
زبیدہ۔ وہ قیدِ ہستی سے رہائی پا چکا؟
سعدون۔ جی ہاں واقعی، میں سچ کہہ رہا ہوں۔
زبیدہ۔ یعنی وہ قتل کر دیا گیا؟

سعدون۔ جی ہاں۔

زبیدہ۔ (نہایت استقلال کے ساتھ) اس کی لاش کہاں ہے؟

سعدون۔ بغداد کے سب بڑے چوراہے پر ایک طرف اس کا سر لٹک رہا ہے ایک طرف اس کا دھڑ۔

زبیدہ۔ (اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے) کیا یہ سب کچھ مامون کے حکم سے ہوا ہے؟

سعدون۔ مامون نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہم اس کے دشمن کو شکست دیں لیکن شکست کس طرح دیں۔ اور شکست دینے کے بعد دشمن کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ یہ ہمارا کام تھا ہم نے جس طرح مناسب سمجھا کیا۔

زبیدہ۔ کیا تم مامون کے آدمی ہو؟

سعدون۔ جی شروع سے۔

زبیدہ۔ تم تو ہمارے محل میں رئیس المخنثین کی حیثیت سے رہتے تھے۔

سعدون۔ سیاست اور مصلحت کے ماتحت انسان سب کچھ کرتا ہے۔ یہ میری ایک چال تھی۔ ورنہ میرا اصلی نام سعدون نہیں سلمان ہے۔ جس کی آپ کو بہت تلاش تھی۔

زبیدہ۔ (وقار کے ساتھ) اچھا تو تم سلمان ہو۔ بہزاد کے غلام؟

سلمان۔ جی ہاں آپ کا خیال صحیح ہے۔

زبیدہ۔ مجھے بہزاد سے کوئی شکایت نہیں۔ اگر اس نے ہم سے دشمنی پکڑ باندھی تو کبھی، دوست کے رنگ میں ہمارے سامنے نہیں آیا۔

سلمان۔ شاید آپ کو نہیں معلوم بہزاد کون ہے۔ یہ ابو مسلم خراسانی کا نواسا ہے۔ اور اس نے خاندانِ عباسیہ کو تباہ کرنے کا عہد کیا تھا۔

زبیدہ۔ میں کہہ چکی مجھے بہزاد سے کوئی شکایت نہیں اور اب معلوم کر کے کہ یہ ابو مسلم خراسانی کا نواسہ ہے۔ ذرا بھی شکایت نہیں رہی۔ بیشک ہم کو اور اس کے خاندان کو ہمارے ہاتھ سے ہمارے خاندان کے ہاتھ سے بڑے دکھ پہونچے ہیں۔ یقیناً اسے انتقام کا عہد کرنا چاہیئے تھا۔ اور دیوانہ بن کر ہمارے خلاف میدان میں کود پڑنا چاہیئے تھا۔

"بہزاد سے مخاطب ہوکر"

تم یقین کرو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔

(سلمان سے مخاطب ہوکر")

لیکن تم دشمنی میں جوش انتقام میں بہزاد سے بھی آگے بڑھ گئے۔

اس کا کیا سبب تھا؟ تم نے غداری اور مکاری اور فریب کی زندگی بسر کی۔ ہمارے پاس دوست کی حیثیت سے رہے۔ اور دشمنی کا کام کرتے رہے۔ ہمارا نمک کھایا۔ اور نمک حرامی کرتے رہے۔ اس کا سبب ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا بتاؤ وہ سبب کیا ہے؟

سلمان۔ بہزاد کے دل میں انتقام کی جو آگ سلگ رہی تھی وہ آگ نہیں تھی صرف چنگاری تھی۔

زبیدہ۔ وضاحت کے ساتھ اپنا مطلب بیان کرو۔

سلمان۔ بہزاد اپنے نانا ابو مسلم خراسانی اور اپنی محبوبہ کے باپ جعفر برمکی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ ایک شکایت اسے یہ بھی تھی کہ عرب اپنی عربیت کے زعم میں ایرانیوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس نے مامون کی امداد و اعانت کی تاکہ عربوں کا زور کم ہو لیکن بہرحال وہ مسلمان ہے۔ اور یہ نہیں چاہتا کہ حکومت مسلمانوں کے قبضے سے باہر نکلے۔

زبیدہ۔

تو کیا تم مسلمان نہیں ہو؟

سلمان۔

جی نہیں، میں مسلمان کیوں ہوتا؟

زبیدہ۔

پھر کون ہو کیا مجوسی؟

سلمان۔

میں مجوسی ہوں۔ جماعت حزمیہ نے مجھے اس کام پر مامور کیا تھا۔ کہ عباسی حکومت کو ختم کر دوں۔ اسلامی حکومت کو ختم کر دوں۔ عرب حکومت کو ختم کر دوں بظاہر میں بہزاد کا غلام تھا۔ لیکن حقیقتاً بہزاد میرا آلۂ کار تھا۔ آج میرا دل ٹھنڈا ہوا۔ امین قتل ہو گیا۔ اس کے بعد کے مرحلے قبل اس کے کہ مامون خراسان سے واپس آئے آسانی سے طے ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہاں ہماری جماعت بہت مضبوط ہے۔

زبیدہ۔

پھر تو مجھے تم سے بھی کوئی شکایت نہیں ـــــ میں عورت ہوں۔ بوڑھی ہوں، کمزور ہوں، لیکن میرے کمزور ہاتھوں میں اتنا دم خم ہے کہ میں تیری گردن مروڑ سکوں۔

یہ کہہ کر زبیدہ آگے بڑھی لیکن قبل اس کے کہ سلمان کے گلے تک اس کا ہاتھ پہنچے۔ بہزاد کا خنجر چمکا اور سلمان کے سینہ میں ترازو ہو گیا۔

زبیدہ نے حیرت سے بہزاد کی طرف دیکھا اور کہا۔

تم نے اسے قتل کر دیا؟

بہزاد۔

جی! اس لئے کہ یہ اسی کا مستحق تھا۔

زبیدہ۔

تم نے اس کی خدمات نظر انداز کر دیں؟

بہزاد۔

اس نے خود اپنی خدمات پر پانی پھیر دیا۔ یہ مجوسی ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔ یہ اسلامی حکومت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا۔

زبیدہ۔

مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اسلام کے ایک بہت بڑے دشمن کو قتل کر دیا۔

بہزاد۔

یہ میرا فرض تھا۔

زبیدہ۔

اب ایک کام اور کرو۔

بہزاد۔

فرمائیے۔

زبیدہ۔

یہ خنجر کو میرے سینہ میں بھی گھونپ دو۔ میری لاش بھی امین کے ساتھ بغداد کے سب سے بڑے چوراہے پر لٹکا دو۔

بہزاد، زبیدہ کے قدموں پر گرا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔